خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے ایک نئی ہندی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

AUGUST
2020

سالگرہ نمبر

14th AUGUST
جشن آزادی مبارک

ماڈل: رونی انعم

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی: مہی ارشد

Pakistanipoint
Learning Point

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۶

افسانے

جاگتی آنکھوں..... — زرقا بھٹی — ۲۳
انتہائے عشق — سدرہ چودھری — ۳۴
دوسرا چہرہ — آمنہ بانو — ۴۰
حالات گزیدہ — نمرہ سعید — ۶۴
آہِ دل — عمارہ فاطمہ — ۶۸
لہو روشنی — اریبہ انصاری — ۹۲
بن تیرے — نوشین طاہر — ۹۶
ریما نور رضوان — ۱۱۶

سلسلے وار ناول

دل ہے آوارہ — عائشہ ذوالفقار — ۱۰
ہم ہار گئے جاناں — سیما شاہد — ۴۶
میں مسیحا — ایقان علی — ۱۰۲
خوشبو ہے کہ تم ہو — سباس گل — ۷۲
محبت دل کے صحرا میں — شازیہ مصطفیٰ — ۱۴۴

ناولٹ

تیرے عشق میں — حفصہ کنول — ۱۲۲

اگست 2020ء
جلد نمبر 26 شمارہ نمبر 8
قیمت 100 روپے

ردا ڈائجسٹ

ہم ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 1200 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
10,000 روپے
میڈل ایسٹ، ایشیاء، افریقا، یورپ کے لیے
8000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہے۔
ایزی پیسا اکاؤنٹ نمبر 0349-9657656
رابطہ: 0331-2785763
E-mail: zaheeruddin0325@gmail.com

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

34535726

انتباہ:-
ماہ نامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشن"۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت	صالحہ محمود	۸	اس ماہ میں	تسنیم شریف	۱۸۰
ردا کی ڈائری	صدف سعد	۱۷۷	کچن	ثریا اقبال	۱۹۰
ذرا پھر سے کہنا	نورین ملک	۱۸۴	سنگھار	شہلا مشائق	۱۹۳
خوشبو	تسنیم شریف	۱۷۳	اشعار	حورینہ	۱۸۷

ردا ڈائجسٹ کا آفیشل پیج
https://www.facebook.com/
Rida-Digest-
official-100568511534130/

ماہ وسال پلٹ آئے، زندگی کی وہ شام وہ لمحہ جہاں [illegible] کوئی لمحہ لکھ دیا جاتا ہے تو اندیشے کسی عزم کو نہیں توڑ سکتے، بس ایک ایسا ہی عزم [illegible] ہاتھوں [illegible] کر جب باہر آیا تو ہمارے اندرونی کتھارسس نے ہمارے وجدان کے وہ در کھول دیے جہاں روشنی کا ایک دیا ''ردا'' کی شکل میں مجھے نظر آیا اور جو فکشن میں پڑھتی تھی اس فکشن کی سمت کو موڑنے کے لیے ہمارے قلم میں اتنی جرأت و آگہی تھی اور یہ عزم مجھے اس وقت ملا تھا جب میں احتجاجی کالم لکھتی تھی، گوشہ آگہی کے نام سے جہاں میں انسانی ہلاکتوں کو وحشیانہ درندگی کہتی تھی اور جب میں نے دیکھا کہ قانون کی بالادستی قائم کرنے والے خود انسانوں کو پرندوں کی طرح مار دیتے ہیں، اس احساس اور اس سوچ نے ہمارے اس سفر کو اتنا آسان بنا دیا کہ وقت تو گزر گیا لیکن احساسات کبھی نہیں مرتے، انسان کے احساسات آخری لمحے تک باقی رہتے ہیں۔ یہ میری سوچ کا ہی پل کہ لاکھوں گھروں میں پڑھا جانے والا اگر میرا ایک جملہ کہ خودکشی جہنم کی آگ ہے اور اس آگ سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ خودکشی نہ کی جائے کسی بھی تکلیف دہ ماحول میں رہتے ہوئے بھی اس سوچ کو غالب نہ ہونے دیا جائے۔ میرے وجدان کا نکلا ہوا ایک لفظ ہمارے قلم کو جب تسخیر کر گیا تو شاید میں اس عزم کے ساتھ جی اٹھی اور جی رہی ہوں کہ ہم کچھ نہ سہی پھر بھی سانس لیتے ہیں فرض کی ادائیگی زندگی کا قرض ہوتی ہے اور قرض چکانے کا ذریعہ میں نے یوں نبھایا کہ ردا نے ہر رائٹر کی سوچ بدل دی کہ خودکشی حرام ہے، ردا گائیڈ کارنر میں آیا ہو ہر رائٹر خواہ وہ اب کہیں لکھ رہا ہو کہ کبھی آپ کو اپنے قلم سے اس موضوع کو نہیں چھیڑنا ہے اور یوں میں نے ہر کہانی کا اینڈ بدل دیا، نہ جانے کہاں کہاں اور کتنے رائٹرز جو آئے جنہوں نے شمولیت حاصل کی یا جو جا چکے ہیں ان سب کے ذہنوں پر میری بات نقش ہو گئی۔ زندگی کے اس سفر میں جب میں نے ردا کا آغاز کیا تھا تو اس رات میں بہت تنہا تھی مگر میری کہانیوں کا ہجوم شہر میرے ساتھ تھا اور ہماری کہانیوں کے وہ کردار جو ہر لمحہ مجھ سے ملے تھے ہمارے ساتھ تھے ناہموار راستوں کا سفر ہمیں آج بھی یاد ہے۔ آغاز دشوار ضرور ہوتا ہے لیکن عزم اتنا کمزور نہیں ہوتا اور آج اسی سناٹے میں جہاں میں نے کبھی تنہا اس سفر کا آغاز کیا تھا تو آج ہمارے کردار ہی نہیں اس شہر اس معاشرے کے دور دراز سے آئے ہوئے لکھے ہوئے وہ سارے کردار ہمارے اردگرد نظر آ رہے ہیں، شب بیت رہی ہے، روشنی کا دیا سامنے ہے اور اس کی روشنی بڑھتی ہی جا رہی ہے، سفر دشوار ضرور تھا مگر جس طرح سے قارئین! آپ نے پذیرائی کی اور آج یہ ملک کے کونے کونے میں پڑھا جانے والا سب سے مقبول ڈائجسٹ ہے ہماری سوچ ہمارے احساسات اگر کسی ایک کے دل میں بھی اتر گئے تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنے زندہ رہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ خودکشی حرام ہے میرے آغاز سفر کا یہی ایک نقطہ تھا جس نے مجھے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ یہ میرا عہد تجدید تھا کہ آپ سب کو ساتھ لے کر چلوں گی اور سب سے یہ اہم بات کہ وہ ینگ رائٹرز جنہوں نے نہ صرف ہم سے تعاون کیا بلکہ ہمارے ساتھ ساتھ آج تک چل رہے ہیں اور ان کی بے لوث محبت، ان کے قلم کی پختگی ان کے احساسات کی ہم آہنگی ہمارے قلم کا دوسرا عکس ہے۔ ہماری ذہنی ہم آہنگی اور ہماری سوچ نے ردا کو بے حد

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مقبول بنادیا اور وہ لوگ جو آغاز سفر میں میرے ساتھ تھے اور جن کی پروڈکٹ نے ردا کی بیس کو اتنا مضبوط بنادیا وہ بہت سارے ایسے لوگ ہیں جو ہمیں آج بھی یاد ہیں۔ نام لینا ضروری نہیں ہے مگر ان لوگوں کو آج بھی میرے احساسات میرے عزم کی وہ کہانی یاد ہے وہ آج بھی کہتے ہیں جو آپ نے کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اللہ جب چاہتا ہے ناممکن کو وہ ممکن بنا دیتا ہے۔ میں جب پلٹ کر پیچھے دیکھتی تھی تو سوچتی ضرور تھی اپنے ہم عصر ساتھیوں کو دیکھ کر کہ زندگی کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ پاؤں پسار کر سوئے اور چلے گئے لیکن صبر اور یقین ہمارے اوصاف کے وہ پیراہن تھے جنہوں نے مجھے محبتوں سے بچھڑنے نہیں دیا بلکہ خوشبوؤں سے اس مٹی سے مجھے ہم آہنگ کر دیا۔ خوشبوؤں کا سفر، محبتوں کے رنگ اور پھر میرے رب نے مجھے میری اوقات سے زیادہ بڑھ کر نوازدیا اور اب میں اتنی ساری مصنفات و قارئین کے درمیان زندگی کا باقی سفر گزار رہی ہوں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہیں رہی۔ بس ایک عزم سفر ہے کہ ردا کے ذریعے اپنے احساسات اپنی محبتوں کو بانٹ دینا ہے۔ کل کے فکشن اور آج کے فکشن میں، میں نے ایک نمایاں تبدیلی دی ہے، نئے لکھنے والوں کو میں نے اتنا معتبر بنادیا ہے کہ ردا ایک بار آپ پڑھ کر دیکھیے ہر چند کہ مجھے لکھنے کا جنون تھا اور آج بھی ہے مگر میں نے خود کو ہٹا کر دوسروں کو موقع فراہم کیا اور تمام مصنفین اور قارئین جو مجھے جانتے ہیں کہ میں ایک سینئر رائٹر ہوں ان کا یہ سوال بار بار سامنے آیا کہ میں خود کیوں نہیں لکھتی۔ 20 سال کی ان مسافتوں میں مجھے ایک پل کی فرصت نہ ملی کہ میں اپنے بچھڑے ہوئے اس شہر ہجوم سے ملتی جو مجھے زمانہ طالب علمی سے گھیرے رکھتے تھے۔ ان نارسائی کے دکھوں سے میں آنکھیں نہ ملا سکی جو فرصت میں لمحہ بہ لمحہ میرے دل کو ویران کرتے تھے لیکن نہیں معلوم کہ پھر کون سا عزم سفر مجھے پھر باہر لے کر آیا ہے اور میرا ایک ناول آپ کی محبتوں اور بے حد اصرار پر ردا کی زینت بن رہا ہے۔ یہ محبتوں کے احساس اور ہمارے اندرونی جذبات کی کہانی ہے، بس یوں سمجھ لیں نہ محبت کا کوئی رنگ ہے نہ غموں کا کوئی چہرہ آپ کے سوالوں کے جواب میں، میں کیا کہوں کہ دکھ ایک قطرہ ہے، دل کے سمندر میں گرنے والا دکھ کسی کا بھی ہو، شبنمی رات میں خوش رنگ گلابوں میں گرنے والی بوند کا چہرہ کہیں شفو، تو کہیں بس کسی کے نام پر ہوتا ہے، یہی محبتوں اور دکھوں کے چہرے ہیں نہ جانے کیوں میں آج بہت تھکی تھکی ہوں شاید اسی لیے اداریے کی یہ آخری کاپی ہوتی ہے جو بہت اہم اور ہمارے احساسات پر انحصار کرتی ہے ان تمام لفظوں میں میری حیات میرے وجدان کے سارے رنگ اترتے ہیں، اس وقت بھی میں شہر ہجوم کے درمیان بیٹھی نہ جانے کیوں اپنی کہانی لکھ رہی ہوں، رنگ یہ موسم وطن عزیز کی سالگرہ کا دن لاکھوں انسانوں کی عزم سفر کی وہ داستان جو دلوں میں رقم ہے آج تنہائی میں عکس تصویر بن رہے ہیں۔

"آئینہ لاؤ کہ ہم عزم سفر کی تصویر دیکھیں گے"

تو قارئین! وطن عزیز کے اس اہم دن کو جو ہم سبز ہلالی پرچم تلے مناتے ہیں، اس کو قائم رکھنے کا عزم ضرور کیجیے گا کہ ہر بند مٹھی میں ایک دعا، عزم کی تعبیر لکھی ضرور ہوتی ہے۔ یہ میرا ایمان اور یقین بھی ہے غیروں سے محبت کیجیے۔ زندگی سہل ہو جائے گی، بس اس ردا کی سالگرہ پر میرا پیغام محبت ہے میرے اس آغاز عزم کو یاد رکھیے گا، نیکی کا سفر بہت طویل ہوتا ہے اور اس سفر میں تمہیں ردا کے ساتھ چلنا ہے سالگرہ نمبر کیسا لگا؟ اپنی تنقید اور تعریف میں سندیسے لکھنا نہ بھولیے گا۔ ردا آپ کا ہے نئے لکھنے والے پھر ایک نئے عزم کے ساتھ ہمارے ساتھ رہیں ہم انہیں موقع ضرور دیں گے۔

آپی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صالحہ محمود

ردائے سنّت

عرفہ کے روزے کی فضیلت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”مجھے امید ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ ایک سال پیشتر اور ایک سال بعد کے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔“
(ترمذی شریف)

یوم عرفہ کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کو عرفہ کے دن سے زیادہ کسی روز دوزخ سے آزاد نہیں کرتا، اس روز پروردگار اپنے بندوں سے نزدیک ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر ناز کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں (کہ میں عطا کروں۔) (سنن نسائی شریف)

تکبیرات تشریق

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہمارے پاس تشریف لائے اور عرفہ کے روز صبح کی نماز کے بعد سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک یہ تکبیرات ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے رہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد۔

(نو ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مرد حضرات کے لیے بہ آواز بلند اور خواتین کے لیے آہستہ آواز سے ایک مرتبہ ان کلمات کا پڑھنا واجب ہے۔) (کنز العمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے موٹے، سینگ والے سفید و سیاہ رنگ کے خصی مینڈھے خریدتے۔ ان میں ایک اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے ذبح فرماتے جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پہچانے کی گواہی دیں اور دوسرا اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے ذبح فرماتے۔ (سنن ابن ماجہ شریف)

اونٹ نحر کرنے کا طریقہ

حضرت زیاد بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ، ایک شخص کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ اونٹ کو گھٹنوں کے بل بٹھا کر نحر کر رہا ہے۔ تو حضرت ابن عمرؓ، نے فرمایا: اسے اٹھا کر کھڑا کر کے باندھ کر (نحر کرو) یہ ہی تمہارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

قصاب کو بطور اجرت قربانی کے جانور سے کچھ نہ دیا جائے

حضرت علیؓ، سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں آپ ﷺ کی قربانی کے اونٹوں کی ذمہ داری اٹھاؤں اور ان کا گوشت، کھالیں اور اوجھڑی وغیرہ سب صدقہ کر دوں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور قصاب کو اس میں سے کچھ نہ دوں (بطور اجرت) اور فرمایا: قصاب کو ہم اپنی طرف سے مزدوری دیں گے۔ (صحیح مسلم شریف)

قربانی کرتے وقت کی دعا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن دو مینڈھے خصیص سینگوں والے اور چتکبرے ذبح فرمائے، بوقت ذبح آپ ﷺ نے ان کو قبلہ رخ کیا اور فرمایا:

(ترجمہ) میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین آسمان کی تخلیق فرمائی اور یہ کہ میں اپنی پوری یکسوئی کے ساتھ دین ابراہیمی پر قائم ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور بلاشبہ میری نماز اور میری تمام عبادتیں اور میرا جینا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی رضا کے لیے ہے، میری طرف سے۔ (سنن ابی داؤد شریف)

قربانی کے جانور کے لیے شرائط

قربانی کا جانور خوب فربہ، موٹا تازہ، صحت مند، تندرست و توانا ہونا چاہیے۔ بیمار، اندھا، کانا، لولا، لنگڑا، کان کٹا، کان چرا، ناک، دم نہ ہو، سینگ یا اور کوئی عضو تہائی کی حد تک کٹا ہوا نہ ہو، بھیڑ بکری، دنبی بھی ایسی نہ ہو جس کا ایک تھن نہ ہو، بھینس یا اونٹنی کے دو دو تھن نہ ہوں یا علاج سے ایسے سوکھ گئے ہوں کہ دودھ نہ اتر سکے یا وہ دیوانہ جانور جس کو چارا پانی کا کوئی خیال نہ ہو۔ اس قدر دبلا اور نحیف و نزار اور کمزور کہ خود ذبح کرنے کی جگہ پر نہ جا سکے۔ ایسے تمام جانوروں میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی جانور پیدائشی منڈا ہو یا جس کے نصف سے زیادہ دانت گر گئے ہوں یا جس کی پیدائشی کان چھوٹے ہوں یا وہ خصی ہو یا جس دنبہ یا دنبی کی چوتھائی سے کم چکتی کٹی ہوئی ہو یا وہ لنگڑا جانور جو چاروں پاؤں سے لنگڑا کر چلتا ہو یعنی چاروں پاؤں زمین پر ٹیکنے کے بعد لٹک کر چلتا ہو یا دیوانہ جانور چرتا بھی ہو یا جو جانور خارش کے مرض میں مبتلا ہو مگر دبلا نہ ہوا ہو یا جس جانور کی بیماری ظاہر نہ ہو ایسے تمام جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے۔ کسی جانور کا سینگ اس طرح ٹوٹا ہو کہ اندر گودا ثابت ہو تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔

قربانی کی کھالیں

قربانی کی کھال ان لوگوں کو ہی دی جا سکتی ہے جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، خود بھی یہ کھال استعمال کی جا سکتی ہے، مگر کھال کو فروخت کر کے اس کی رقم خود استعمال نہیں کی جا سکتی۔

ایام تشریق

9 ذی الحجہ سے 13 ذی الحجہ تک ایام تشریق کہلاتے ہیں، 9 ذی الحجہ کی فجر سے 13 ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا لازم ہے، مردوں پر بھی اور عورتوں پر بھی ایک مرتبہ پڑھنا لازم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تین مرتبہ پڑھ لی جائے۔ تکبیر تشریق مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ آہستہ پڑھیں۔

قربانی کا گوشت

قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ ایک حصہ اپنے لیے اور دوسرا حصہ دوست احباب میں تقسیم کرنے کے لیے، تیسرا حصہ فقرا و مساکین کے لیے۔

قربانی میں عقیقہ کا حصہ

قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے حصہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے حصہ نہیں لیا جا سکتا۔

قربانی کن جانوروں کی؟

گائے، بھینس، اونٹ، بکری، مینڈھا، دنبہ۔ ان جانوروں میں سے نر ہو یا مادہ، ان سب کی قربانی جائز ہے۔ ☆☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

عائشہ ذوالفقار

دل پہ آوارہ

"چائے.....!" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے کپ ان کے سرہانے رکھ دیا۔ عاصمہ نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ دنیا جہاں کی مایوسیاں اور اندھیرے اس کے چہرے پر تھے۔ ہر ہر لمحہ آنسو بہا کر وہ اپنی عدت کے دن گزار رہی تھی۔

''عروج پتر، اِدھر آ۔'' انہوں نے اپنے بستر پر اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ چپ چاپ ان کے پاس آ گئی۔
''کتنے دن ہو گئے ہیں میری رانی کو بالوں میں تیل لگائے۔ دیکھ کیسے خشک ہوئے پڑے ہیں۔'' وہ اس
بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔ عروج ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔
''میری قسمت ایسی کیوں ہے اماں۔ پہلے مجھ سے میرے ماں باپ چھن گئے۔ دیکھا بھی نہیں میں نے انہیں
آٹھ سال میں نے عالیان کا انتظار کیا۔ اس سے محبت کی۔ اس کے علاوہ کسی اور کا نہ سوچا۔ آٹھ سالوں
بدلے وہ مجھے ملا بھی تو صرف تین ماہ کے لیے۔ صرف تین ماہ۔'' عروج کے آنسو نکل آئے۔ ''ابھی تو میں ٹھ
سے خوش بھی نہیں تھی اماں اور وہ چلا بھی گیا۔'' اس کی ہچکی بندھ گئی۔
''نصیب کیسا بھی ہو پتر، اسے برا بھلا نہیں کہتے۔'' عاصمہ نے اسے سمجھایا۔ ''جو ہوا اسے رب کی کرنی سمجھ

قسط نمبر 24

Jagar Aze
Pakistanipoint.com

صبر کر۔"
"کیسے صبر کروں اماں۔ میرے ذہن سے ہی نہیں اترتا وہ، ہر وقت یاد آتا ہے۔ اس کی باتیں ہر وقت میرے دماغ میں گونجتی رہتی ہیں۔ اماں اس نے اتنے وعدے کیے تھے نا مجھ سے اور..... ایک بھی پورا کیے بغیر چلا گیا۔"
وہ رونے لگی۔
"بس پتر صبر کر۔" عاصمہ نے اسے تھپکی دی۔
"اگر رب سائیں ہم سے کچھ چھینتا ہے تو بدلے میں ضرور کچھ نہ کچھ عطا کرتا ہے۔ اگر تجھ سے تیرے ماں باپ واپس لے لیے تو بدلے میں تجھے میں اور تیرے چچا جان تو مل گئے نا، تیرے لاڈ پیار میں کبھی کوئی کسر نہیں رکھی۔ ہمیشہ عارب کی طرح چاہا ہے ہم دونوں نے یقیناً اب بھی تیرے نصیب میں عالیان سے بہتر لکھا ہوگا۔ اگر وہ تجھ سے واپس لے لیا گیا تو بدلے میں اس سے بہتر مل جائے گا۔" وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھاتی رہیں۔
"مجھے اور کوئی نہیں چاہیے اماں۔ عالیان کے بعد کوئی نہیں۔" وہ بولی۔
"عروج پتر! زندگی کسی کے جانے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ اسے تو جیسے تیسے گزارنا ہے نا۔" وہ بولیں۔
"اماں میں نے اپنی ساری محبت عالیان کو دے دی ہے۔ کسی اور کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔" وہ پھر رو پڑی۔
"وقت ہر زخم اور ہر دکھ بھر دیتا ہے پتر۔" عاصمہ نے اس کے آنسو خشک کیے۔
"عارب!" عرفان اسے اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "تو ابھی تو گاؤں کے لیے نکلا تھا یار..... واپس کیوں آ گیا؟" اندھیرے کی وجہ سے وہ اس کا حلیہ نہ دیکھ سکا۔ عارب گرتا پڑتا اندر آیا تو عرفان کے ہوش اڑ گئے، وہ شکل سے بدشکل ہو رہا تھا۔
"عارب یہ کیا ہوا تجھے.....؟" عرفان نے اسے سہارا دے کر بستر پر لٹایا۔ عارب کے بدن سے جگہ جگہ سے خون بھی رس رہا تھا۔
"کس نے یہ حالت کر دی تیری؟" عرفان سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔
"یار! اس نے مجھ سے سب کچھ اگلوا لیا، سب کچھ۔" عارب نے اس کے سر پر دھماکا کیا۔
"کس نے.....؟" عرفان پریشانی سے بولا۔
"عکرمہ نے۔" عارب سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اس کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر عرفان آگے کو ہوا۔
"پہلے تجھے ہسپتال لے چلتا ہوں۔ بعد میں مجھے بتائیں کیا ہوا۔" وہ بولا۔
"نہیں عرفان، میں نے کہیں نہیں جانا، تو میری بات سن۔ اس نے مجھے مار پیٹ کے سب کچھ اگلوا لیا ہے اور وہ یہ سب باتیں یقیناً اماں اور بابا کے آگے رکھ دے گا۔ یار میرا کیا بنے گا؟" عارب کو ہول اٹھ رہے تھے۔
"بے غیرت کو گولی مار کے کام ختم کرتے ہیں۔" عرفان طیش میں آ گیا۔
"تیری گولی سے پہلے اس کی زبان چل جائے گی۔ میں نے بتا دیا کہ تو بھی میرے ساتھ تھا۔" اب عرفان کے اوسان خطا ہوئے۔
"اس نے ڈی ایس پی تک پہنچ جانا ہے عرفان..... یار! عتبہ کو تلاش کرو، ہو سکتا ہے وہ زندہ ہو۔"
"عارب تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ وہ زندہ ہوتا تو اب تک مل گیا ہوتا۔"
"اب کیا ہوگا....." عارب کو سانس نہیں آ رہا تھا۔

''تجھے زبان نہیں کھولنی چاہیے تھی۔'' عرفان نے اسے گھُرکا۔
''حالت دیکھ میری، میں زبان نہ کھولتا تو وہ مجھے جان سے مار دیتا۔''
''اسے کیسے شک ہوا تجھ پر؟'' عرفان آگے کو ہوا، اس نے کندھے اچکا دیے۔
''تو نے تو کوئی اشارہ یا clue نہیں دیا؟'' عرفان پھر بولا۔ عارب نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''چل میرے ساتھ.....'' عرفان اسے لے کر تھانے آیا۔ عکرمہ کے خلاف ایف آئی آر کاٹی اور عارب کو ہسپتا
بھیج کر خود اسے گرفتا کرنے آ گیا۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ آس پاس سے پتا چلا کہ وہ اپنے بچوں کو لے کر کہیں
ہے۔ کچھ دیر ڈھونڈنے کے بعد وہ اسے ایک آئس کریم شاپ پر مل گیا، عرفان اسے گرفتار کر کے تھانے لے آ
''اے ایس پی عرفان چودھری۔'' وہ اس کا نام پڑھ کر مسکرا دیا۔
''جرم کیا ہے میرا.....؟'' اس نے پوچھا۔
''تم نے ایک بے گناہ شہری کو بے جا تشدد کر کے جان سے مارنے کی کوشش کی۔ تم دیکھنا ذرا اب.....'' عرف
کو اس پر بے پناہ غصہ تھا۔
''اس بے گناہ شہری کا نام کیا ہے؟'' عکرمہ ہنسا۔
''عارب چودھری۔''
''وہ.....اچھا وہ جو تمہارا رشتہ دار ہے، جس کے ساتھ مل کر تم نے دو بے گناہ شہریوں کو جیل میں بند کر کے تشدد
تھا۔'' عکرمہ اسے سلگا گیا۔
''دیکھ لوں گا تمہیں۔'' عرفان نے اسے سلاخوں کے پیچھے کر دیا لیکن وہ بھی عکرمہ نور تھا۔ اپنے نام کا وا
بندہ..... پورا بندوبست کر کے آیا تھا۔ جب وہ کافی دیر تک واپس نہ آیا تو علیکہ نے عائزہ کو کال کر دی۔
''حد ہے اس لڑکے کی۔ اب کی بار خود بند ہو گیا۔'' عائزہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔ چند منٹ بعد عرفان کو ڈی ایس
پی کی کال آ گئی۔
''وہ لڑکا پچھلے دو گھنٹے سے اپنے گھر پر نہیں تھا بلکہ اپنے گھر سے چار کلومیٹر دور اپنی بہن کے گھر پر تھا۔ وہ بیچا
آئس کریم لینے نکلا اور تم نے گرفتار کر لیا۔ عقل کہاں ہے تمہاری؟ اب کی بار پیٹی اتر گئی تو مستقل اتر جائے گی
چھوڑ دو اسے۔'' ڈی ایس پی اس پر برس پڑے۔
''سر اس نے عارب کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ آپ تھوڑا صبر تو کریں۔'' عرفان بولا۔
''کب تک.....؟ جب تک تم اس کا حلیہ بگاڑو تب تک۔'' ڈی ایس پی غرائے۔
عرفان چپ رہا۔
''دیکھو عرفان چودھری! پہلے اس کے خلاف ثبوت جمع کرو، پھر اس پر ہاتھ ڈالو۔ بے وقوف خیال مت کر
اسے۔'' انہوں نے کال کاٹ دی۔ بادل نخواستہ عرفان نے اسے چھوڑ دیا۔
''اب ان سلاخوں کے پیچھے تم نظر آؤ گے۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے باہر آ گیا۔

☆.....☆

وہ دونوں ڈنر کر کے واپس آئے تھے۔ عینیہ تو آتے ہی شاور لینے گھس گیا جب کہ وہ دوپٹا صوفے پر کھینچتے ہو
دھیرے دھیرے جیولری اتارنے لگی۔
''عینیہ جلدی کرو یار۔'' نسبتاً آرام دہ جوڑا نکال کر اس نے واش روم کا دروازہ بجایا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ابھی تو گھسا ہوں۔''
''توبہ کرو بیس منٹ ہونے والے ہیں۔'' اس نے دوبارہ دروازہ بجا دیا۔
''آجاؤ.....'' عینیہ کی آواز پر وہ جیسے ہی اٹھ کر دروازے کے قریب آئی، اس نے کھٹاک سے دروازہ کھول کر اسے اندر کھینچ لیا۔
''بدتمیز عینیہ.....'' وہ چیخ پڑی۔
''جا رہا ہوں، جا رہا ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے باہر آ گیا۔
''دفع ہو جاؤ۔'' اسے طیش آ گیا۔ دس منٹ بعد وہ گیلے بال جھٹکتے ہوئے باہر نکلی تو وہ ابھی تک بغیر شرٹ کے ہی پھر رہا تھا۔
''توبہ ہے، شرٹ تو پہن لو۔'' وہ بولی۔
''کیا فائدہ، ابھی تو اتار دینی ہے۔'' اس کے کہتے ہی عمایہ سرخ ہو گئی۔
''کتنی بے ہودہ بات تھی یہ۔'' وہ بالوں میں کنگھا پھیرتے ہوئے بولی۔ عینیہ اس کے چہرے کی سرخی دیکھ کر ہنستا چلا گیا۔
''تمہارا گیلا چہرہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ ''لاؤ میں پھیروں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے کنگھا لیتے ہوئے بولا۔
''بہت دھیرے دھیرے پھیرنا.....'' عمایہ بڑے حق سے بستر پر جا بیٹھی۔ عینیہ نے بہت محبت سے اس کے بال سلجھا دیے۔
''اب اس محنت کا صلہ تو دے دو۔'' وہ اس کی پشت سے دونوں بازو پھیلا کر اس کا وجود سمیٹتے ہوئے بولا۔
''کبھی بے غرض ہو کر بھی میرا کوئی کام کر دیا کرو۔'' عمایہ مسکرائی۔
''میں بے غرض ہو کر تم سے ہر لمحہ محبت نہیں کرتا؟'' عینیہ اس کے چہرے کو بے دریغ چومتے ہوئے بولا۔
''اور پھر اسی ایک لمحے میں خود غرض بھی ہو جاتے ہو۔ شدید نفرت بھی کرنے لگتے ہو۔'' عمایہ نے آنکھیں بند کر لیں۔
''وہ نفرت نہیں ہوتی پاگل، وہ بھی میری محبت کی شدت ہوتی ہے۔'' عینیہ پوری طرح اس پر حاوی ہوتے ہوئے بولا۔ عمایہ نے ہتھیار ڈال دیے۔
''بس اس بار وہ لمحہ میرے سامنے مت لے آنا۔'' عمایہ نے سرگوشی کی۔ عینیہ بے خود ہوتا چلا گیا۔

☆.....☆

وہ ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے کراچی آئی تھی۔ لنچ کے دوران وہ عزین مرزا کو نظر آئی۔
''کیسی ہو عشوہ؟'' وہ اس کے پاس آ گئے۔
''میں ٹھیک ہوں سر! آپ سنائیں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔
''بہت مبارک ہو تمہیں، بزنس گروپ میں تم ٹاپ ٹین میں آ گئی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔
''بہت شکریہ سر، بس یہ اوپر والے کا کرم ہے۔'' وہ بولی۔
''اور تمہاری محنت ہے۔'' عزین مرزا بولے۔ عشوہ چپ رہی۔
''کیا ہوا؟'' وہ اس کو یکدم افسردہ ہوتا دیکھ کر بولے۔
''کچھ نہیں سر، بزنس لیڈی تو بن گئی مگر بدلے میں بہت کچھ کھو دیا۔'' وہ بولی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''مرتبہ بہت کچھ کھو کر ہی ملتا ہے۔'' وہ آگے کو ہوئے۔ ''اور یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ یہ تو دنیا کی روایت ہے کہ شہرت اور محبت میں سے ہمیشہ ایک چیز ہی ملتی ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائے۔

''جیتنے والے تو ہم لوگ ہی ہوتے ہیں نا۔'' عشوہ بولی۔

''اور ہم لوگ ہمیشہ شہرت ہی چنتے ہیں۔ ہے نا سر۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر بولی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ظاہر ہے انہوں نے بھی تو شہرت ہی چنی تھی۔ محبت ٹھکرا دی تھی۔

''تم نے جلد بازی تو نہیں کر دی۔'' وہ کچھ دیر بعد بولے۔

''لمبا انتظار کر کے بھی مجھے یہ ہی فیصلہ کرنا تھا سر۔'' وہ بولی۔

''تمہیں نہیں لگتا اسے ایک موقع ملنا چاہیے تھا۔'' عزین مرزا دھیرے سے بولے۔

''لیکن میں نہیں دے سکی۔'' اس نے تسلیم کیا۔

''یقین کریں میں اسے معاف کرنا چاہتی تھی لیکن..... بس نہیں کر سکی۔ شاید میں آپ کو کبھی نہ سمجھا پاؤں کہ میں اسے کیوں معاف نہ کر سکی۔ شاید میں کسی کو بھی نہ سمجھا پاؤں۔'' وہ بے بس ہو گئی۔

''مجھے کسی اور کے بارے میں نہیں پتا عشوہ لیکن میں تمہاری بات بنا سمجھائے ہی سمجھ گیا ہوں۔ مجھے پتا ہے تم اسے ایک اور موقع کیوں نہیں دے سکیں۔'' وہ بولے۔

''میں جانتا ہوں عشوہ کہ نہیں برداشت ہوتا۔ شوہر سے بیوی کی زبان پر اور بیوی سے شوہر کی زبان پر کسی اور کا نام نہیں برداشت ہوتا۔ نہیں برداشت ہوتا ایک بیوی سے اپنے شوہر کی آنکھوں میں کسی پرائی صورت کو دیکھنا، نہیں برداشت ہوتا شوہر کا کسی اور کی خاطر چند قدم دور چلے جانا..... پھر چاہے وہ واپس ہی کیوں نہ آ جائے، چاہے وہ نادم ہی کیوں نہ ہو، چاہے وہ معافی ہی کیوں نہ مانگے۔ نہیں معاف کیا جاتا۔'' وہ اس کی بات سمجھ گئے تھے۔ کیسے نہ سمجھتے۔ اس صورت حال سے گزر چکے تھے۔ نہیں معاف کر سکے تھے وہ بھی اپنی بیوی کو نہیں دے سکے تھے اسے ایک اور موقع۔ اس کی طرف دوبارہ قدم نہیں بڑھا سکے تھے۔

☆.....☆

وہ آج عانیہ اور عنیزہ کے ساتھ یونیورسٹی آئی تھی۔ ان دونوں کا ایف ایس سی کے بعد آنرز میں ایڈمیشن کروانا تھا۔ مارکس امپروو کرنے کے چکر میں عانیہ بھی عنیزہ کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ ان دونوں کو فیس اور فارم وغیرہ جمع کروائے کافی دیر ہو گئی۔ ان دونوں کا جوائنٹ اکاؤنٹ کھلوا کر اچھے پیسے اس میں ٹرانسفر کروائے اور کچھ عفان کے اکاؤنٹ میں بھجوا دیے۔ واپسی پر بریانی اور کولڈ ڈرنک خرید کر وہ عنیزہ کی طرف ہی آ گئی۔ ہینڈ بیگ صوفے پر اچھالتے ہوئے وہ خود بھی وہیں ڈھیر ہو گئی۔ بے تحاشا تھکن ہو رہی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔'' عنیزہ اس کے پسینے سے شرابور چہرے کو دیکھ کر بولیں۔

''ہاں جی بس تھکن ہو گئی ہے۔ عانیہ یار جلدی کھانا لگاؤ۔'' وہ بولی۔ عنیزہ نے اسے پانی کا گلاس بھر کر پکڑا دیا۔

''زیادہ مشقت سے گریز کیا کرو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

نہ جانے کیوں وہ اس کا عکرمہ سے موازنہ کرنے لگیں۔ عمایہ ان کی نگاہوں سے ٹھٹھک گئی۔

''خیریت تو ہے۔'' اس نے پوچھ لیا۔

''تم خوش ہو عینیہ کے ساتھ؟'' وہ بولیں۔

''جی، خوش ہوں۔'' عمایہ حیرانی سے بولی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''عروہ کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ۔'' وہ پھر بولیں۔
''بہت بہتر، بہت اچھا۔'' وہ مطمئن تھی۔ عبیرہ چپ ہو گئیں۔
''آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔
''ویسے ہی۔'' وہ اٹھ گئیں۔ عمایہ بھی اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئی۔
''علیکہ نے چکر لگایا۔'' اس نے پوچھا۔
''ہاں ہر تیسرے چوتھے دن لگا لیتی ہے۔'' وہ اس کے آگے ڈش کرتے ہوئے بولیں۔
''عکرمہ نہیں آیا بہت دنوں سے۔'' وہ ساتھ ہی بولیں۔ عمایہ چپ ہو گئی۔
''اس کی صلح ہو گئی عشوہ سے؟'' انہوں نے اس سے پوچھا۔
''ان دونوں کی ڈائیورس ہو گئی ہے۔'' اس نے دھماکا کیا۔ عبیرہ سن رہ گئیں۔
''نہیں معاف کر سکی۔'' وہ مسکرائیں۔
''نہیں۔'' وہ چپ چاپ کھانے میں لگی۔ کھانے کے بعد عانیہ اسے چائے کا کپ پکڑا گئی۔ عبیرہ اس کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔
''لیکن کیوں؟'' وہ بولیں۔
''یہ آپ پوچھ رہی ہیں؟'' اس نے سر اٹھایا۔ وہ سمجھ گئی کہ عبیرہ جان چکی ہیں۔
''وہ تمہیں جانتی تو ہے۔ اسے پتا تو تھا کہ تم اب شادی شدہ ہو۔ کچھ بھی ہو جائے تم عینیہ کو چھوڑ کر عکرمہ سے شادی نہیں کرو گی۔ میرا کیس مختلف تھا۔ اگر میں کہوں کہ عرمین نے مجھے عروہ کی وجہ سے معاف نہیں کیا تو یہ بھی سچ ہے کہ میں نے اس سے اس کا شوہر چھینا تھا۔ میں نے اسے تکلیف پہنچائی اور بدلے میں اس نے وہی تکلیف میرے حصے میں ڈال دی لیکن..... تم نے تو اس سے کچھ نہیں چھینا۔ نہ اسے کوئی تکلیف دی تم تو اپنی محبت میں ہار گئی تھیں نا۔ اس سے اسے کیا لینا دینا۔'' وہ بولیں۔
''شاید اسے لینا دینا ہے۔ شاید مجھے اس کے شوہر سے ہاری ہوئی محبت بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بولی۔
''بچے کس کے پاس ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔
''عکرمہ کے پاس۔'' وہ بولی۔
''میری وجہ سے وہ دونوں معصوم برباد ہو رہے ہیں۔ میری وجہ سے عکرمہ خوار ہو کر رہ گیا۔ ہر ہر لمحہ مجھے اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ میں واپس کیوں آئی۔'' وہ بولی تو آنکھیں نم ہو گئیں۔
''تم کون سا اس کی وجہ سے آئی تھیں۔'' عبیرہ بولیں۔
''اور یہ خواری اس کا نصیب تھی اسے بھگتنا ہی تھا سو بھگت رہا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں۔

☆.....☆

وہ آج اس سے ملنے چلی آئیں۔ کافی دن ہو گئے تھے علیکہ کو عزیر ہاؤس کا چکر لگائے۔
مجھے اس گڑیا کی بہت یاد آ رہی تھی۔'' وہ عشاء کو گود میں اٹھاتے ہوئے بولیں۔ ''اس کی صورت دیکھ کر مجھے عتبہ کی یاد آنی کم ہو جاتی ہے۔'' وہ اسے بے تحاشا چومتے ہوئے بولیں۔
''کھانا کھائیں گی آپ۔'' وہ اپنے لیے روٹی بنا رہی تھی۔
''ہاں ضرور۔'' وہ بولیں۔ ''روٹیاں ڈال کر علیکہ نے برتن لگا دیئے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''تم ٹھیک ہو اب۔'' انہوں نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔
''جی شاید۔'' وہ بولی۔
''آگے کا کیا سوچا ہے۔'' وہ پھر بولیں۔
''آگے مطلب.....؟'' وہ سمجھ نہ سکی۔
''مطلب یونہی اکیلی رہو گی کیا؟'' عروہ بولیں۔ علیکہ سمجھ گئی۔
''نہیں میری بیٹی میرے ساتھ ہے۔'' وہ بولی۔
''بیٹی ایک دن پرائی ہو جائے گی۔'' عروہ نے کہا۔
''تب تک زندگی کے دن پورے ہو جائیں گے۔'' علیکہ مسکرائی۔ ''آپ کو اچھا نہیں لگے گا کہ میں آپ کے بیٹے سے ساری عمر وفا کروں۔ اس کے نام پر ہر ہر لمحہ گزار دوں۔ اس کی بیٹی کی پرورش کروں اور چپ چاپ اسے رخصت کر کے اس دنیا سے چلی جاؤں۔'' وہ بولی تو عروہ مسکرا دیں۔
''مطلب پلان تیار ہے۔''
''اچھا نہیں ہے؟'' وہ بولی۔
''بہت اچھا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔
''ایک بات پوچھوں۔'' وہ کچھ دیر بعد بولیں۔ ''اگر عتبہ واپس آ گیا تو.....تب تم کیا کرو گی؟''
''اسے آزاد کر دوں گی۔'' وہ بولی۔
''اور اگر وہ آزاد نہ ہونا چاہتا ہو تو؟'' عروہ پھر بولیں۔
''تو میں اس سے الگ ہو جاؤں گی آپ کی طرح۔'' وہ کچھ لمحوں بعد بولی۔ عروہ چپ ہو گئیں۔
''معاف نہیں کرو گی؟'' کھانا ختم کر کے انہوں نے پوچھا۔
''آپ کیا چاہتی ہیں کہ کروں؟'' وہ بولی۔
''رو کر معافی مانگے تو کر دینا۔'' ان کی بات سن کر وہ چپ رہ گئی تھی۔

☆.....☆

''علیکہ چلو چلیں۔'' تقریباً دس بجے وہ اس کے کیبن میں آیا۔
''کہاں جانا ہے؟'' علیکہ حیران ہو گئی۔
''عارب کے گاؤں۔'' وہ بولا۔
''چلو رضوی صاحب سے شارٹ لیو لیتے ہیں۔'' علیکہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ رضوی صاحب کے آفس میں آ گئی۔ بڑی مشکلوں سے انہوں نے دو گھنٹے کے لیے فری کیا۔
''ایک بار پھر سوچ لو۔'' علیکہ، عشاء کو اٹھاتے ہوئے بولی۔
''کچھ نہیں سوچنا۔ بس اب کر گزرنا ہے۔'' عکرمہ پوری طرح تیار تھا۔
''عارب آفس گیا ہو گا۔ میرے بچے بھی ابھی اسکول میں ہیں۔ ہم ڈائریکٹ اس کی والدہ سے ملیں گے۔'' وہ اسے ساتھ لیے باہر نکل آیا۔
''تم بس اپنے حواس قابو میں رکھنا۔'' وہ سارے راستے اسے سمجھاتے ہوئے آیا۔
''ہمیں عاصمہ چودھری سے ملنا ہے۔'' اس بڑی سی حویلی میں داخل ہو کر عکرمہ نے ایک عورت سے کہا۔ بڑی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

حیرانی سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے وہ انہیں عاصمہ کے کمرے تک لے آئی۔
''یہ آپ سے ملنے آئے ہیں بھابی جان.....'' وہ عارب کی بڑی پھوپھو تھیں۔ عاصمہ، علیکہ کو دیکھ کر حیران ہو گئیں۔
''یہ میرا بھائی ہے عکرمہ۔'' ان سے گلے مل کر علیکہ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
''بیٹھو بیٹے۔'' عکرمہ مسلسل ان کی حرکات وسکنات نوٹ کر رہا تھا۔
''عدیلہ چائے بھجوا دینا۔'' انہوں نے باہر جاتی عدیلہ سے کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر آ گئیں۔
''خیریت تو ہے۔ اس وقت مجھ سے ملنے کیسے آئے ہو تم لوگ۔'' وہ بولیں۔
''عکرمہ آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔'' علیکہ نے اپنی جان چھڑائی۔
''آپ کے کتنے بچے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔
''بس ایک بیٹا ہے۔ عارب۔'' وہ بولیں۔
''اور عروج کس کی بیٹی ہے۔'' اس نے پھر پوچھا۔
''میرے جیٹھ اور جٹھانی کی۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' وہ بولیں۔
''اور آپ کے شوہر کے کتنے بہن بھائی ہیں۔'' اس نے غور سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''چھوٹا بھائی عرفان اور پانچ بہنیں۔'' وہ بولیں۔
''عرفان شادی شدہ ہے۔''
''نہیں۔'' وہ بولیں۔
''آپ کی پانچ نندوں میں سے کسی کے پاس اولاد نرینہ ہے؟'' اب کے عاصمہ چونکیں۔
''تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔'' وہ ذرا ناراضی سے بولیں۔
اس کے بارے میں کیا جانتی ہیں آپ۔'' وہ ان کا سوال اگنور کر کے علیکہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
''بس اتنا کہ میرے بیٹے نے اس سے بہت محبت کی ہے۔'' وہ بولیں۔
''اور اس نے آپ کے بیٹے کو ٹھکرا کر کسی اور سے شادی کر لی۔'' عاصمہ چپ رہ گئیں۔
''عاصمہ جی! اس دنیا میں ایسی کون سی عورت ہو گی جو ایک ایسی لڑکی سے انسیت رکھے جس نے اس کے بیٹے کو بری طرح ٹھکرا دیا ہو۔'' وہ اس کی بات پر دنگ رہ گئیں۔
''حیرانی کی بات ہے نا؟ ایسا ہوتا نہیں ہے عموماً بلکہ اس لڑکی سے تو بہت نفرت ہو جاتی ہے۔ اس کی شکل دیکھنے کو دل نہیں کرتا۔ اس سے بات کرنے کا جی نہیں چاہتا نہ کہ اسے شادی کا گفٹ دیا جائے۔ اسے لمبی خوشیوں کی دعائیں دی جائیں۔ اسے بیٹی کی مبارک باد دی جائے۔ ہے ناں۔'' عکرمہ کا نشانہ درست جگہ لگا تھا۔ عاصمہ ایک لفظ نہ بول سکیں۔ بس ٹھک ٹھک کر رہ گئیں۔
''علیکہ کی ساس کے چھوٹے بیٹے کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ وہ بڑی خوش ہوئیں لیکن اس لڑکی نے ان کے بیٹے کے بجائے مجھ سے شادی کر لی۔ آج تک وہ اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتیں۔ آج تک ان کے دل سے گلے شکوے ختم نہیں ہوئے۔ پھر آپ کیسے علیکہ سے اس قدر محبت کر سکتی ہیں۔ ناقابل یقین سی بات ہے۔'' وہ جلتی پر تیل گرائے جا رہا تھا۔
''ہو سکتا ہے عاصمہ جی کہ میں غلط ہوں۔ ہو سکتا ہے میرا شک بالکل بے بنیاد ہو لیکن کہیں ایسا تو نہیں ہے آپ کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اپنے خاندان کے لیے ایک وارث کی ضرورت تھی لیکن خدا نے آپ کی جھولی میں ایک بیٹی ڈال دی یا شاید ا
ہو کہ آپ نے وہ بیٹی چپ چاپ کسی اور کے حوالے کر دی اور بدلے میں ایک بیٹا لے لیا یا پھر ایسا بھی ہو سکتا
کہ.....'' عاصمہ نے ایک دم اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ میری بیٹی ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ علیکہ اور عکرمہ دونوں دم بخود رہ گئے۔ عکرمہ کو ذرا اندازہ نہیں
تھا کہ وہ اتنی جلدی پگھل جائیں گی۔

''چودھری صاحب کو واقعی ایک بیٹے کی ضرورت تھی۔ میں پُریقین تھی کہ میری جھولی میں ایک بیٹا ہی آئے
لیکن ڈلیوری سے چند گھنٹے پہلے مجھے پتا چلا کہ میرے وجود میں ایک بیٹی سانس لے رہی ہے۔ یہ بات نہیں تھ
کہ چودھری صاحب بیٹی کو قبول نہیں کرتے لیکن میں ڈر گئی مجھے لگا میرا گھر اجڑ جائے گا۔ سارا خاندان مجھے طع
دے دے کر مار دے گا۔ تمہاری ماں کی ڈلیوری میرے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ بس میں نے تمہیں اس کے پہلو میں
ڈال دیا اور..... عارب کو اٹھا لیا۔'' وہ کہتی چلی گئیں۔ علیکہ بے آواز رو رہی تھی۔

''اور آپ نے ڈیڈ کے نام بس یہ بھیج دیا۔'' عکرمہ نے وہ خط ان کے آگے رکھ دیا۔ عاصمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ نے بعد میں کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا کہ میں کس حال میں ہوں۔'' علیکہ دھیرے سے بولی۔

''مجھے لگا میرے پلٹنے سے شاید تمہاری زندگی مشکل ہو جائے گی۔ میں مطمئن تھی کہ میں نے تمہیں ایک ماں ا
ایک باپ کو سونپا ہے۔ کچھ عرصے بعد مجھے پتا چلا کہ تمہاری ماں تمہیں لے کر الگ ہو گئی۔ پھر بہت عرصے تک
تمہارے بارے میں کچھ پتا نہ چل سکا۔'' عاصمہ بتانے لگیں۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں عارب کے ساتھ کام کرتی ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''مجھے یہ پتا چلا تھا کہ تم اس آفس میں کام کرتی ہو۔ صرف تمہارے بارے میں ہر وقت جاننے اور پتا رکھنے کے
لیے میں نے عارب کو اس آفس میں نوکری کرنے دی ورنہ چودھری صاحب اس کی نوکری کے سخت خلاف
تھے۔ وہ ہر ہفتے گھر آ کر مجھے تمہارے بارے میں بتاتا تھا۔ بس مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ اسے تم سے محبت ہو گئی تھی
پھر اس نے مجھے بتا دیا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ میں اور خوش ہو گئی تمہارے باپ سے بات کر کے میں اپنی بیٹ
کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس لے آؤں گی لیکن تم نے کسی اور سے شادی کر لی۔ میں بس تمہاری خوشی میں خوش
تھی۔'' وہ رو رہی تھیں۔ علیکہ ان کے آنسو صاف کرنے کے لیے بھی نہ اٹھ سکی۔ عکرمہ چپ چاپ ان کی باتیں
سنتا رہا۔

''میں جانتی ہوں میں بہت خود غرض ہو گئی تھی۔ مجھے صرف اپنی فکر تھی۔ صرف اپنی عزت اور زندگی کا احساس
تھا۔ تمہارے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا۔ میں شاید آج بھی اتنی ہی خود غرض ہوں۔'' و
بولیں۔

''آپ کو ذرا سا بھی اندازہ نہیں ہے میں نے کیسی زندگی گزاری ہے۔ آپ کی گود سے دربدر ہو کر میں..... واقعی
دربدر ہو گئی۔'' وہ بولی۔

''جب آپ عارب کو اپنی گود میں بٹھا کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی ہوتی تھیں تا تب میں شاید کسی
بورڈنگ ہاؤس کے اندھیرے کمرے میں اکیلی سو رہی ہوتی تھی۔ اسے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ آپ کی محبت بھی
ملی آپ کے شوہر کا پیار بھی ملا۔ سارے خاندان کی آنکھ کا تارا بن گیا لیکن میں.....'' اس سے آگے صرف اس کی
ہچکیاں تھیں۔ عاصمہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''میرے پاس تم سے معافی مانگنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں بیٹا۔'' انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑنے چاہے لیکن اس نے فوراً ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''رہنے دیں۔ کوئی شکوہ نہیں ہے آپ سے۔'' وہ اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔

''بس یہ سب میری قسمت میں تھا۔ ایسے ہی ہونا تھا۔'' وہ بولی۔

''لیکن میں یہاں آپ کو کچھ اور بتانے آئی ہوں۔'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔ عاصمہ حیران رہ گئیں۔

''کیا ہوا؟'' وہ بولیں۔ علیکہ نے عکرمہ کی طرف دیکھا۔

''اسے جانتی ہیں آپ؟'' اس نے عتبہ کی تصویر ان کے آگے رکھ دی۔

''یہ تو عالیان ہے۔'' وہ اور حیران ہوئیں۔

''یہ میرا شوہر ہے عاصمہ جی۔'' وہ انہیں مام نہ کہہ سکی۔ عاصمہ دنگ رہ گئیں۔

''میں نہیں جانتا آپ کا اصلی عالیان امریکا سے کیوں نہیں آیا لیکن یہ سو فیصد سچ ہے کہ جس سے آپ کی بیٹی کی شادی ہوئی وہ عالیان نہیں تھا۔ وہ آپ کی اس بیٹی کا شوہر تھا جس نے دوسری شادی کر لی۔'' عکرمہ زور سے بولا۔

''سراسر بکواس ہے یہ۔'' عروج ایک دم اندر آئی تھی۔ علیکہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ''اماں یہ صرف عالیان پر کیچڑ اچھال رہا ہے اور بس..... تم ہو کون؟'' وہ چیخ پڑی۔

''میں جو کوئی بھی ہوں اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں اور دوسری بات یہ کہ تمہارے اس عالیان پر مجھے کیچڑ اچھالنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو اس قدر بزدل نکلا کہ ہمت کر کے تمہیں سچ نہ بتا سکا۔ بس آٹھ سال تمہیں پاگل بنا کر چپ چاپ کسی اور کے ساتھ سیٹ ہو گیا۔'' عکرمہ کھڑا ہو گیا۔

''بکواس بند کرو۔ اس کے ساتھ تین ماہ گزارے ہیں میں نے اگر وہ عالیان نہ ہوتا تو مجھے لمحوں میں پتا چل جاتا۔'' وہ آگے کو آئی۔

''یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تم تین ماہ ایک انجان شخص کے ساتھ رہیں اور تمہاری محبت تمہیں اس کی اصلیت نہ بتا سکی۔ کس قدر بے وقوف اور ناسمجھ تھی تمہارے آٹھ سالوں کی محبت۔'' عکرمہ بھڑک گیا۔

''اس میں اس بے چاری کا کیا قصور عکرمہ۔ اس نے تو صرف تین ماہ گزارے اس کے ساتھ، میں تو دو سال گزار کر بھی اسے سمجھ نہ پائی۔'' علیکہ دھیرے سے بولی۔

''تم چلو میرے ساتھ لاہور۔ وہاں اپنے بھائی کے آفس میں کسی بھی شخص کے آگے یہ تصویر رکھ کر پوچھو کہ یہ کون ہے۔ مجھے میرے بچوں کی قسم کسی ایک نے بھی کہہ دیا نا کہ یہ عالیان ہے تو میرے منہ پر اسی وقت تھپڑ مار دینا۔'' عکرمہ زور سے بولا۔

عروج چپ رہ گئی۔ عاصمہ ہک دک سی اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

''پچھلے کئی سالوں میں تمہارا عالیان سے کوئی رابطہ ہوا؟'' عکرمہ اس کی حالت پر ترس کھا کر بولا۔

''نہیں۔'' وہ بولی۔

''اس کی کوئی تصویر دیکھی تم نے۔'' اس نے پھر پوچھا۔ عروج نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آخری دفعہ اس سے ملنے کون گیا تھا۔'' وہ بولا۔ عروج ٹھٹھک گئی۔

''عارب گیا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ عکرمہ آگے سے کچھ نہ بولا بس اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

''اور اس سے ملا بھی صرف عارب تھا۔ اسی نے آ کر کہا تھا کہ عالیان دو تین ہفتوں تک آ جائے گا۔'' وہ خود سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بولی تھی۔
''لیکن وہ نہیں آیا۔'' عکرمہ پھر بولا۔ ''اور تمہارا بھائی عتبہ کو یہاں لے آیا۔'' عکرمہ نے دھیرے سے کہتے ہوئے ریکارڈنگ کھول دی۔ عارب اپنا ہر گناہ قبول کر رہا تھا۔ عروج دم بخود رہ گئی۔
''ایک تیر سے دو شکار کیے اس نے۔ تمہیں عالیان بھی دے دیا اور علیکہ کو تنہا بھی کر دیا۔'' عکرمہ نے موبائل اٹھا لیا۔ عروج بے جان سی ہو کر صوفے پر گر گئی۔ علیکہ کو اس پر بے پناہ ترس آیا۔
''مجھے نہیں پتا عتبہ اس وقت کہاں ہے۔ نہ جانے وہ واپس آئے گا یا نہیں لیکن آپ کو یہ سب بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ علیکہ کو اس کے عتاب اور شیطانیت سے بچائیں۔ اس کے پیچھے وہ ایک دن اسے ہی قتل کر دے گا۔ اسے روکیں۔'' عکرمہ، عاصمہ کے پاس آ گیا۔
''یہ محبت نہیں ہے۔ یہ صرف اس کی ضد ہے۔'' وہ بولا۔ علیکہ چپ تھی بالکل خاموش۔
''عروج نے دھیرے سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی گود میں کھیلتی عشاء کو۔ پھر اس کے ہر احساس سے عاری چہرے کو۔
''مجھے نہیں پتا تھا وہ تمہارا شوہر ہے۔'' احساس ندامت اس کے گرد گھیرا ڈالنے لگا۔ ''کاش مجھے پتا ہوتا۔'' اسے رونا آ گیا۔
''مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔'' علیکہ کھڑی ہو گئی۔
''وہ یہاں نہ آتا تو زندہ رہتا۔ تمہاری بیٹی کا سائبان میری وجہ سے چھن گیا۔'' عروج کو شدت سے احساس ندامت ہو رہا تھا۔ جانے انجانے میں وہ ایک لڑکی کے شوہر پر بے جا حق جتا کر بیٹھ گئی تھی۔
''پلیز اسے کہیں بس کر دے۔ عتبہ تو شاید واپس نہ آ سکے لیکن علیکہ کو بچا لیں پلیز۔'' عکرمہ ان دونوں سے کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ علیکہ نے مڑ کے عاصمہ کی طرف دیکھا۔
''عارب کو نہ بتائیے گا۔'' وہ دھیرے سے کہہ کر باہر آ گئی۔ عاصمہ اس کا مطلب سمجھ گئیں۔

☆.....☆

''اب کیا ہوگا۔ کئی دن ہو گئے عارب آفس سے واپسی پر گاؤں جانے کے بجائے کئی کلومیٹر طے کر کے عرفان کے گھر آ جاتا تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی حویلی میں قدم رکھنے کی۔ پورا یقین تھا اسے کہ عکرمہ نے اس کے ماں باپ کو سب بتا دیا ہوگا۔
''تجھے پتا تو ہے کیا ہوگا۔'' عرفان کھانا کھاتے ہوئے بولا۔ اس سے پہلے کہ عارب کچھ بولتا۔ بیل بج اٹھی۔
''اس وقت کون آ گیا۔'' رات کے دس بج رہے تھے۔ عرفان نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ دہلیز پر عاصمہ اور عروج کھڑی تھیں۔ عرفان کا رنگ اڑ گیا۔
''بھابی جان آپ یہاں.....!'' اس کی آواز سن کر عارب ایک دم کھڑا ہو گیا۔ عاصمہ سیدھی اس کی طرف آئیں۔
''گھر کیوں نہیں آ رہا اتنے دنوں سے؟'' وہ بولیں۔ عارب بول نہ سکا۔ اس کے ماتھے پر آتا پسینہ دیکھ کر عاصمہ کو غصہ آیا۔
''تجھے علیکہ چاہیے نہ عارب۔'' وہ بولیں۔
''تو ایک کام کر، پستول اٹھا اور اسے اور خود کو گولی مار لے۔ بس یہ ہی ایک طریقہ ہے اسے حاصل کرنے کا۔ کیونکہ باقی ہر طریقہ تو آزما چکا ہے نا تو۔'' وہ برس پڑیں۔ ''میرے پاس آتا اور مجھ سے کہہ دیتا کہ عالیان نے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

انکار کر دیا میں خود ہی عروج کو سنبھال لیتی۔ اس معصوم لڑکی کا گھر کیوں اجاڑ دیا۔'' وہ اسے تھپڑ مارتی چلی گئیں۔
''اس لڑکی کی قربانی کی وجہ سے تو آج عارب چودھری ہے بے غیرت انسان۔ ورنہ کہیں پڑا اپنے نصیبوں کو رو رہا ہوتا۔ باپ کے پیسے پر عیش کرنے کے بجائے خود کما کما کر اپنا گھر بنا رہا ہوتا تو۔'' عاصمہ کے ہاتھ رک نہ سکے۔
عروج بس خاموش کھڑی تھی۔
''میں نے یہ سب عروج کے لیے.....'' وہ بولا لیکن عاصمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
''بکواس بند کر، تو نے یہ صرف اپنے لیے کیا، اپنی ضد کے لیے۔ اپنی انا کی تسکین کے لیے۔'' وہ چیخ پڑیں۔
''تیرے گھٹیا پن کی کوئی حد بھی ہے عارب۔'' ان کی بس ہو گئی۔
''اور زیادہ افسوس تجھ پر ہے۔ قانون کا رکھوالا ہو کر تو نے ایک بے گناہ شخص کو مروا دیا۔'' انہوں نے عرفان کے بھی ایک ہاتھ جڑ دیا۔ ''بے غیرتو مجھے تو کچھ بتاتے۔ کسی نہ کسی طرح سارے مسئلے کو سلجھا ہی لیتے۔ اتنی زندگیاں تو نہ برباد ہوتیں۔ اس معصوم لڑکی کا شوہر چھن گیا۔ اس کی چند ماہ کی بچی یتیم ہو گئی اور یہ..... اس کے لیے کیا تھا نا تو نے یہ سب.....'' عاصمہ نے عروج کو بازو سے پکڑ کے اس کے آگے کر دیا۔ ''دیکھ اس کی طرف..... بتا مجھے کہ خوش ہے یہ؟'' وہ بے حد طیش میں تھیں۔ ''اس کی عالیان سے آٹھ سال کی محبت ایک طرف اور اس شخص سے تین ماہ کا پیار ایک طرف۔ تو نے اسے بھی بیوہ کر دیا بے غیرت۔''
''تجھے ذرا بھی اندازہ نہیں ہے عارب کہ وہ لڑکی کون ہے۔ ماں باپ کے بغیر زندگی جینے والی اس لڑکی نے کیا کچھ سہا ہے، تمہیں کچھ نہیں پتا۔ تمہارے پاس میں تھی۔ تمہارے ابا تھے۔ بے تحاشا محبت کرنے والے رشتے دار تھے۔ عرفان تھا۔ عروج تھی لیکن اس کے پاس..... کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ اس کی ماں نہ اس کا باپ۔ ساری زندگی تنہا گزاری ہے اس نے اور تم نے اس پر ذرا سا بھی ترس نہیں کھایا۔ ساری زندگی میں ایک شوہر تھا بس اس کے پاس اور تو نے اسے بھی چھین لیا۔'' وہ رو پڑیں۔
''اسے بھی اجاڑ دیا۔ اسے بھی اجاڑ دیا.....'' وہ زور سے بولیں۔
''اماں آئم سوری۔'' اس کے کہتے ہی پھر ہاتھ اٹھ گیا۔
''خبردار جو مجھے اماں کہا تو۔ کچھ نہیں لگتی میں تیری۔ اب قدم نہ رکھنا تم دونوں حویلی میں۔'' وہ بولیں۔
''بھابی پلیز.....!'' عرفان آگے کو آیا۔
''اور ایک بات اور..... یہ دیکھ میرے جڑے ہاتھ.....!'' انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ ''بخش دے اسے ترس کھا اس پر۔''
عارب ان کے جڑے ہاتھ دیکھ کر تڑپ گیا۔ ''اماں پلیز.....'' وہ تڑپ کر آگے بڑھا۔
''میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔'' وہ انتہائی سرد انداز سے کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھیں۔
''پلیز اماں، بات تو سنیں۔'' عارب ان کے پیچھے بھاگا۔
''حویلی نہ آنا اب.....'' وہ جاتے ہوئے بولیں۔ عارب انہیں روکتا رہ گیا۔ عرفان بھی چپ کھڑا رہ گیا۔
''کاش میں یہ سب نہ کرتا۔'' عارب رو پڑا۔
''اور کاش میں تیرے پیچھے نہ لگتا۔'' عرفان کو بے حد افسوس تھا۔
''وہ میری کبھی نہیں ہو سکے گی۔ چاہے سارا جہان ہی مجھ سے کیوں نہ چھن جائے۔'' اسے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا۔
(باقی آئندہ ماہ۔ ان شاء اللہ)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زرقا بھٹی

جاگتی آنکھوں کا خواب

Pakistan

خوابوں کی اک دنیا بسا رکھی ہے
دل کی تسلی کو اک محفل سجا رکھی ہے
جہاں ہوتے ہو صرف تمہی میرے روبرو
اپنے تخیل میں برسوں تمہاری سوچ رکھی ہے

اپنے وجود کے گرد لپٹی نرم و ملائم شال کو اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کتنے ہی دنوں بعد آج سورج کی حدت نصیب ہوئی تھی۔ نیلگوں آسمان کی وسعت پر سورج نے اپنی کرنوں کے پر کھولے تھے جو کسی غنیمت سے کم نہ لگے، پانی جیسی قدر سورج کی بھی معلوم ہونے لگی کیوں نہ ہوتی کم بخت سردی جو جسم کے اندر تک ایسی گھسی کہ جوڑ جوڑ تک ہلا گئی۔ اتنی دعاؤں کے بعد ہی تو آخر سورج نے اپنا مکھڑا دکھایا تھا۔

یقیناً یہ فاروق ہی کی دعاؤں کا اثر تھا ورنہ میری دعا میں اتنا اثر کہاں.....! وہی تو ہے بے چارا فجر کی نماز پر یخ ٹھنڈے برف پانی سے وضو کر کے پابندی سے مسجد جانے والا ..... ہاں یا پھر دادی کی تہجد کا کرشمہ بھی ہوسکتا ہے۔ خیر جو بھی ہے جس کی بھی دعاؤں کا اثر ہے سورج تو نکلا۔ عبیرہ نے صحن میں پھیلی دھوپ کو دیکھتے ہوئے یوں سوچا جیسے بہت بڑی نعمت ہاتھ لگی ہو، پھر کندھے اچکاتے ہوئے وہ کرسی گھسیٹ کر دھوپ میں بیٹھ گئی۔ اپنے وجود کو کرسی پر ڈھیلا چھوڑ کر وہ سورج سے پہنچتی گرمائش کو اپنے اندر اتارنے لگی۔ برف سا جسم یک لخت پگھلنے لگا۔ جوڑوں کے درد پر جیسے دوا اثر کرنے لگی۔ طمانیت بھرا سانس اندر کو کھینچتے اس نے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں میچ لیں اور خوابوں کی رنگین وادی میں اترتی چلی گئی۔

''ممنو! کچھ تو شرم لحاظ کرو، دیدوں کا پانی مر گیا ہے کیا؟''

کسی بھاری بھرکم تیکھی نسوانی آواز پر بری طرح ہڑبڑا کر عبیرہ نے آنکھیں کھولیں۔

''تین ہی مالٹے رہ گئے تھے وہ بھی ٹھونس لیے پیٹو نے۔''

آواز بہت ہی قریب سے سنائی دی ایسے جیسے کوئی اس کے کان میں کھڑا طیش سے چلا رہا ہو اور وہ بس پھٹنے کو ہوں۔ قدرے بے تابی سے اس نے دائیں بائیں دیکھا مگر صحن میں وہ تن تنہا تھی۔ اگلے ہی لمحے زور کا دروازہ پیٹنے کی آواز گونجی تو وہ بری طرح ڈر گئی۔

''یا اللہ یہ کیسے افلاطون قسم کے ہمسائے آگئے ہیں بولتے ایسے ہیں جیسے اسپیکر پر بول رہے ہوں اور ان خاتون کی تیکھی آواز اُف.....!!'' عبیرہ کو بہت تعجب ہوا۔ سارے حسین خواب کا مزہ ہی کرکرا کر ڈالا۔ ابھی تو وہ لال سوٹ پہنے اسٹائلش ہیئر اسٹائل بنائے گولڈن فینسی ہیل اور دس تولے کا زیور پہنے معاذ کا ہاتھ تھامے زینے اتر رہی تھی کہ خاتون کی بھاری بھرکم آواز سے اس کا پیر ہی سیڑھیوں سے پھسلتا ہوا اس کے خواب کا ستیاناس کر گیا۔ سوچنے کے بعد عبیرہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اپنے ٹوٹے خواب کو جوڑنے کی سعی کی کہ یک لخت اس کی نگاہیں ہاتھ میں پکڑی دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل کیمسٹری کی کتاب پر جا ٹکیں۔ یہ تو مجھ سے کبھی نہیں پڑھی جائے گی۔ periodic table اور chemical structure اُف.....سوچ کر ہی دل برا ہونے لگا لیکن پھر کل کے ٹیسٹ میں بھی تو نمبر چاہیے تھے پچھلی بار بھی وہ حمیرا کا ٹیسٹ دیکھتے ہوئے پکڑی گئی تھی کتنی عزت افزائی ہوئی تھی۔ خدا کی پناہ..... یک دم ہی ذہن کی اسکرین پر منظر روشن ہوا تو بے ساختہ کتاب کھول لی۔ اب ہمت نہیں تھی ایک بار پھر اس قدر عزت افزائی کروانے کی۔

☆.....☆

''بے شرم..... بے حیا..... آٹا ایسے پانی جیسا گوندھو گی تو سسرال میں ناک کٹواؤ گی اپنی بھی اور میری بھی لوگ تو یہی کہیں گے کہ ماں نے کچھ نہیں سکھایا۔'' امی نے اس کے سر پر چپت رسید

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کرتے ہوئے جلال میں خوب سنائیں مگر مجال جو اس کے سر پر جوں ہی رینگ جائے۔

''ایسی بھی کیا بات ہوگئی جو شروع ہی ہوگئیں۔ بس چوڑیاں پہنتے ہوئے پانی زیادہ پڑ گیا۔ آٹا اور ڈال کر ٹھیک ہو جائے گا۔'' ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیلائے وہ جھول جھول کر بول گئی اور امی ہک دک اسے دیکھتی ہی رہ گئیں۔

''ارے آٹا گوندھتے ہوئے تم کونسی چوڑیاں پہن رہی تھیں؟'' جھڑکتے لہجے میں بولتے ان کی پیشانی پر ذرا سا بل نمودار ہوا۔

''آ.....آ.....کچھ نہیں، ایسا کریں آپ خود ہی آٹا گوندھ لیں۔'' جھنجلا کر کہتے ہوئے اس نے سنک سے ہاتھ دھوئے اور پھر سرعت سے باہر نکل گئی۔ امی اسے بس دیکھتی رہ گئیں۔

''کچھ نہیں ہو سکتا اس لڑکی کا۔'' بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے ہاتھ آٹے میں ڈال دیے۔

''عبیرہ ادھر آنا ذرا۔'' دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی وہ ابھی کچن سے نکلی ہی تھی کہ دادی کی شگفتہ آواز پر اس کے قدم رک گئے۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔ وہ جانتی تھی کہ دادی اسے کام کہنے کے لیے بے تاب بیٹھی ہیں۔

''جی دادی۔''

''ادھر آنا ذرا؟'' اشارے پر وہ ان کے مقابل پلنگ پر جا بیٹھی۔

''کمر تو دبا دو بہت درد ہو رہا ہے؟'' دادی کے شگفتہ لہجے پر اس کا چہرہ غصے کے سبب لال پڑ گیا۔ ابھی تو چوڑیوں والا ادھورا خواب بھی باقی تھا، کچھ تعریفی جملے کہنے تھے۔ ماحول کتنا رومینٹک سا ہو جانا تھا لیکن سارا ماحول ہی امی اور دادی نے خراب کر دیا۔ تلخی سے سوچتے ہوئے وہ دادی کی کمر دبانے لگی۔ فارغ ہوتے ہی بہت مرتبہ اس نے کوشش کی کہ خواب کو وہیں سے جوڑا جائے لیکن ٹوٹے خوابوں کو جوڑنا آسان کہاں ہوتا ہے بھلا۔ یاسیت سے سوچتے نے دادی کے حکم کی تعمیل کی۔

☆.....☆

عبیرہ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے سراپے نظریں ٹکائے ہوئے تھی۔ کتنے دنوں بعد اسے م ملا تھا ہار سنگھار کا.....ورنہ میک اپ کرنے پر امی اس پر سختی سے پابندی عائد کر رکھی تھی۔ شانوں کھلے بال، ستواں ناک، موٹی موٹی آنکھیں، لب ہلکا سا گلوز۔ سادہ سے لباس میں بال کھول کر جاذب نظر لگنے لگی۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے بعد اس کی گھنی پلکیں بے اختیار ہی جھک گئیں۔ اپ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس قدر حسین بھی لگ ہے۔ ہائے کاش معاذ تم میرے ساتھ ہوتے ا حالت میں دیکھ کر چند تعریفی جملے تو بنتے ہی ہیں آخ شانے پر آتے بالوں کو جھٹکتے ہوئے اس نے فخ انداز میں سوچا اور پھر پرمسرت انداز میں مسکرانے لگی یک دم ہی اس کی نگاہ کھڑکی سے باہر پرواز کر آسمان پر اترتی شام کی سرخی دھیرے دھیرے اندھیرے میں ڈوبنے لگی تو اسے یاد آیا امی نے تو جا ہوئے اسے تار سے کپڑے اتارنے کا کہا تھا اور وہ کام میں لگ گئی۔ اُف یہ میرے خواب بھی ناں... بڑبڑاتے ہوئے وہ چھت کی طرف بڑھ گئی۔

چھت کا دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈ کا سرد جھونکا ا چھو کر گزرا تو وہ لمحہ بھر کو وہیں جم گئی۔ اچھی خاصی مو جرسی اس نے پہن رکھی تھی پھر گرم چادر کو بھی عبیرہ اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا لیکن موسم ایسا ہی تھا جیسے شا ہوتی جاتی سردی کی رفتار بھی شدت اختیار کر جاتی آگے بڑھ کر اس نے تار پر لٹکے کپڑے اتار لیے، ا ٹھنڈ میں دو پل کھڑا ہونا بھی عذاب معلوم ہو رہا تھا ابھی وہ کپڑے اتار کر واپس مڑنے ہی کو تھی کہ کسی دبی دبی ہنسی نے اسے چونکا دیا۔ حرکت کرتی دل کی رفتار یک دم ہی بڑھی۔ آج تو وہ ہے بھی گھر پر اکیلی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مارے خفت کے لرزتے جسم پر ایک بجلی سی کوند گئی۔ دبی دبی سرگوشیوں کی آوازیں بہت قریب سے اس کی سماعت میں اتر رہی تھیں۔ عبیرہ کے متحیر قدم ان کے تعاقب میں اٹھ گئے۔ اس نے کان لگا کر سنا آواز دیوار کے اس پار سے آرہی تھی۔ دیوار کے ساتھ رکھی اینٹوں پر چڑھ کر عبیرہ نے دوسری جانب جھانکا تو گویا کرنٹ کھا کر بری طرح زمین پر گرتے گرتے بمشکل بچی۔ ساتھ والوں کا لڑکا اور سامنے والوں کی لڑکی دونوں چھت پر کھڑے محوِ گفتگو تھے۔ اچھا تو یہ عشق و عاشقی چھتوں پر چل رہی ہے وہ بھی اس قدر ٹھنڈ میں۔ اف خدایا یہ titanic کی طرح جم کیوں نہیں گئے؟ مجھ سے دو پل کھڑے ہونا دشوار ہے اور یہ نہ جانے کب سے ان سرد جھونکوں میں کھڑے محبت و پیار کی قسمیں کھا رہے ہیں؟ کیا ان کے گھر والوں کو معلوم ہے؟ اگر ابھی جا کر بتادوں دونوں جو Rose Dewitt اور Jack Dawson بنے پھر رہے ہیں سب ختم ہوجائے گا۔ سوچتے ہوئے ذہن کے افق پر منظر بنا تو وہ بے ساختہ ہی ہنس دی۔ سوچوں میں غلطاں قدم اٹھاتی وہ زینے اتر رہی تھی کہ اچانک فاروق کی قمیص نہ جانے کیسے ہاتھ سے پھسل کر پاؤں سے الجھی تو وہ بری طرح سیڑھی سے پھسلی اعصاب پر قابو پاتے اس نے ریلنگ کو تھام لیا۔

''اوہ..... ہائے۔'' کمر پر ہاتھ رکھے عبیرہ کھڑی ہو رہی تھی کہ اس کی نگاہ سامنے موجود خرم پر پڑی تو وہ ہڑبڑا کر سرعت سے اٹھ گئی۔ کمر میں درد کی ٹیسیں سی اٹھیں لیکن وہ خرم کو دیکھ کر بڑے ضبط سے برداشت کر گئی۔ عبیرہ کے چہرے پر درد کی لکیریں ابھریں، انہیں دیکھ کر وہ جو قہقہہ لگانے کو بے تاب کھڑا تھا کھل کر ہنسنے لگا۔ زبان سے پھسلتی چیخ پر تو اس نے قابو پالیا لیکن چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کو وہ چھپا نہ پائی۔

گرنا بھی تھا تو کیا اسی کے سامنے؟ اس سے تو بہتر تھا کہ فاروق کے سامنے ہی گر جاتی اتنی شرمندگی تو نہ ہوتی کم از کم۔ وہ سر جھکائے نادم سی سوچنے لگی اور خرم ابھی بھی مضحکہ خیز انداز میں ہنسے جا رہا تھا۔

''اچھا بس بھی کرو اب؟'' وہ ناگواری سے بولی۔

''دھیان کہاں تھا تمہارا؟ پھر سے خوابوں کی دنیا میں گم ہوگئی تھیں؟'' وہ بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''چلتے چلتے پیر پھسل جاتا ہے کبھی انسان کا۔'' کاٹ دار لہجے میں بولتی وہ آخری سیڑھی اتر آئی۔

کپڑوں کا ڈھیر اس نے کاؤچ پر رکھا۔ خرم نے ایک نظر کپڑوں کے ڈھیر پر ڈالی اور پھر ایک بھرپور نگاہ اس کے سراپا پر ڈالی۔ وہ واقعی گلاب کا شگفتہ پھول لگ رہی تھی۔

''تم اندر کیسے آئے؟'' عبیرہ یک دم آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

''محترمہ دروازہ پہلے سے ہی کھلا تھا، ویسے سب ہیں کہاں؟'' وہ دائیں بائیں گردن گھما تا حیرت سے سوال کر گیا۔

''پچھلی گلی میں جو فوتگی ہوئی ہے بس وہیں پر امی اور دادی گئی ہوئی ہیں۔'' بے زاری سے جواب دیتے اس نے ٹی وی کا ریموٹ تھام لیا۔

''اچھا! پھر میں چلتا ہوں بعد میں آؤں گا۔''

''ہاں ہاں، ساتھ ہی ہمسائے سے اٹھ کر آنا کون سا مشکل ہے۔'' چینل سرچنگ کرتی وہ دھیرے سے بڑبڑائی اور وہ نظر انداز کرتا گیٹ عبور کر گیا۔

کتنا برا ہوا میرے ساتھ میرا پیر جب خیالوں میں پھسلا تو میں معاذ کی بانہوں میں تھی اور جب اصل میں پیر پھسلا تو..... درد ابھی بھی ہو رہا تھا۔ دل گرفتہ سی سوچتے وہ بال باندھنے لگی اور پھر منہ دھونے چلی گئی، اگر نہ اٹھتی تو پورے دو دن تک امی کی خفگی بھلا کون برداشت کرتا۔

☆.....☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کتنے ہی دنوں بعد آج پھر سورج نے اپنی کرنیں اردگرد پھیلائیں تو سردی کا زور ٹوٹا اور بارہ بجے کا وقت واقعتاً بارہ بجے کا ہی لگنے لگا ورنہ دھند کے دنوں میں یہ قیاس کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ باہر صحن میں دن ہے یا شام دونوں ہی یکساں دھند کی لپیٹ میں ہوتے۔ عبیرہ دھوپ میں کرسی گھسکائے بیٹھی انار کھانے لگی۔ کھٹا انار نکلنے پر بھی وہ منہ بنا بنا کر کھائے گئی۔ انار ہمیشہ سے ہی اس کے پسندیدہ رہے تھے، سردی اسے کچھ خاص پسند نہیں تھی۔ چونکہ وہ اس قدر نازک جان تھی کہ ذرا سی سردی پر بھی اس کے دانت بجنے لگتے تھے۔ قدرتی طور پر اسے سردی زیادہ محسوس ہوتی تھی لیکن کبھی اگر وہ سردی آنے کا انتظار کرتی بھی تو صرف اور صرف انار کھانے کے لیے پھر وہ چاہے جیسا بھی نکلے منہ بنا کر کھا ہی لیتی۔ امی بھی پالک پلیٹ میں ڈالے صحن میں داخل ہوئیں ساتھ ہی چارپائی پر براجمان ہوتی پالک کاٹنے لگیں۔ سورج کی نرم پیش جسم کو گرمائش پہنچاتی سکون دینے لگی۔

☆.....☆

''چلو نکلو گھر سے جب بھی گھر پر رہتے ہو گند ہی ڈالے رکھتے ہو سڑک پر جا کر کھیلو۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ ابھی صفائی کی تھی مگر خدا کی پناہ جوان بدلحاظوں میں ذرا بھی احساس ہو۔''

اسی خاتون ہمسائے کا اسپیکر یک دم کھلا۔ وہ دونوں چونک گئیں۔ وہ کافی جلال میں لگ رہی تھیں۔ ایک، دو چپت رسید کرنے کی آواز بھی واضح سنائی دی تو وہ دونوں مزید چونک گئیں۔ انار کا دانا عبیرہ کے ہاتھ سے پھسل کر زمین پر لڑھک گیا۔

''امی یہ کس طرح کے ہمسائے شفٹ ہوئے ہیں پڑوس میں؟ سارا دن آوازیں آتی رہتی ہیں ان خاتون کی۔ ہر کام ان کی بلند آواز سے خراب ہو جاتا ہے توجہ ہی نہیں رہتی۔'' اسے شدید کوفت ہوئی سوال کرنے کے بعد اس نے انار کے چند دانے مٹھی میں دبوچ کر منہ میں ڈال لیے۔

''ہوں..... کل بھی فوتگی پر بات ہو رہی تھی اس خاتون کی۔ اس کی آواز صرف ہمارے ہی گھر نہیں بلکہ پورے محلے میں گونجتی ہے۔ اس کی باتیں صاف سنائی دیتی ہیں ہر وقت بچوں کی ڈانٹ ڈپٹ اسی لیے محلے میں کوئی اسے اچھا نہیں سمجھتا اب تو محلے کے مرد بھی باتیں کرنے لگے ہیں۔'' امی نے پالک کاٹتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں کہا تو ان کے انکشافات اسے چونکا گئے۔

''کیا فوتگی پر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔''

''ارے نہیں وہ ہے نا نیوز رپورٹر اسی نے مجھے بتایا تبھی ساتھ بیٹھی ایک دو عورتیں بھی گفتگو میں شامل ہو گئیں۔''

''ان کے گھر کا ماحول کس قدر جاہلانہ ہے؟ ہر وقت لڑائی کی آوازیں کبھی بچوں سے تو کبھی شوہر سے وہ بھی اس قدر اونچی آواز میں واقعی محلے بھر کا سکون برباد کیا ہوا ہے۔'' وہ ان عورتوں کی تائید میں بولی۔

''ہاں ایسے بھلا تربیت کہاں ہوتی ہے بچوں کی۔ عورتوں کی آواز تو اس قدر شگفتہ، نرم، مدھم اور پر اثر ہونی چاہیے کہ گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلے۔ ایسے تو بچے بھی یہی سیکھیں گے، بدتمیزی سے بات کرنا لڑائی جھگڑا کرنا۔ ماحول کا صاف ستھرا ہونا بہت ضروری ہے اور ماحول تو خود بنایا جاتا ہے گھر کا، محلے کا یا کسی بھی جگہ کا لیکن اس کا انحصار تو ہمیشہ تربیت پر ہی ہوتا ہے۔'' امی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ان کے لہجے میں واقعتاً فکرمندی نظر آ رہی تھی۔ اسی وقت دروازہ کھٹکا تو عبیرہ انار کی پلیٹ چارپائی پر رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''زاہدہ! کیا بتاؤں؟ سنو گی تو کام کاج بھول جاؤ گی۔ میرے تو پاؤں تلے سے زمین ہی کھسک گئی ہے۔'' دروازے پر سے ایک تیکھے نقوش والی عورت بلند آواز میں چلاتی شور مچاتی داخل ہوئی تو امی نے حیرت اور بے یقینی سے اسے گھورا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اللہ خیر کرے آج ایسی کون سی خبر لے آئی؟'' امی کا دل یک دم جیسے اچھل کر باہر آیا تو انہوں نے سرعت سے پوچھا۔

زرینہ ایسی ہی تھی اپنے محلے کی واحد نیوز رپورٹر۔ اس کا سارا دن کام محلے کے گھروں میں پھرنا اور خوش گپیوں میں مشغول رہنا تھا جس وجہ سے اس کے پاس ہر گھر کی خبر موجود ہوتی۔ خدا نے ملکہ دے رکھا تھا۔ میٹھی میٹھی سی اپنی اپنی سی بن کر اگلے بندے کی زبان پر سے قفل کھلوا لینے کا۔ ہر کوئی اپنے راز ایسے افشا کرتا جیسے اس سے زیادہ سگا اور ہمدران کا پوری دنیا میں نہیں ہے۔ اسی لیے محلے بھر میں وہ نیوز رپورٹر کے نام سے مشہور تھی اور محلے کی جانی پہچانی نامور شخصیت تھی۔ اسی لیے اگر وہ کوئی خبر سناتی تو وہ سو فیصد سچ ہوتی۔ عبیرہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گئی اور آج کی تازہ گرم گرم نیوز سننے کے لیے بڑی دلچسپی اور دلجمعی سے اپنے کان کھڑے کر لیے۔

''ابھی سامنے والی کلثوم کے گھر سے ہو کر آ رہی ہوں۔ اس کی جو اکلوتی بیٹی ہے نا وہ فوزیہ، ارے وہی جو ابھی بارہویں جماعت میں پڑھتی ہے وہ گھر سے بھاگ گئی ہے۔'' سنجیدہ تاثرات کے ساتھ انہوں نے سرگوشی کی تو دونوں کی سانسیں اٹک گئیں اور آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔

''کیسی الٹی سیدھی خبر سنا رہی ہو کچھ تو خوف خدا کرو جوان بچی کو محلے میں بدنام کرتے شرم نہیں آئی؟'' امی کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو روک نہ سکیں، بات ہی ایسی تھی۔

''اللہ اللہ میں سو فیصد سچ کہہ رہی ہوں ایسی بات بولتے ہوئے بھی مجھے تو شرم آ رہی ہے وہ بھاگ گئی ہے تمہارے ساتھ والے ہمسائے شہریار کے ساتھ اور یہ بھی سنا ہے کہ کافی دنوں سے دونوں محبت کی باتیں کر رہے تھے۔'' کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے وہ مفصل بیان کر گئی۔ اچھا تو یہ اس دن کہیں بھاگنے کا پلان تو نہیں بنا رہے تھے؟ عبیرہ کا ذہن جیسے یکدم روشن ہوا، وہ چھت والا منظر ابھرا تو وہ پشیمان سی ہو گئی۔ کاش میں ان دونوں کے گھر والوں کو بتا دیتی تو یہ نوبت ہی نہ آتی وقت پر ہی انہیں سب کچھ معلوم ہو جاتا۔

''ہائے اللہ بے چاری کلثوم پر کیا بیت رہی ہو گی؟ کتنی بدنامی کا سبب ہے والدین اور بیٹی دونوں پر ہی بدنامی کا داغ لگ گیا جو اب کبھی نہیں مٹنے والا۔'' چھری پلیٹ میں رکھتے تاسف سے کہا۔

''توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے؟ بچے ابھی زمین سے نکلتے نہیں کہ فضول باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بھئی آج کل تو تربیت میں بہت کمی ہے جو بچے ایسے والدین کا منہ کالا کرواتے ہیں۔''

''ارے نہیں تربیت تو ہر والدین اپنے بچوں کی کرنے کی کوشش کرتے ہیں بس آج کل سب کیا دھرا سوشل میڈیا کا ہے جو بچے ان کی تقلید میں چل پڑتے ہیں اس پل وہی انہیں مثبت لگتا ہے اور پھر بڑوں کی لاکھ سمجھاتی ہوئی باتیں سمجھ میں کہاں آتی ہیں وقتی جنون اور جوش میں بچے اپنا ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔'' امی کے گھمبیر لہجے میں تفکر تھا۔

''اللہ ہی رحم کرے اب تو بچے والدین کے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔'' اتنا بڑبڑاتے ہی زرینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبیرہ نے دروازہ کھولا۔ تو وہ باہر نکل گئیں۔ وہ دل کی بری نہیں تھی بس اپنی اولاد نہیں تھی اور شوہر چھوڑ کے جا چکا تھا اکیلی رہتی تھی اسی لیے وقت گزاری کے لیے کسی نہ کسی کے گھر پائی جاتی۔ ہر کسی سے وہ ہر کسی کے گھر کی بات نہیں کیا کرتی تھی بس زاہدہ پر بھروسا کر کے اپنے پیٹ کا بوجھ کچھ ہلکا کر لیا کرتی اور وہ بس سن لیتی اور کبھی کبھی اپنی رائے سے بھی نواز دیتی۔ زرینہ کے جانے کے بعد امی کا لمبا سا لیکچر عبیرہ کے لیے شروع ہو گیا، جس میں نصیحتیں ہی تھیں اور وہ بس منہ بنائے بڑی بے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زاری سے سنتی رہی اور کرتی بھی کیا؟

☆.....☆

عبیرہ ایسی ہی تھی خوابوں کی دنیا میں رہنے والی۔ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے والی اور بیٹھے بیٹھے ہوش کھو دینے والی۔ کوئی بہن جو نہیں تھی اسی لیے بچپن سے ہی اس کا زیادہ تر وقت ٹی وی دیکھنے میں گزرنے لگا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اپنی ہی ایک تصوراتی دنیا بنالی جس پر زیادہ تر چھاپ ان میوزیکل ٹی ڈراموں کی تھی جس کے کردار بچپن سے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم پھر رہے تھے، اس کی تصوراتی دنیا بہت idealistic تھی۔ ہر طرح کے غموں، مشقتوں اور نشیب و فراز سے پاک۔

ان ٹی وی ڈراموں کو دیکھ کر عبیرہ خود کو ہیروئن سمجھنے لگی۔ نہ کام نہ کاج بس ہر وقت کھوئی کھوئی رہتی، اس نے اپنے خوابوں سے ایک رشتہ بنا رکھا تھا جس میں موجود اس کا ہیرو، تخیلی شخص 'معاذ' تھا۔ عبیرہ کے گھر اور خاندان والوں کو بھی کافی حد تک اس کی اس خیالی دنیا کا اندازہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں کر پاتی تھی۔ البتہ معاملے کی سنگین حالت کا کسی کو علم نہیں تھا۔ کوئی واقف نہ تھا کہ اس کے خیالات کیا ہیں؟ کون ہے جو اس کے حواسوں پر سوار ہے؟ کبھی اگر کوئی پوچھتا بھی تو وہ دانستہ موضوع ہی بدل ڈالتی۔ وہ بھلا کسی کو بتا بھی کیسے سکتی تھی؟

وہ کونسا کوئی اصل وجود تھا، وہ تو خیالی وجود تھا جو اس کے ذہن ہی میں ابھرتا اور سوچوں کے سہارے اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ اس کا آئیڈیل اور اصل زندگی میں بھی وہ اسی کو تلاش کر رہی تھی جو بے حد حسین، خوبرو نوجوان، اعلیٰ تعلیم یافتہ، امیر، اثر و رسوخ والا..... باوفا حتیٰ کہ پرفیکٹ انسان ہو۔ یہی اس کے خواب تھے، اس کی جاگتی آنکھوں کے خواب۔

ہم تو اسیر خواب تھے تعبیر جو بھی تھی
دیوار پر لکھی ہوئی تحریر جو بھی تھی

ہر فرد لاجواب تھا، ہر نقش بے مثال
مل جل کے اپنی قوم کی تصویر جو بھی تھی

جو سامنے ہے، سب ہے یہ، اپنے کیے کا پھل
تقدیر کی تو چھوڑیے، تقدیر جو بھی تھی

آیا اور اک نگاہ میں برباد کر گیا
ہم اہلِ انتظار کی جاگیر جو بھی تھی

قدریں جو اپنا مان تھیں، نیلام ہو گئیں
ملبے کے مول بک گئی، تعبیر جو بھی تھی

طالب ہیں تیرے رحم کے ہم عدل کے نہیں
جیسا بھی اپنا جرم تھا، تقصیر جو بھی تھی

ہاتھوں پہ کوئی زخم نہ پیروں پہ کچھ نشاں
سوچوں میں تھی پڑی ہوئی، زنجیر جو بھی تھی

یہ اور بات چشم نہ ہو معنی آشنا
عبرت کا ایک درس تھی، تحریر جو بھی تھی

امجد ہماری بات وہ سنتا تو ایک بار
آنکھوں سے اس کو چومتے، تعزیر جو بھی تھی

ہم خواب بنتے ہوئے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ پرفیکشن صرف خوابوں میں ہوتی ہے اصل زندگی تو نام ہی ناہمواریوں کا ہے جہاں ہر موسم اپنی باری پر آتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں ان میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ حقیقی دنیا میں رہ کر پریکٹیکل ہونے کے بجائے idealistic ہوتی جا رہی تھی؟ شاید اس لیے کہ ہمارا میس میڈیا اسی دنیا کی تشہیر کر رہا ہے اور entertainment کو حقیقت سمجھنے والے لوگ اپنے آپ کو اس دنیا میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ افسوس کہ جو موجود ہی نہیں۔

☆.....☆

عبیرہ مونگ پھلی کے چند دانے اپنی جھولی میں رکھے تیز تیز کھا رہی تھی۔ دادی اپنے کمرے میں رضائی میں دبکی پڑی تھیں۔ ٹھنڈ بھی اپنے زوروں پر تھی۔

"اف بند کر کے آؤ دروازہ اچھے سے۔" فاروق لاؤنج کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تھا جب باہر سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آتی ٹھنڈ کی ایک لہر نے فوری کمرے کے ٹمپریچر کو متاثر کیا تو عبیرہ جھٹ بول پڑی۔ وہ صوفے پر بیٹھی گرم کمبل اوڑھے بڑے مزے سے مونگ پھلی کھا رہی تھی۔ ایک بار دروازہ کھلنے سے ہی کمرے کی گرمائش نظر انداز ہوئی تو وہ بڑبڑانے لگی۔

''اچھا بھلا گرم کمرا تھا تم نے دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈا کر دیا۔'' دانا چھیلتے ہوئے وہ طیش میں تھی۔

''عبیرہ گھر کے باہر سے میں آرہا ہوں۔ سردی مجھے لگنی چاہیے اور تمہاری تو ویسے بھی آج چھٹی تھی صبح سے کمبل میں پڑی ہو پھر بھی سکون نہیں مل رہا۔'' آج وہ پہلے سے ہی اکھڑے اکھڑے موڈ میں تھا، چہرے پر تھکان کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

''ہاں تو اب کیا بندہ چھٹی والے دن بھی آرام نہ کرے۔'' وہ دھیمے لہجے میں یکبار بڑبڑائی۔ بہر حال لہجہ اتنا دھیما بھی نہیں تھا کہ فاروق کو سنائی نہ دیتا۔

''اچھا اچھا بس کرو جانتا ہوں جتنا پڑھتی ہو تم میٹرک میں بھی مشکل سے پاس ہوئی۔ فرسٹ ایئر میں کیمسٹری کی کمپارٹ کتنی مشکل سے کلیئر کی اور اب پتا نہیں کیا کرنا ہے تم نے؟'' وہ عبیرہ کو اس کے کارنامے یاد کروا رہا تھا اور عبیرہ نے مارے شرمندگی کے چپ سادھ لی اور سر جھکا کر زمین پر گرا مونگ پھلی کا دانہ تلاشنے لگی۔

''ایک کپ چائے بنا دو۔'' حکم دیتا وہ دادی کے کمرے میں چلا گیا۔

''کیا بات ہے؟ آج کچھ زیادہ ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔'' دادی نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا وہ بھی گھر گھر جا کر کون سا آسان ہے۔ اتنی مغز ماری کرنی پڑتی ہے۔''

''اللہ کرے تجھے نوکری اچھی مل جائے تو کام آسان ہو۔''

''کبھی کبھی سوچتا ہوں اگر بابا دبئی میں نہ ہوتے تو گھر کا خرچا کیسے چلتا۔'' تاسف تھا کہ اس کی آواز میں کہ گھلتا ہی جاتا تھا۔

''امی کہاں ہیں؟'' یک دم اسے ان کی عدم موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے موضوع تبدیل کر دیا۔

''درزن کے پاس گئی ہے کچھ کپڑوں کے سلسلے میں۔''

کچھ ہی دیر بعد عبیرہ چائے کا کپ ہاتھ میں تھامے کمرے میں داخل ہوئی۔

''یہ لو چائے۔'' اتنا کہتے ہی اس نے کپ فاروق کی جانب بڑھا دیا۔

''ایسی ہوتی ہے چائے؟ چکھ کر دیکھی تھی یا ایسے ہی اٹھا کر لے آئی ہو، ٹھیک سے ابال تک نہیں آیا۔'' پہلا سپ لیتے ہی اس نے گھونٹ باہر اگل دیا، ساتھ ہی اس کے لہجے میں آگ سی لگی تھی۔

''تین دفعہ ابالا تھا۔'' وہ خوف زدہ سی بڑبڑائی۔

''تمہیں کوئی کام ڈھنگ سے نہیں آتا۔ ایک دم پھوہڑ لڑکی ہو۔ خدا نے ایک بہن دی اور وہ بھی بے کار، کچھ تو سیکھ لو۔'' کاٹ دار لہجے میں بولتے ہوئے اس نے کپ زور سے سائیڈ ٹیبل پر دھرا اور دروازہ پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر مین گیٹ کھلنے کی آواز پر دونوں چونکے۔ وہ موٹر بائیک پر کہیں باہر نکل گیا تھا۔ دادی شاکی نظروں سے سب دیکھتی رہ گئیں، انہوں نے پہلی مرتبہ اسے یوں عبیرہ پر برستے دیکھا تھا۔

''جب مرد تھک ہار کر گھر آئے اور ڈھنگ کا کھانا تک نہ ملے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔'' دادی کی گہری آواز اس کے سماعت سے ٹکرائی تو اس کی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی، ڈبڈباتی آنکھوں سے وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر جا بیٹھی۔ سورج اپنی کرنیں سمیٹ کر بے خبر سو رہا تھا۔ ہر شے دھند کی لپیٹ میں تھی کچھ بھی صحیح سے دکھائی نہیں دے رہا تھا اور وہ کچھ دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

سوچوں میں غلطاں بیٹھی وہ اس بات سے بے نیاز تھی کہ کچھ دیر قبل اسے کتنی سردی محسوس ہو رہی تھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

اور اب وہ ٹھنڈی برف جیسی سیڑھیوں پر دھند جیسے موسم میں بیٹھی تھی، ہر شے، ہر موسم سے بے نیاز۔ فاروق کی باتیں اور لہجہ کانچ کی طرح چبھ رہا تھا۔ کتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اس لہجے میں اور کوئی ایسی بات اس سے کی تھی بھی برداشت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ سے ہی اکلوتی بیٹی اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاڈلی ہی رہی۔ ڈانٹنا تو درکنار کوئی اس سے سختی سے بات بھی نہ کرتا تھا۔ اس لیے حساسیت اس کی طبیعت کا خاص جزو بن گئی تھی۔ سوچتے ہوئے کب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیر بہنا شروع ہوگئی، اسے معلوم ہی نہ ہوا۔ مین گیٹ کے بند ہونے کی آواز پر اس نے چونک کر گیٹ کی جانب دیکھا۔ شدید دھند ہونے کے باعث وہ قیاس نہیں کر پائی کہ کون ہے؟

البتہ وہ دھندلائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ جو بھی ہے وہ اس کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس نے رگڑ کر اپنے رخسار پر اترے آنسو ہاتھ سے صاف کر ڈالے۔

''عبیرہ! تم یہاں اتنی ٹھنڈ میں کیوں بیٹھی ہو؟ سب خیریت ہے؟'' خرم لاؤنج کے زینے چڑھنے لگا تو اسے یوں دیکھ کر چونکا۔

''ہوں..... سب ٹھیک ہے۔'' اس کے الفاظ اس کے چہرے کے برعکس تھے، اس کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ خرم اس کے چہرے کو دیکھ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی ایسے نہیں دیکھا، ضرور کچھ ہوا ہے۔'' وہ تجسس سے کرید رہا تھا۔ عبیرہ نے آنسوؤں سے لدی پلکیں اٹھا کر خرم کی طرف دیکھا وہ متفکر انداز میں اس کے جواب کے لیے بے تاب بیٹھا تھا۔ تب ہی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو عبیرہ نے تمام بات اس کے گوش

گزار کی تو اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ نادم سی پوچھ بیٹھی۔

''چلو میرے ساتھ۔'' خرم کھڑا ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ عبیرہ کا استعجاب بڑھا، اگلے ہی پل اس نے اپنے قدم خرم کی تقلید میں بڑھا دیے۔

''یہ دیکھو..... دیکھ رہی ہو لاؤنج کا حال..... صوفے پر پڑا کمبل، زمین پر بکھرے مونگ پھلی کے چھلکے، میز پر بکھری کتابیں اور ٹی وی ٹرالی دیکھو اس سلیقے سے چیزیں رکھی جاتی ہیں؟ تم نے تو چیزیں ٹھونس ٹھونس کر رکھی ہوئی ہیں۔'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی خرم نے کسی رپورٹر کی طرح لاؤنج کا تفصیلی نقشہ کھینچا تو عبیرہ کی آنکھوں میں شرمندگی اتری۔ خرم ہاتھ پکڑ کر اسے کچن میں لے گیا۔ کاؤنٹر لبالب برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچن سے ایک عجیب کوفت ہونے لگی۔

''یہ ہے وہ کچن جس پر تمام گھر والوں کی صحت کا انحصار ہے۔'' وہ گرم جوشی سے بولا تو عبیرہ کو ایسا لگا کہ اس کے سر پر دھماکے ہو رہے ہیں، اس نے تو کبھی ایسے نہیں سوچا تھا، نہ ہی غور کیا۔ گھر کے لیے فرصت ہی کہاں تھی اس کے پاس۔ پھر اسی طرح ہاتھ کھینچ کر وہ اسے اس کے ذاتی کمرے تک لے گیا۔

''دیکھ رہی ہو بکھرے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر بیڈ شیٹ بھی ٹھیک نہیں کی، ہر شے الٹ پلٹ ہے نفاست نام کو نہیں۔'' وہ پژمردہ اور یاسیت سے بولا وہ سر جھکا گئی۔

''آج تو چھٹی تھی نا، تمہیں تو چچی کا ہاتھ کیوں نہیں بٹایا؟'' وہ شکوہ کناں نگاہوں سے گھورتا سوال کر گیا اور عبیرہ مارے ندامت کے کچھ بول ہی نہ پائی۔ فاروق بھی اسے یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر کتنا فرق تھا دونوں کے لہجوں میں، انداز میں، ایک کی بات دل پر جا لگی تو دوسرے کی بات اپنی غلطی کا احساس دلا گئی۔ وہ اپنے آپ کو جھنجوڑتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ عبیرہ کا نرم و ملائم ہاتھ خرم نے آہستگی سے چھوڑ دیا اور پھر کمرے ہی میں رکھی ایک کرسی پر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

براجمان ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

"دیکھو عبیرہ خواب بہت قیمتی ہوتے ہیں ضرور دیکھنے چاہیے مگر صرف تعمیراتی خواب..... جو آپ کی شخصیت کو بنائیں نہ کہ رومینٹک آئیڈلسٹک خواب..... جن کی کوئی حقیقیت نہیں..... جن میں آپ اپنی خوشی کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں۔ خواب آپ کے ذاتی ہوتے ہیں اس لیے اس کے تکمیل کے لیے محنت بھی آپ کی ذاتی ہے، آپ کا سفر ذاتی ہے۔ مانا کہ لڑکیاں اس عمر میں رنگین خواب دیکھتی ہیں اپنے آئیڈیل بناتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ جوان کی زندگی میں آئے وہ فرشتہ صفت انسان ہو۔" خرم گلا کھنکار کر بے حد متانت اور نرمی سے بولا تو عبیرہ بے یقین سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہ سن کر عبیرہ کے تن سے گویا جان نکلی۔

"اب یہ مت سوچو کہ یہ سب مجھے کیسے معلوم ہوا۔ اول تو میں نفسیات کا طالب علم ہوں اور دوسرا میری بھی دو بہنیں ہیں جو مجھ سے بہت کلوز ہیں۔" خرم نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ کو بمشکل چھپاتے ہوئے وضاحت دی تو اس کی ٹھوڑی گردن کے ساتھ چپک گئی۔ وہ خاموشی سے اس کے سامنے والے صوفے پر یوں بیٹھ گئی جیسے کاؤنسلنگ سیشن لے رہی ہو۔

"جانتی ہو عبیرہ..... قصور تمہارا نہیں ہے دراصل ہمارے معاشرے میں کچھ چیزوں کی تعریف بہت غلط ہے جیسے کہ ہیرو! اور اس غلط تعریف کو ہم میس میڈیا کے ذریعے بے جا فروغ دے رہے ہیں۔ Allen Ginsberg نے سو فیصد درست کہا ہے

whoever controls the media controls the culture.

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی کہانی کے ہیرو آپ خود ہیں۔ کوئی آپ کی زندگی نہیں بدل سکتا جب تک کہ آپ خود نہ چاہیں۔ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا برا نہیں مگر صرف تعمیراتی خواب۔ خود کو تبدیل کرو اور کنویں کے مینڈک کی طرح مت سوچو۔ اپنے آپ پر توجہ دو، اپنے علم کو بڑھاؤ، entertainment کی دنیا سے باہر نکل کر دیکھو کیا ہو رہا ہے، پڑھائی پر توجہ دو، گھر کا سلیقہ طریقہ سیکھو، ذمہ داریاں قبول کرو، اپنی شخصیت کو ذہنی اور جذباتی دونوں طرح مضبوط بناؤ، اپنی نگاہ میں وسعت لے کر آؤ، مقاصد کا درست تعین کرو تو دیکھنا کچھ سالوں بعد ایک شان دار شخصیت ابھر کر سامنے آئے گی جو گھر اور کیریئر دونوں کو سنبھالنے کے قابل ہوگی۔ یاد رکھنا

dreams don't work "unless you do.

خرم سنجیدگی اور متانت سے بولتا ہی چلا گیا، اس نے اس کی اضمحلال شخصیت کا نقشہ خوب کھینچ ڈالا تھا اور وہ تادیبی نظروں سے اسے بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

"میں یہ ہرگز نہیں کہہ رہا کہ تم ایک اچھے اور قابل انسان کی امید نہ رکھو بلکہ اگر تم چاہتی ہو کہ اچھا انسان تمہاری زندگی میں آئے تو تم پہلے ویسا بنو اور پھر اس کی تلاش شروع کرو۔ ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہم میں بہت سی کمیاں ہوتی ہیں اور ہم انہیں دور کرنے کے بجائے اپنے لیے ایسا انسان چاہ رہے ہوتے ہیں جو ان تمام خامیوں سے پاک ہو۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تم اپنے آپ پر اور اپنے گھر پر توجہ دو گھر داری سیکھو، اپنی تعلیمی حالت بہتر کرو، ویسا بن کر تلاش شروع کرو جیسا تم چاہتی ہو کہ کوئی تمہیں ملے۔ ایسا بنو کہ تم کسی قابل انسان کے قابل بن سکو۔" وہ بڑی ملائمت سے اتنا کہہ کر کمرے سے باہر کھسک گیا۔ شیریں زبان استعمال کرتا وہ بہت بڑی بڑی باتیں عام مگر گھمبیر لہجے میں بیان کر گیا تھا۔ عبیرہ یک دم اسٹیچو بنی رہ گئی۔ اپنا احتساب کرنے لگی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ، کچھ حسرت، کچھ ملال باری باری دکھائی دینے لگا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

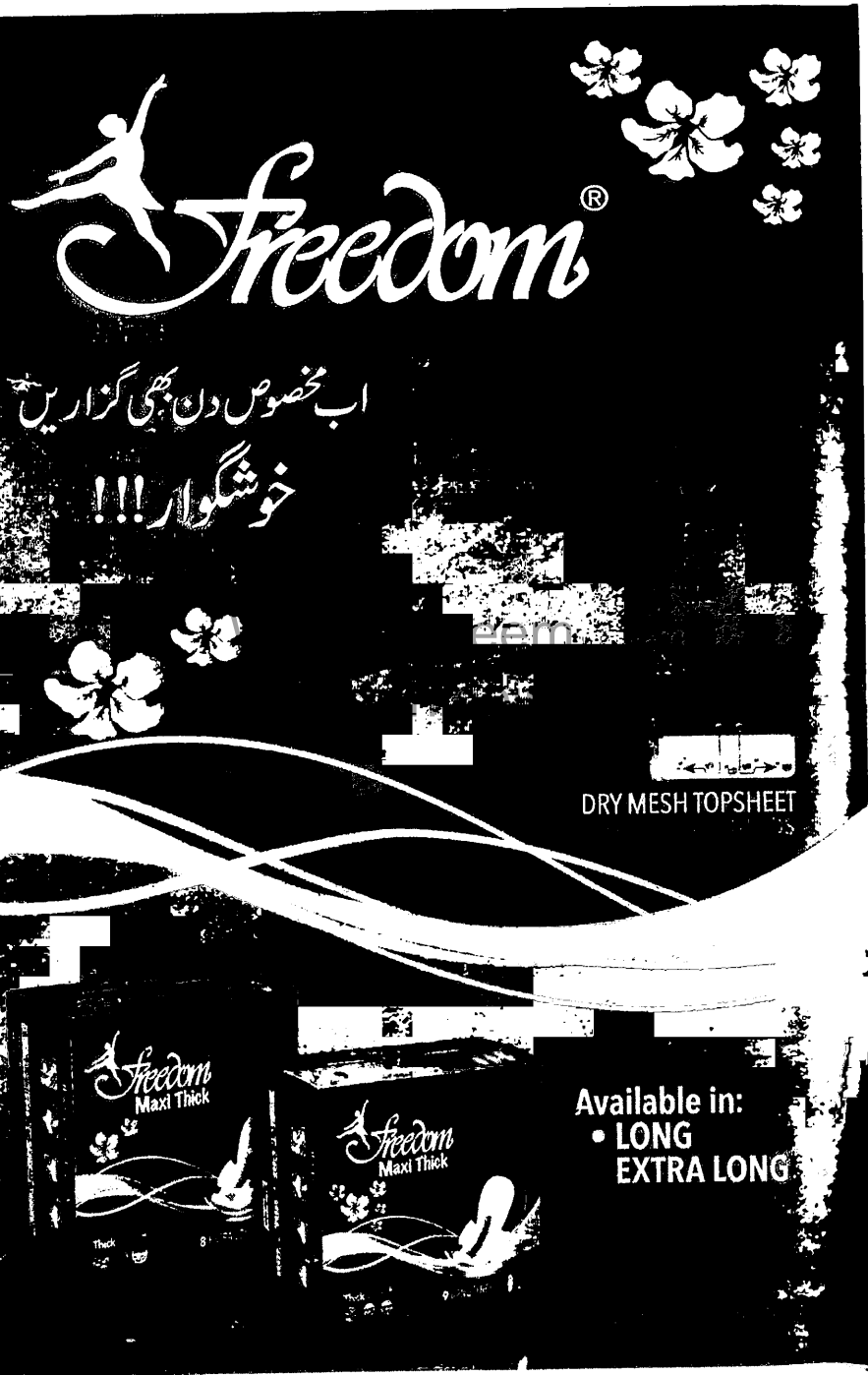
Freedom®
اب مخصوص دن بھی گزاریں
خوشگوار!!!
DRY MESH TOPSHEET
Freedom
Maxi Thick
Freedom
Maxi Thick
Available in:
• LONG
EXTRA LONG

سدرہ چودھری

انتہائے عشق

iqra.ahsan
pakistanipoint

میں آج بالکل بھی حیران نہیں ہوں اور نہ ہی اسے اپنے سامنے دیکھ کر مجھے کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ مجھے خوشی بھی نہیں۔ حالانکہ وہ مداوا کرنے کے لیے آیا ہے۔

وہ مداوا کرنے آیا بھی ہے تو کس کے لیے؟

میرے لیے؟

نہیں! وہ اپنے لیے آیا ہے، اپنی روح کے لیے، اپنی روح کی خوشی کے لیے۔

ہاں! روح ہی تو ہے وہ اس کی، اس کا جگر گوشہ، اس کی بیٹی۔ وہی جس کا ہاتھ تھامے وہ اس وقت سر جھکائے میرے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہے۔

اور میں سوچ رہی ہوں کہ آج اپنی بیٹی کی خاطر مداوا کرنے آگیا اور میں..... میری خاطر.....

آہ!

کتنا آسان ہے نا اس کے لیے ایسا بھی کرنا لیکن کیا وہ نہیں جانتا کہ زخم جو درد رگوں میں اتارتے اتارتے انتہا کی اذیت بن جائیں، اذیت بھی ایسی کہ جس کی مدت لامحدود ہو تو وہ ناسور بن جاتے ہیں، جن کی تکلیف برداشت کرنا بھی ناممکن ہے اور جنہیں ختم کرنا بھی ناممکن ہے۔

اسے پتا ہونا چاہیے نا۔

مدتوں سہے جانے والی ناسور کی تکلیف زہر بن کر پورے وجود میں جب دوڑتی پھرتی ہے تو اس زہر کا تریاق کہیں نہیں ملتا، کوئی نہیں بنتا۔

تو کیا اس کا جھکا سر میرے وجود میں پھیلے زہر کا تریاق ہو سکتا ہے؟

وہ سوچ بھی کیسے سکتا ہے کہ میں اسے معاف کردوں گی!

میں سب بھول جاؤں گی!

آخر کیسے؟

کیسے بتاؤں میں کہ اس کے دیے زخموں کو بھولنا، پھر اسے معاف بھی کرنا میرے لیے انگاروں پر چلنے کے مترادف ہے۔

آج بیس سال بعد وہ میرے در پر سراپا التجا بن کر آیا ہے مگر باوجود اس کے وہ آج بھی اتنا ہی خود غرض دکھائی دے رہا ہے کہ جتنا وہ آج سے بیس سال پہلے تھا۔ اس کی شرمندگی میرے لیے اہمیت کی حامل نہیں ہے لیکن مجھے یاد ہے میں اٹھارہ برس کی تھی جب اس نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے مجھ سے عشق ہے۔

میں نے یہ سن کر فوراً انکار کردیا تھا۔ وہ برا نہیں تھا لیکن میں کیسے اس کے اظہار کو قبولیت کی سند دے سکتی تھی۔ میں تو رائم سے محبت کرتی تھی۔ رائم میری اکلوتی خالہ ماہین کا بیٹا اور میرا بہترین دوست بھی تھا۔

میرے ابو نے امی سے پسند کی شادی کی تھی۔

امی کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ بس ایک ماہین خالہ تھیں اور ان کا اکلوتا بیٹا رائم، رائم شیراز۔ وہ میرا خالہ زاد اور بہترین دوست ہی نہیں بلکہ میری محبت، میرا عشق تھا۔

جب سے ہوش سنبھالا تھا رائم کو اپنے ساتھ دیکھا تھا۔ خالہ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ میرب میرے رائم کی ہے۔ میرب ہی کو اپنی بیٹی بناؤں گی اور یہ سنتے سنتے میں نے زندگی کے اٹھارہ سال گزار دیے تھے۔

مجھے رائم سے محبت ہونی ہی تھی اور پھر بیس سال بعد ایک دن تایا ابا، تائی امی اپنے اکلوتے بیٹے ارزم کے ہمراہ ہمارے گھر آئے۔

بیس سال بعد انہوں نے امی کو بحیثیت اپنی بھاوج قبول کر ہی لیا تھا اور مجھے بھی۔ یعنی وہ ہم سب کو اپنے ساتھ لے جانے آئے تھے۔

مجھے یاد ہے اس دن میں نے ابو کے چہرے پر ایک الگ ہی خوشی دیکھی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ تایا ابا کے ساتھ مجھے اور امی کو اسی روز ہی لے کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آبائی گھر روانہ ہو جاتے۔ تایا ابا سے صلح کے بعد ابو نے سب کچھ بہت جلدی کیا تھا۔ گھر اور کاروبار بیچ کر تایا ابا کے گھر جانے کی تیاری کر لی۔

ہمارا اس گھر میں آخری دن تھا اور شام کے وقت ہماری روانگی تھی۔ ابا گاڑی لینے گئے تھے اور پھر واپس ابا نہیں ان کی میت ہی آئی تھی۔ انہیں راستے میں ایک ٹرک نے ٹکر ماردی اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ مجھے لگا تھا کہ ابا کے ساتھ ہی میں بھی مر جاؤں گی لیکن میں زندہ رہی کیونکہ یہی زندگی ہے۔

ابا کی تدفین کے بعد تایا ابا ہمیں اپنے ساتھ ملتان لے گئے۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ تائی امی بہت خیال کرتی تھیں۔ ارزم بھی میرا خیال رکھتا تھا لیکن جب اس نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا تو میرے صاف انکار کرنے اور رائم کا نام سننے کے بعد وہ بہت خفا بھی ہوا تھا۔

اس نے مجھ سے صاف صاف کہا تھا کہ وہ کبھی مجھے رائم کا نہیں ہونے دے گا۔ اور میں نے اس سب کا غصہ اس طرح نکالا تھا کہ اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی اور اماں کو سب بتا دیا۔ پہلے تو اماں بہت پریشان ہوئیں پھر تایا ابا سے اپنی بیماری کا بہانہ کر کے میری شادی کی تاریخ رکھوادی۔

مجھے یاد ہے وہ دن، جب میں نے خود ارزم کو اپنی شادی کا بتایا تھا اور مٹھائی بھی پیش کی تھی۔ پہل پہلے تو وہ حیران ہوا تھا لیکن بہت جلد ہی اس نے اپنا تاثر بدل لیا اور مجھے مبارک دی تھی۔

مجھے لگا تھا سب ٹھیک ہو گیا ہے لیکن یہ میرا محض وہم تھا۔ گو کہ ارزم نے اپنا رویہ بدل لیا تھا بلکہ وہ تو میری شادی کی تیاریوں میں بڑھ بڑھ کے حصہ لے رہا تھا۔ کیا خریدنا ہے کیا نہیں، سب کچھ ہی تو وہ کر رہا تھا۔ ارزم میں یہ اچانک تبدیلی دیکھ کر امی اور میں بہت پرسکون ہو گئے تھے۔

لیکن میرا یہ سکون مجھے اندر ہی اندر ڈرا بھی رہا تھا۔

ایک انجانی دستک تھی جو کہہ رہی تھی۔ ''میرب انصاری کچھ تو ہے۔''

میں اپنے دل کی یہ حالت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اور پھر میرے دل کے اندر پلتے خوف سے میرا سامنا ہو گیا۔

میں اپنی محبت رائم کے لیے سجی سنوری پارلر میں بیٹھی کئی ارمان دل میں بسائے ارزم کے آنے کی منتظر۔ وہ مجھے پارلر سے لے کر شادی ہال جانے والا تھا لیکن قسمت نے میرے ارمان کسی اور کے سینے میں جلتی آگ میں جھونکنے کا پکا انتظام کر لیا تھا۔

ارزم پارلر سے واپسی پر مجھے گھر کے بجائے اپنے کسی دوست کے فلیٹ پر لے آیا تھا۔

اور تب میری سمجھ میں آیا کہ میرب انصاری تم بظاہر پرسکون ہوتے ہوئے بے سکون کیوں تھیں؟

کیوں تمہارا دل تمہیں جھنجھوڑ رہا تھا!

میں نے ارزم کی منتیں کی تھیں، اللہ کا واسطہ دیا تھا لیکن اس نے میری کوئی بات نہیں مانی۔

بس کہا تھا تو صرف اتنا کہ گھر جانا چاہتی ہو تو ابھی مجھ سے نکاح کرنا ہوگا ورنہ دوسری صورت میں عمر بھر تمہاری پیشانی پر بدنامی اور گمنامی کا ٹھپہ لگاتے ہوئے مجھے رتی بھر بھی دکھ نہ ہوگا۔

اور میں آگے کنواں پیچھے کھائی کا مطلب اب سمجھی تھی۔ کوئی اگر اس وقت مجھ سے پوچھتا کہ میرب انصاری! زندگی چاہو گی یا موت؟ تو میں موت کا انتخاب فوراً کرتی۔

لیکن زندگی اتنی جلدی خواہشات پوری نہیں کرتی۔ مجھے بھی فیصلہ کرنا تھا کہ ارزم انصاری سے نکاح یا پھر ساری زندگی گمنام ہو کر اپنی ماں کو جیتے جی مارنا اور پھر میں نے میرب انصاری سے مسز ارزم انصاری بننا قبول کر لیا۔

اور ارزم۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس نے نکاح کے بعد اپنا حق پورے غرور اور فخر سے وصول کیا تھا۔

اپنے ہی وجود کو اپنی نظروں کے سامنے بکھرتے دیکھنا اور پھر خود سے جڑے رشتوں کے لیے جوڑنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے، یہ میں نے اس دن جانا تھا۔

اپنے بکھرے وجود کی کرچیاں سمیٹ کر میں کس طرح واپس گھر آئی تھی یہ میں جانتی ہوں یا میرا اللہ۔

میں جو رائم سے محبت نہیں عشق کرتی تھی، اس کے بنا سانس لینے کو موت سمجھتی تھی، اس کے سامنے کھڑی اسی سے نکاح کرنے سے انکار کر رہی تھی۔

رائم اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے آیا تھا، اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے کہ ''میرب انصاری کہہ دو کہ یہ مذاق ہے۔''

لیکن اسے کیسے سمجھاتی کہ مذاق تو زندگی نے میرے ساتھ کیا تھا اور اس سب کا ذمہ دار وہی تھا جس نے میرے انکار کرنے پر میرے گال سمیت تمام وجود پر اپنی سفاکیت کے نشان چھوڑے تھے۔

اس نے مجھے نکاح کا کوئی ثبوت نہیں دیا تھا، تو میں کیسے ثابت کرتی۔ میرے سچ پر ارزم انصاری کا ہاتھ دوبارہ اٹھا تھا اور مجھے زندہ درگور کر گیا تھا۔ وہ اپنے کیے سے سراسر انکاری تھا۔

میرے بکھرے وجود کا رواں رواں خود چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میرب انصاری اب میرب انصاری نہیں ہے، اس کے وجود پر کوئی اور رنگ چڑھ گیا ہے۔

اور تب، بس میں نے اماں کو گرتے دیکھا تھا اور یہ گرنا ایسا تھا کہ وہ پھر کبھی نہ اٹھ سکیں۔ میری اماں میرے دکھ سے مر گئی تھیں۔ مجھے تنہا کر کے، بے سہارا کیے وہ اگلے جہان کوچ کر گئیں۔

اور پھر رائم۔

رائم بھی مجھے بددعا دے کر چلا گیا تھا۔ وہ کہہ گیا تھا۔

''اللہ کرے میرب انصاری تم اسی طرح تڑپو جیسے میں اس وقت تڑپ رہا ہوں۔''

لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی تڑپ سے میری تڑپ ہرگز مختلف نہیں۔ میں اسے چاہ کر بھی بتا نہیں پائی کہ ہم دونوں ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں اور یہ آگ میری نہیں کسی تیسرے ہاتھ سے بھڑکائی گئی ہے۔

☆.....☆

میرے زندگی میں آیا طوفان مجھ سے میری ماں کو بھی چھین لے گیا تھا۔ تایا ابا اور تائی اماں نے مجھ سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ میں پل پل مر رہی تھی۔ میں تایا ابا کو یقین دلا دلا کر تھک چکی تھی کہ ''اس سب کا ذمہ دار صرف اور صرف ان کا بیٹا ارزم ہے۔''

لیکن وہ بس ایک ہی بات کہتے۔ ''لاؤ، نکاح نامہ دکھاؤ۔''

اور پھر میں بس جہاں ہوتی وہیں تھمی رہ جاتی کہ میرے پاس تو کوئی ثبوت نہیں تھا اور اسی پل میں پھر سے ہار جاتی۔

اور وہ میرے نصیب کی آخری شکست تھی جب ایک دن کام کرتے کرتے میں بے ہوش ہو گئی۔ تائی اماں نے ڈاکٹر کو بلا لیا۔ پھر میرے وجود میں پیدا ہونے والی تبدیلی جان کر تائی اماں نے مجھے خوب کوسنے دیے تھے۔

اس دن تایا ابا کا بھی سر جھک گیا تھا اور انہوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے کہ تمہارے وجود میں پلتی یہ تبدیلی کس کے نام سے منسوب ہے؟

اور اس دن میں چاہ کر بھی ارزم کا نام نہیں لے سکی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ ارزم یہ جان کر کہ میں ماں بننے والی ہوں تایا ابا کو سچ بتا دے گا لیکن جب اسے یہ پتا چلا اس نے مجھے فقط ایک نگاہِ حقارت سے دیکھا تھا۔

میں کیسے پھر سے تایا ابا کے سامنے اس کا نام

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لیتی؟

کیسے اور کیونکر قسمیں کھا کر ان کی بے یقین آنکھوں میں اپنے لیے یقین دیکھ پاتی اور کیا بھروسا تھا کہ جواب تک میرے سچ سے انکاری تھے اب کیسے میری زبان سے نکلے تمام الفاظ پر صدق دل سے اعتبار کر کے اپنے بیٹے کو مجرم مان لیں گے؟

میں نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔ میں اپنے وجود پر قادر تو نہیں تھی کہ یہ تبدیلی روک لیتی لیکن اللہ پر یقین رکھ کر انتظار اور صبر تو کر سکتی تھی اور یہی راستہ میں نے چن لیا۔

☆.....☆

آج مجھے لگا تھا کہ شاید میرا امتحان ختم ہو گیا ہے۔ تایا ابا نے مجھے بلایا تھا اور پھر کہنے لگے آج میں کچھ نہیں پوچھوں گا، تم ہر دفعہ ارزم کا نام لیتی ہو تو میں نے سوچ لیا ہے کہ اب تمہارا ارزم سے نکاح کر دیتا ہوں تاکہ مجھے تسلی رہے کہ تمہارا رشتہ جائز ہے۔

انہیں لگا تھا کہ میں چونکہ جھوٹی ہوں تو انہیں سچ بتا دوں گی لیکن میری سچائی تو وہی تھی کہ میں صرف میرب انصاری نہیں مسز ارزم انصاری بھی ہوں۔

میں نے بس تایا ابا کے ہاتھ چومے تھے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی کہ آخر کار میرا امتحان ختم ہوا۔

لیکن میری خوش فہمی اگلے ہی روز وقت نے میرے منہ پر مار دی جب کسی دوست کے گھر دعوت سے واپسی پر تایا ابا اور تائی اماں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ابھی یہ صدمہ کم نہ ہوا تھا کہ میری زندگی میں ایک اور طوفان نے جنم لیا۔

ارزم نے میرے وجود میں پلتے اپنے بچے کو ماننے سے انکار کر دیا۔

عورت اپنے وجود پر اٹھائے گئے ہر سوال کو سہہ لیتی ہے لیکن اپنی جائز اولاد کے لیے حرام کا لفظ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی اور میرے اندر کی عورت بھی اس دن چیخی تھی۔ آخر کب تک برداشت کرتی۔ اس دن پہلی اور آخری بار ہمارا جھگڑا ہوا تھا اور اسی جھگڑے میں ارزم نے مجھے دھکا دیا تھا اور میں جو جھگڑے کے دوران بے دھیانی میں سیڑھیوں کے دہانے آ کھڑی ہوئی تھی، ارزم کے دھکا دیتے ہی گرتی چلی گئی اور پھر بس بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے اپنے وجود پر آریاں چلتی محسوس کی تھیں۔

جب مجھے ہوش آیا میں نے اپنے آپ کو اسپتال کے بستر پر نہ جانے کتنی مشینوں میں جکڑے پایا تھا۔

میں نے اپنے جسم کو حرکت دینا چاہی تھی لیکن میں ایسا کر نہ سکی۔

تبھی میں نے رائم کو دیکھا وہ مجھ پر جھکا کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا دماغ اس کے لفظوں کو معنی کیوں نہیں پہنا پا رہا، میں بس اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکتی رہ گئی تھی۔ تبھی ڈاکٹر نے اسے ایک طرف کیا تھا اور میری آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کے دیکھے تھے۔

کچھ دیر معائنے کے بعد مجھے انجکشن لگا دیے گئے۔ یوں مجھے نیند آنے لگی اور پھر میں دوبارہ سو چکی تھی۔

مجھے جب دوبارہ ہوش آیا رائم تب بھی میرے ساتھ تھا، وہ فوراً میرے پاس آیا تھا اور مجھ سے پوچھا تھا کہ میرب انصاری کیسی ہو؟

اور میں نے اس سے ایک سوال کیا تھا رائم شیرازی تم یہاں کیوں آئے ہو؟

رائم کی زبانی ہی مجھے علم ہوا کہ ارزم کے دیے جانے والے دھکے سے نہ صرف میرے وجود میں پلتی ننھی جان کی سانسیں تمام ہوئی تھیں بلکہ میرے وجود میں زہر بھی پھیل گیا تھا۔ دو سال کوما میں رہنے کے بعد آج مجھے ہوش آیا تھا۔ ارزم مجھے رائم کے حوالے کرنے کے بعد گیا تو آج تک میری حالت دیکھنے بھی واپس نہیں آیا۔ اس نے اپنی ماموں زاد شانزے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سے شادی کر لی اور اب وہ دونوں ایک بیٹی کے والدین بھی تھے۔

☆.....☆

رائم نے میرا بہت خیال رکھا، اس کی بیوی بھی بہت اچھی ہے۔ وہ سب جانتی ہے کہ رائم مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتی، میرا خیال رکھتی ہے۔

بیس سال گزرنے کے باوجود میں آج بھی پیرالائزڈ ہوں۔

میں اپنے پیروں پر کھڑی تو کیا خود سے بیٹھ بھی نہیں سکتی اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ مجھے برباد کرنے کے باوجود ارزم انصاری نے مجھے آزاد نہیں کیا تھا۔

میں آج بھی مسز ارزم انصاری ہی ہوں۔

اور آج بیس سال بعد، وہ میرے سامنے اپنی بیٹی کو لیے بیٹھا ہے۔

میں نے تو اسے بددعا بھی نہیں دی۔ ہوش میں آنے کے بعد کہ بس یہی کہا تھا۔ "اے اللہ جیسے تو راضی۔"

اور اللہ نے آج اسے میرے سامنے لا جھکایا تھا۔

ارزم انصاری مجھے لینے آیا ہے وہ مداوا کرنے کے لیے آیا ہے ان تمام تکلیفوں، ان تمام زخموں کا جو اس نے میرے وجود کو دیے جو اس نے میری روح کو دیے تھے۔

لیکن کیا یہ ممکن ہے؟

کیا وہ میرا جسم، میری خوبصورتی لوٹا سکتا ہے؟

کیا وہ میری گھائل روح کا درد مٹا سکتا ہے؟

میں اسی کرب میں تھی کہ اس کی بیٹی اٹھی اور اس نے میرے پاؤں پر اپنے لب رکھ دیے تھے اور میں کتنی بے بس تھی کہ پاؤں بھی نہ ہٹا سکی اور نہ کچھ کہہ سکی۔

رائم نے میرے چہرے کے تاثر سے اندازہ لگا لیا تھا، اس نے اٹھ کر عروہ شیرازی کو ہٹایا تھا لیکن عروہ شیرازی نے پھر سے میرے پاؤں پکڑ لیے تھے اور سسک اٹھی تھی۔ وہ رو کر کہنے لگی۔

"میرب ماما! مجھے دعا دیں بابا کے کیے کا کوئی مداوا نہیں، ان کی ہر معافی آپ کو دی گئی عمر بھر کی بدنامی اور معذوری کی تلافی کبھی بھی نہیں ہو سکتی لیکن مجھے برباد ہونے سے بچالیں، جس طرح آپ بے قصور تھیں بس ایک مرد کی انا کی بھینٹ چڑھ گئیں، اسی طرح میں بھی بے قصور ہوں، آپ نے معاف نہ کیا تو میں بھی برباد ہو جاؤں گی۔ جو بابا نے آپ کے ساتھ کیا وہ سب میرے حصے آ رہا ہے، شائل نے مجھ سے نکاح کیا ہے لیکن وہ ماننے سے انکاری ہے حتیٰ کہ میرے وجود میں پلتے اپنے بچے سے بھی انکاری ہے۔" عروہ انصاری سسکتی میرے پاؤں چھوڑ کر میرے ہاتھ پکڑ کے رو پڑی ہے۔

میں نے اپنے ہاتھ کو اس کے سر پر ٹکایا ہی تھا کہ مجھے اپنے دل میں درد محسوس ہوا، ہاں ویسا ہی درد جیسا میں نے اپنے وجود کے خالی ہونے پہ محسوس کیا تھا۔

میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں، میرا درد بڑھتا جا رہا ہے، میں نے ارزم انصاری کو معاف نہیں کیا، کرتی بھی کیوں!

لیکن عروہ انصاری وہ کس جرم کی سزا سہے، وہ بھی تو میری طرح بے گناہ ہے، میں نے اس کے لیے دعا کی ہے لیکن دعا مستجاب ہوگی کہ نہیں اللہ جانے۔

لیکن میں اب مزید سن اور دیکھ نہیں پا رہی، میرا درد بڑھتا جا رہا ہے اور رائم وہ میری طرف اٹھ کر بڑھ رہا ہے شاید وہ میری تکلیف جان گیا ہے لیکن میں ارزم انصاری کو معاف..... ہاں میں اسے بالکل معاف نہیں کروں گی۔ اب ہمارا سامنا روزِ قیامت ہوگا اور حساب بھی۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آمنہ بانو

دوسرا چہرہ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

دنیا کی کوئی نعمت یا خوشی محبوب کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ وقار کو سوچ کر ہمیشہ یہ بات فوزیہ کو خوشی دیتی تھی۔ زندگی نے کبھی اس پر بہت مہربانیاں نہیں کی تھیں لیکن وہ خوش تھی کیونکہ وقار اس کی واحد خوشی اور اثاثہ تھا لیکن آج یہ ''تھا'' لفظ اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔ اس کا واحد اثاثہ اور خوشی بھی اس سے چھین لی گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں صرف خاموشی اور سکون تھا۔ بہت سارے شکوے خاموش لبوں پر آ کر رک گئے تھے۔

یہ ہجر ہے کہ خزانے سے ہاتھ اُٹھتا ہے
یہ تو گیا کہ مری عمر کی کمائی گئی

☆.....☆

سردیوں کے مختصر دن کی مختصر سی شام تھی۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ایک ہی پوزیشن میں سامنے کھیتوں پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ ہرے بھرے لہلہاتے کھیت، اس سے پرے قطار میں کھڑے درخت اور ان کے پیچھے ڈوبتا سورج۔ یہ نظارہ اسے ہمیشہ سکون دیتا تھا لیکن آج یہ منظر بھی اس پر چھائے جمود کو توڑنے میں ناکام رہا تھا۔

تیز ہوا سے کچھ بادل ہوا کے دوش پر تیرتے سورج کے سامنے آ گئے تھے۔ روشنی اچانک اندھیرے میں بدل گئی تھی۔ سورج کی ایک کرن مہیب اندھیرے کو ختم کر دیتی ہے لیکن محبت کی تیز روشنی بھی نفرت کے گہرے اندھیرے کے سامنے کم پڑ جاتی ہے۔ اس نے تلخی سے اپنی سوچ کو جھٹکا۔

وہ کچھ دنوں سے کئی بار ماضی کے پنوں کو کھنگال چکی تھی لیکن اسے اماں کی خود ساختہ بدگمانی کا سرا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا تھا۔

سامنے کے منظر سے نظریں ہٹا کر اس نے [illegible] گھر کی طرف دیکھا۔ وہ گھر اور اس کے مکین کبھی اس کی ذات کے محور ہوا کرتے تھے۔ پھر وقت کی کروٹ نے سارے رشتے ہاتھ سے ریت کی طرح اڑا دیے تھے۔ ماضی کے اوراق پھر سے پھڑ پھڑائے تھے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پرانی یادوں کو تازہ کرنے لگی تھی۔

پورے گاؤں میں دس مرلے کے یہ دو گھر بہت مشہور تھے جس میں دو بھائی اپنے خاندانوں سمیت آباد تھے۔ عبدالرحیم اور عبدالکریم۔

بڑے بھائی عبدالرحیم کی چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی۔ اپنی بیوی پروین اور اکلوتے بیٹے وقار کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے۔

چھوٹا بھائی عبدالکریم آٹھ جماعتیں پاس تھا اور پنڈ کے چوہدریوں کے پاس منشی تھا۔ اسی مناسبت سے وہ پنڈ میں منشی کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس خاندان میں بھی صرف تین افراد تھے منشی عبدالکریم، اس کی بیوی شاہدہ اور اکلوتی بیٹی فوزیہ۔

کھانا پینا الگ ہونے کے باوجود دونوں گھروں کے درمیان کوئی دیوار نہیں تھی کیونکہ دلوں میں محبت اور گنجائش بہت زیادہ تھی۔ سوائے اماں کے دل کے جو بلاوجہ تائی امی سے خار کھاتی تھیں۔

گھر کا ہر کام تائی امی کے مشورے سے ہوتا تھا۔ جٹھانی ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ شاید یہ ہی سب اماں کی خود ساختہ نفرت کی وجہ تھی۔

اس دس مرلے کے گھر کی محبتوں کی مثالیں دینے والوں نے اسی گھر کی نفرت کی کہانی بھی سب کو سنائی تھی۔

وقار میٹرک میں تھا جب ایک رات تایا ابا دل کا دورہ پڑنے سے داغ مفارقت دے گئے۔ اس حادثے نے گھر کے مکینوں کو چپ لگا دی۔ ہنسی مذاق، آوازیں، سب کچھ تایا ابا کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ تائی امی جو پہلے بھی زیادہ نہیں بولتی تھیں اب

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صرف ضرورت کے تحت بات کرتی تھیں اور وقار، وہ تو جیسے ایک دم بہت بڑا ہو گیا تھا۔ ہر وقت تائی امی کے اردگرد رہ کر انہیں تحفظ کا احساس دلاتا بالکل تایا ابا کا پرتو بن گیا تھا۔

تایا ابا کے جانے کے بعد قسمت نے اس گھر پر خوشیوں کے راستے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے تھے۔ پھر اس دس مرلے کے گھر میں دیوار بھی اٹھی تھی۔

''گھروں میں دیواریں تب اٹھتی ہیں جب دلوں میں فاصلہ بڑھ جائے۔'' تائی امی کا یہ جملہ فوزیہ کو آج بھی ازبر تھا۔

دلوں میں فاصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک دن دیوار کے پار نئے چہرے نئے لوگ آ گئے تھے۔ تائی امی اور وقار گھر بیچ کر شہر چلے گئے تھے۔ ابا کا رونا، ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنا، اس کی خاموش سسکیاں، کوئی چیز تائی امی کو روک نہیں سکی تھی۔

''پاس رہ کر نفرتیں پالنے سے بہتر ہے دور رہ کر بدگمانی کی گرد کو چھٹنے دیا جائے بھائی صاحب۔'' خاموش لوگوں کے پاس لاجواب کرنے کا ہنر ہوتا ہے۔ یہ فوزیہ نے تائی امی کو دیکھ کر جانا تھا۔

دکھوں کا سلسلہ تو بہت لمبا ہوتا ہے صرف خوشیاں ہیں جو پل بھر کے لیے ٹھہرتی ہیں۔ تایا ابا کی وفات کو بمشکل دو سال کا عرصہ گزرا تھا۔ جب ایک رات ابا کو اچانک ہی فالج نے آلیا اور ان کا دایاں ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ ان حالات میں وقار اور تائی امی نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

سب نے ماضی کی تلخی کو بھلا دیا تھا لیکن واحد اماں تھیں جنہوں نے دور رہ کر بھی بدگمانی کی اس گرد کو چھٹنے نہیں دیا تھا۔ جس کا فوزیہ کے نزدیک بظاہر کوئی وجود نہیں تھا۔ بادل ہٹنے سے غروب ہوتا سورج اندھیرے کو راستہ دے گیا تھا۔

سامنے منڈیر پر آ کے بیٹھی چڑیا نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔ منہ سے آوازیں نکالتی اِدھر اُدھر دیکھتی چڑیا سمت کا تعین کر رہی تھی اور پھر وہ ایک جانب اڑ گئی۔ فوزیہ کو اپنا آپ اس چڑیا سے کہیں زیادہ کمزور لگا۔ وہ چڑیا تو اپنا راستہ تلاش کر سکتی تھی لیکن ایسے مسافروں کا کیا جن سے راستہ چھین کر زبردستی ان چاہی منزل تھما دی جائے۔

سورج مکمل طور پر رات کی تاریک چادر اوڑھ چکا تھا۔ دور دور تک صرف اندھیرا تھا۔ ایسا ہی اندھیرا اس کے وجود میں بھی بھر گیا تھا۔ روشنی کی کوئی کرن بھولے سے بھی نظر نہیں آ رہی تھی جس کے سہارے وہ اس اندھیرے کو ختم کر سکتی۔

سیڑھیوں سے آتی قدموں کی آواز نے اس کی سوچ میں خلل ڈالا تھا۔ اسے یک دم اس کہانی کے دوسرے کردار کا خیال آیا جو اس سے بھی کہیں زیادہ مجبور اور قابل رحم تھا۔ ایک ایسا مسافر جسے منزل کا پتا بتائے بغیر راستہ تھما دیا گیا تھا اور اس راستے پر اسے ہمیشہ چلنا تھا۔

قدموں کی آواز اس سے دو قدم پیچھے رک گئی تھی۔ ساتھ چلنے والے قدموں نے فاصلے کا تعین کر لیا تھا۔ فوزیہ کے دونوں ہاتھ بے بسی سے پہلو میں آ گرے تھے۔ دل میں ایک دم سے تکلیف کا احساس جاگا تھا۔ اس تکلیف نے بے حسی کو بہت حد تک ختم کر دیا تھا۔

''میں نہیں جانتا کہ نفرت انسان کو کھا جاتی ہے یا نہیں لیکن آج اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ نفرت دو انسانوں کے بیچ رشتے اور محبت کو ضرور کھا جاتی ہے۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''زندگی کا نیا سفر بہت مبارک ہو۔'' کچھ پل کی خاموشی کے بعد اسے صرف ایک جملہ سنائی دیا تھا۔ ان الفاظ کو ادا کرتے جو تکلیف بولنے والے نے محسوس کی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف سننے والے کو سہنی پڑی تھی۔ انسانوں کے فیصلے کے آگے تقدیر بھی بے بس کھڑی تھی۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

ریل کی سیٹی نے ہجر کا سندیسہ سنایا تھا۔ برسوں سے ساتھ چلنے والے مسافر الگ الگ اسٹیشنوں پر اتر گئے تھے۔ پھر کبھی نہ ملنے کے لیے۔

☆.....☆

کہتے ہیں تاریخ سنہرے حروف میں لکھی ہو یا خون کی سیاہی سے اپنے آپ کو دہراتی ضرور ہے۔ اس گاؤں کی تاریخ بھی پانچ سال بعد خود کو دہرانے جا رہی تھی۔

☆.....☆

آج وہ آخری بار سکول جا رہی تھی۔ اپنی ساتھی ٹیچرز سے ملنے۔ انہیں اپنی شادی کا دعوت نامہ دینے۔ کوئی آہستہ سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔ گردن موڑے بغیر بھی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ اس کا وہم ہے۔ آج کل یہ وہم ہر جگہ اس کے ساتھ چلتا تھا۔ کل سے پہلے تک یہ وہم اس کی زندگی کی حقیقت بننے والا تھا۔ لیکن..... اس لیکن کے آگے اب کچھ بھی نہیں تھا وہ وہم بھی نہیں جو حقیقت بننے سے پہلے ہی ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ اب وہاں صرف فل اسٹاپ تھا ایک تکلیف دہ فل اسٹاپ۔

آہستہ آہستہ چلتی وہ اسکول کی عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ یہ اسکول جہاں اس نے اپنی زندگی کے آٹھ سال گزارے تھے جس نے اس کے اچھے برے وقت میں ہمیشہ اچھے دوست کی طرح اس کا ساتھ دیا تھا لیکن پھر اسی دوست نے اس کی تقدیر کا سب سے برا فیصلہ بھی کر دیا تھا۔ اسی جگہ تو پنڈ کے چھوٹے چودھری نے اسے دیکھا تھا اور صرف اس کے دیکھنے سے ہی اس کے پیار کی عمارت زمین بوس ہو گئی تھی۔ جس عمارت کو اس نے اور عمار نے بچپن سے اپنے خوابوں سے سجایا تھا وہ ایک لمحے میں ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گئی تھی۔ تقدیر کے کچھ فیصلوں کے آگے تدبیر بھی ہار جاتی ہے۔ رہ جاتا ہے تو آپکا سر جسے ہر حال میں جھکانا پڑتا ہے۔

فوزیہ نے ایک لمبی سانس لیکر آنکھوں کو جھپک کر پانی اپنے اندر اتارا اور گیٹ پار کر گئی۔

دن کے گیارہ بجے تھے۔ بچے عمارت کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ یہ بریک کا وقت تھا۔ فوزیہ کے قدم خود بخود اسٹاف روم کی طرف بڑھنے لگے دروازے پر رک کر اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

''السلام علیکم!'' داخل ہوتے ہی اس نے سب کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام زہے نصیب آج سورج یقیناً مغرب سے نمودار ہوا ہے۔'' ساتھی ٹیچر کلثوم نے گلے لگتے ہی محاورہ داغا تھا۔ باقی ساتھی ٹیچرز نے بھی مبارکباد کے ساتھ شکوے گلے کیے تھے۔ سوائے مس نورین کے جو بغور اس کے چہرے کو تک رہی تھیں۔

''کچھ مسکراہٹیں اندر کے دکھ کو چھپانے میں ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔'' اس کا اندازہ اسے مس نورین کی نظروں سے ہوا تھا۔

''آپ بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہیں فوزیہ، مس نورین حسب معمول اپنے مشاہدات کا نچوڑ ہم سے شیئر کر رہی ہیں۔'' ایک ساتھی ٹیچر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

مس نورین اس اسکول کی سب سے سینئر استانی تھیں۔ ان کی عمر لگ بھگ چالیس سے پینتالیس کے درمیان تھی۔ وہ روز بریک کے وقت چائے وغیرہ پیتے اپنے مشاہدات سب کے ساتھ نصیحت کی شکل میں بانٹتی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے کہ انسان اس دنیا میں دو چہرے لے کر آتا ہے۔ ایک چہرہ جسے ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے دکھ، تکلیفیں ہمارے اسی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چہرے تک محدود رہتی ہیں اور دوسرا چہرہ جسے ہم دنیا کے سامنے رکھتے ہیں، اس چہرے پر ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی تاثرات سجانے پڑتے ہیں۔ خوشی میں خوش ہونا پڑتا ہے، دکھ میں رونا پڑتا ہے اور عموماً اسے ہی ہمارا اصل چہرہ سمجھا جاتا ہے۔'' بات کرتے ہوئے مس نورین کی نظریں مسلسل فوزیہ پر تھیں۔

''میں میڈم سے مل لوں۔'' مس نورین کا فلسفہ اسے اپنا راز کھولتا ہوا محسوس ہوا، میڈم سے مل کر وہ وہیں سے لوٹ آئی تھی۔

☆.....☆

آج اس گھر میں اس کی آخری رات تھی۔ وہ آنگن میں چارپائی پر بیٹھی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ پورا آسمان ستاروں کی چمک سے روشن تھا۔ لیکن فوزیہ کی نظر صرف چاند۔۔۔ پر تھی۔ وہ چاند جو کل تک اسے اپنی دسترس میں لگتا تھا آج کوسوں دور تھا۔ وہ جتنی بھی کوشش کر لیتی اس فاصلے کو ختم نہیں کر سکتی تھی۔

اسی آنگن میں اس کا خوبصورت بچپن گزرا تھا۔ بچپن کی ان یادوں میں صرف وہ اور وقار تھے۔ انہیں کبھی کسی تیسرے ساتھی کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ دونوں لڑکیوں اور لڑکوں والے کھیل ایک دوسرے کے لیے کھیل لیا کرتے تھے۔ وہاں اگر کوئی تیسرا تھا تو وہ دو گھورتی ہوئی آنکھیں تھیں۔ جو ہر وقت ان کا پیچھا کرتیں۔ جب کبھی وقار اس کا ہاتھ پکڑ کر اسکول چھوڑنے جاتا تو فوراً وہ گھورتی آنکھیں اسے ہاتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیتیں اور وہ دوبارہ جلدی سے وقار کا مضبوط ہاتھ تھام لیتی۔ بے دھیانی میں اس نے پھر سے وقار کا چھوٹا ہوا ہاتھ تھامنا چاہا تھا لیکن ہاتھ چارپائی کی پائنتی سے ٹکرا کر تکلیف سے دوچار کر گیا تھا۔ ہاتھ کا درد، دل کے درد کے آگے کچھ نہیں تھا۔ اپنی بے بسی پر ماتم کرتی وہ پھر سے آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔

یہیں کہیں پہ عدو نے پڑاؤ ڈالا تھا
یہیں کہیں پہ محبت نے ہار مانی تھی

آنگن کے کونے، کھدروں میں سسکیاں لیتی محبت نے اس منظر پر آہ بھری تھی۔

سر پر ٹھہرے کانپتے ہاتھ نے اس کی محویت کو توڑا تھا۔ ابا کا محفوظ لمس آج بہت کمزور ہو گیا تھا۔ ابا چارپائی پر اس کے قریب بیٹھ گئے۔

''یاد ہے ابا! اسی آنگن میں کھیلتے ہوئے کئی بار میری گڑیا ٹوٹ جاتی تھی اور میں بھاگی بھاگی آپ کے پاس پہنچتی تھی اس یقین کے ساتھ کہ ابا میری ٹوٹی ہوئی گڑیا جوڑ دیں گے اور آپ ہمیشہ میری گڑیا جوڑ دیتے تھے۔'' بات کرتے کرتے کچھ آنسو گالوں پر بہہ گئے تھے۔ ابا کے بازو سے سر ٹکائے وہ چھوٹی سی گڑیا ہی لگ رہی تھی۔

ابا اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ آج ان کی اپنی گڑیا ٹوٹ گئی تھی اور وہ اسے جوڑنے میں ناکام رہے تھے۔

فوزیہ کے آنسوؤں کی بے بسی میں اضافہ کر گئے تھے۔

''تیری ماں نے زہر کھانے کی دھمکی دی تھی۔'' ابا شرمندہ لہجے میں اسے وضاحت دے رہے تھے۔

''مرنا اتنا آسان نہیں ہے ابا، حوصلہ چاہیے اپنی جان لینے کے لیے لیکن ہاں مارنا بہت آسان ہے، اس کے لیے اب ہتھیاروں کی ضرورت نہیں پڑتی، لوگ باتوں اور غلط فیصلوں سے بھی مار دیتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ایک دم سرد مہری اتر آئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں ابا آپ سو جائیں۔'' یہ آخری بات تھی جو اس نے مسکراتے ہوئے کہی تھی۔ ابا کو اس کا مسکرانا احساس جرم میں مبتلا کر گیا تھا۔ سر جھکائے وہ اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

☆.....☆

''راستہ بدلنے کے لیے ہم نہ بھی آمادہ ہوں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تب بھی وقت اور حالات ہمارا سر جھکا دیتے ہیں۔"
اس نے شیشے میں اپنا آپ دیکھا اور سر جھکا لیا۔
اماں دروازہ کھول کر اندر آئی تھیں۔ آج تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ان کی اکلوتی بیٹی چودھریوں کی بہو بننے جا رہی تھی۔ اماں نے اس کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالی تھیں۔
"کبھی کبھار ایک انسان کی خوشی کئی انسانوں کے دکھ کی وجہ بن جاتی ہے۔" اس نے ایک لمبا سانس لیا۔
"اماں میت کو دفنانے سے پہلے سجاتے کیوں ہیں؟" اس نے پلنگ پر بکھری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔
اماں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
"میت!" انہوں نے زیرِ لب دہرایا۔
"آپ کو رحیمہ یاد ہے؟" اسے بائیس سالہ رحیمہ کا معصوم چہرہ یاد آیا تھا۔ جس نے والدین کی بات ماننے کے بجائے محبت کے سامنے سر جھکا کر موت کو گلے لگانا پسند کیا تھا۔
"اسے بھی تو لال جوڑے میں ہی دفنایا تھا نا؟ میت صرف وہی نہیں ہوتی اماں جس کی سانسیں رک جائیں، قبر کھود کر باقاعدہ جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، کچھ میتیں لال جوڑے میں بھی دفن ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے اماں کہ یہاں سانس تو جاری ہے لیکن دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہے، دفنانے کے لیے قبرستان کے بجائے قبر ایک گھر سے دوسرے گھر میں بنائی جا رہی ہے۔" اس کے دل کا درد لہجے اور چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔
"وہ تجھے بہت خوش رکھیں گے بہت پیسہ ہے ان کے پاس۔" اماں کی طرف سے ایک دلیل آئی تھی۔
"پیسہ خوشیاں دے سکتا تو دنیا کا ہر امیر انسان ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا ہوتا، خوش رہنے کے لیے دل کا سکون اہم ہے اماں جو مجھے صرف وقار کے ساتھ ملتا لیکن....." بات ادھوری چھوڑ کر وہ تھک کر پلنگ کی پائینتی پر بیٹھی تھی۔ ضبط کرتے کرتے بھی انسان تھک جاتا ہے، یہ تھکن جسم سے زیادہ روح اور دل کو گھائل کرتی ہے۔
"لوگ غلط کہتے ہیں کہ محبت نفرت کو ختم کر دیتی ہے یہاں نفرت نے محبت کو چاروں شانے چت کیا ہے، دو انسانوں کی بچپن کی محبت، جذبات، خوشیاں سب کچھ کھا گئی ہے یہ نفرت۔"
اس نے بات کرتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا تھا جن کے چہرے پر خوشی کی جگہ شرمندگی نے لے لی تھی۔
"ہم سوچتے ہیں کہ ہم نے بیٹی کو اس کا حق دینا شروع کر دیا ہے، غلط، زمانے نے ترقی کر کے بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کے نئے طریقے ڈھونڈ لیے ہیں اماں کہیں پہ بیٹی خواہشات کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے تو کہیں خود ساختہ نفرت کے گہرے گڑھے میں پھینک دی جاتی ہے، ہم نے صرف طریقہ بدلا ہے اماں رواج تو وہی ہے۔" پلنگ کی پائنتی پر بیٹھی فوزیہ کے چہرے کی تکلیف اماں کو بے چین کر گئی تھی۔
"فوزیہ۔" اماں نے روتے ہوئے دلاسہ دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا لیکن.....!!
"کیا فرق پڑتا ہے اماں! میں نہ مرتی تو تم مر جاتیں۔ جب ہر صورت کسی نہ کسی ایک کو مرنا ہے تو میں ہی سہی۔"
فرق صرف یہ تھا کہ رحیمہ کی سانسیں بند ہو گئی تھیں۔ فوزیہ کی سانسیں چل رہی تھیں مگر وہ جیسے زندہ قبر میں اتر گئی تھی۔ نفرت نے محبت کو شکست دے دی تھی۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سیما شاہد

لے جا رکے جانان

وہ بند دروازے پر کھڑا غصے سے دروازے کو گھور رہا تھا۔ اس کا ارادہ دروازہ کھلوا کر اس اجنبی لڑکی کی کلاس لینے کا تھا جو اس انیکسی میں گھس آئی تھی۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ لڑکی انیکسی میں مہمان ٹھہری ہوئی ہے، ظاہر سی بات ہے اول تو کبھی روحان نے گھریلو معاملات اور گھر میں کون آ جا رہا ہے اس میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ دوسرا شاہینہ بیگم نے علیزے کی موجودگی کا ذرا سا بھی علم نہیں ہونے دیا تھا۔ روحان کو تو ایسے میں اگر وہ اس لڑکی کی موجودگی سے ان سیکیور محسوس کر رہا تھا تو وہ اپنی جگہ درست ہی تھا۔ زیادہ غصہ اس بات کا بھی تھا کہ ایک انجان

لڑکی نے اس کی پرائیویسی میں دخل اندازی کی تھی۔
''مام بھی کیسے کیسے ملازم رکھ لیتی ہیں؟'' وہ بڑبڑایا اور زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔
ملازم! انسان کبھی کبھی کتنا بے خبر ہو جاتا ہے نا، اپنوں میں غیروں کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ رشتوں کی خبر نہ ہو تو یونہی غیریت کا احساس حاوی ہو جاتا ہے۔
''دروازہ کھولو ورنہ میں اسے توڑ دوں گا پھر تمہاری خیر نہیں ہوگی اور جو تمہارے ساتھ ہوگا وہ پوری دنیا دیکھے گی۔''
وہ غصے سے دہاڑا۔
کمرے میں بند علیزے کا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔ اس کا پورا وجود پسینے میں شرابور ہو گیا۔
''یا اللہ! یہ کہاں آ گئی ہوں میں جو کہنے کو تو میرے اپنے ہیں لیکن یہاں غیر ہونے کا اتنا شدید احساس ہے کہ مجھے

قسط نمبر 3

اپنے تحفظ کی فکر لاحق ہو چکی ہے۔ یا اللہ! میری عزت کی حفاظت کیجیے۔'' وہ آنکھیں بند کیے، شور مچاتے دل پر ہاتھ رکھے محو مناجات تھی۔ اللہ سے بڑھ کے کوئی مددگار نہیں، وہ جانتا ہے بے کسوں کے دل کے حال کو، اللہ کبھی اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔

اس سے پہلے بند دروازے کے پار کھڑا روحان غصہ میں آ کر وہ دروازہ توڑ دیتا اور تنفر میں ڈوبے اپنے الفاظ کو حقیقت کا روپ دیتا، اس کا سیل فون بج اٹھا۔

''مام کالنگ!'' شاہانہ بیگم کی کال دیکھ کر وہ پیچھے ہوا اور اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

''روحان کہاں ہو تم؟'' شاہانہ بیگم کی سخت آواز ابھری تھی۔

یہ سختی کسی کی راہ کی نرمی بنی تھی۔

''مام میں..... میں.....'' وہ چپ ہوا کہ انہیں ایسا کیا جواب دے کہ وہ مطمئن ہو جائیں۔ ظاہر ہے انہوں نے پوچھنا تھا کہ وہ اس وقت انیکسی میں کیا کر رہا تھا جبکہ اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا اب ظاہر ہے کہ وہ شاہانہ بیگم کو اپنے منہ سے یہ تو بتا نہیں سکتا تھا کہ کس کے ساتھ وہ انیکسی میں آیا تھا۔

''کیا میں، میں لگا رکھی ہے؟ وقت دیکھا ہے کیا ہو رہا ہے؟ سلمان صحیح کہتے ہیں تم اس شوبز کے چکر میں ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہو۔'' وہ جو بہت دیر سے اس کا انتظار کر رہی تھیں، تپ کر بولی تھیں اور یہ بولتے ہوئے بھول گئی تھیں کہ شوبز سے زیادہ تو ان کی ڈھیل روحان کے سر پر چڑھ کے بول رہی تھی۔

''میں گھر میں ہی ہوں موم! پلیز یہ فضول کا میلوڈرامہ بند کریں۔'' وہ اکھڑ انداز میں بولا۔ صفائیاں دینا اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔

''روحان! تمہاری گاڑی تو ایک گھنٹے سے ڈرائیو وے میں کھڑی ہے لیکن تم خود کدھر ہو؟ سیدھی طرح بتاؤ؟'' وہ بھی اس کی ہی ماں تھیں اور ایک انجانا سا خدشہ جس کے تحت انہوں نے علیزے کو انیکسی میں محصور کر رکھا تھا اس وقت بام پر تھا۔

''میں اپنے روم میں ہی ہوں مام، یار کیوں تنگ کر رہی ہیں۔'' وہ الجھا تھا۔ اتنی تفتیش تو شاہینہ بیگم نے کبھی نہیں کی تھی۔

''اوکے بیٹا میں وہیں تمہارے روم میں آ کر بات کرتی ہوں۔'' انہوں نے فون رکھا۔

روحان کے پاس اس وقت اس لڑکی سے سوال جواب کا ٹائم نہیں تھا۔ وہ اسے پھر کسی اور وقت دیکھنے کا ارادہ کر کے تیزی سے انیکسی کی پچھلی طرف سے دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوا اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اندر آ کر اس نے جلدی سے اپنے جوتے اتارے اور بیڈ پر لیٹ کر منہ تک چادر اوڑھی ہی تھی کہ دروازہ کھلا اور شاہانہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

''روحان!'' انہوں نے پکارا۔

''یہ تم لائٹ جلا کر کب سے سونے لگے ہو؟'' شاہانہ بیگم آج مکمل سی آئی ڈی بنی ہوئی تھیں۔

''اف! میں لائٹ بند کرنا کیسے بھول گیا؟'' اس نے خود کو کوسا۔ جلدی جلدی میں وہ چوک گیا تھا۔

''روحان!'' وہ نزدیک آئیں۔

''مام! پلیز سونے دیں بہت تھک گیا ہوں اور پھر صبح آفس بھی جانا ہے۔'' وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ آفس کی بات بھی اس لیے کی کہ شاہانہ اپنی تفتیش بند کر دیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اوکے! سو جاؤ صبح بات کرتی ہوں۔'' وہ لائٹ آف کر کے دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ آفس نام کا جادوئی لفظ کام کر گیا تھا۔ روحان نے شکر کی سانس لی۔

''تھینک گاڈ! اٹس اوور!'' وہ چھت کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ تب ہی اس انیکسی والی لڑکی کا خیال دوبارہ سے آیا۔

''کون تھی وہ لڑکی؟'' اسی کشمکش میں وہ پھر سے الجھ گیا تھا یہاں تک کہ نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوگئی اور وہ کہتے ہیں نا سارے غم بس نیند سے پہلے تک ہیں۔

☆.....☆

روحان جب تک دروازے پر کھڑا رہا علیزے کی جان حلق میں اٹکی رہی۔ اس کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے، احسان ہے، تو نے مجھے اس عیاش مرد سے بچالیا۔'' اس نے شکر ادا کیا۔ وہ آج بہت سہم گئی تھی اس نے بھلا کہاں زندگی کا ایسا بھیانک روپ دیکھا تھا جہاں رشتوں کی کوئی قدر کوئی اہمیت نہیں تھی۔

بستر درست کر کے اس نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رہ رہ کر اس کی نگاہوں میں وہی منظر جب وہ لڑکا اس لڑکی کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

''مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ کل کو خدانہ کرے اگر میرے ساتھ کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو.....!'' اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا اوپر سے روحان کے کہے گئے الفاظ اب تک سماعتوں میں زندہ تھے۔

''میں کل ہی تایا ابو سے بات کر کے ہاسٹل چلی جاؤں گی۔ جب اس گھر میں یوں چوروں کی طرح رہنا ہے تو پھر ہاسٹل ہی ٹھیک ہے۔ کم از کم وہاں کوئی آ کے مجھ پر یوں جبر تو نہیں کر سکتا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

وہ کالج سے واپسی پر تایا ابو سے مل کر ہوسٹل شفٹ ہونے کی بات کرنے کا پکا ارادہ کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

حسب معمول فجر کی اذان سنتے ہی اس نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ اپنے روزمرہ کے معمولات نمٹا کر سفید شلوار کے اوپر برنٹڈ آسمانی رنگ کا کرتہ پہنے شانوں پر سلیقے سے سفید کروشیا کے کام والا نفیس سا دوپٹہ پھیلائے اپنے لمبے بالوں کی چٹیا بنا کر بیگ کاندھے پر لٹکائے کالج جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

بس سے اتر کر وہ چلتی ہوئی کالج کے احاطے میں داخل ہوئی۔ کئی اسٹوڈنٹس ٹولیاں بنا کر خوش گپیوں میں مصروف تھے وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے اوپر کاریڈور میں جانے کے لیے مڑی تھی۔ گوسپس کرنا اس کی عادت تھی ہی نہیں اور اتنی جلدی وہ کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی اس لیے کلاس میں جانے کی جلدی تھی۔

''علیزے!''

''علیزے کی بچی!'' ایک خوش شکل لڑکی دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

''کانوں میں روئی ٹھونس کر آئی ہو کیا؟ کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔'' اس نے نزدیک آ کر خفگی سے علیزے کو دیکھا۔ یہ ماہی تھی اس کی کلاس فیلو اور واحد دوست جو اس نے بنائی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' ماہی نے سوال کیا۔

''کلاس میں اور کہاں۔'' علیزے نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''علیزے تمہارا دھیان کہاں رہتا ہے آج بتا ہی دو۔'' ماہی نے دانت پیسے تھے۔

''کیوں کیا ہوا؟ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' علیزے پریشان ہوئی۔

''مس علیزے سلیم آج سے اسٹوڈنٹ ویک شروع ہو رہا ہے کلاسز نہیں ہوں گی۔'' اس نے یاد دلایا۔
''اوہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا خواہ مخواہ کالج آئی۔'' علیزے نے سر پر ہاتھ مارا۔
''چلو اوپر لیب میں چل کر افتخار سر کے نوٹس بنا لیتے ہیں۔'' ماہی کو بھی اسپورٹس سے کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ وہ دونوں سیڑھیاں چڑھتی ہوئی دوسری منزل پر پہنچیں جب علیزے نادانستگی میں سامنے سے آتے سینئر ایئر کے چار اسٹوڈنٹس کے گروپ سے ٹکرا گئی۔
''سوری!'' علیزے نے سامنے کھڑی لمبی سی لڑکی سے معذرت کی اور آگے بڑھی ہی تھی کہ ان تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کے گروپ نے اسے اور ماہی کو گھیر لیا۔
''فرسٹ ایئر!'' ایک لڑکی نے سوال کیا۔
''جی!'' ماہی نے جواب دیا۔
''ہم اچھی بات ہے اب تم ہم سے ٹکرائی ہو تو اس کی سزا تو تمہیں ضرور ملے گی۔'' سوال پوچھنے والی لڑکی کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔
''میں نے آپ سے سوری کیا تو ہے پھر آپ فضول میں بات کیوں بڑھا رہی ہیں۔'' علیزے نے آگے بڑھنا چاہا لیکن اس کی یہ کوشش ان لڑکیوں نے ناکام بنا دی۔
''سنو لڑکی! تم جیسے فریشرز کو سینئر سزا دیتے رہتے ہیں اور تم جیسے جونیئرز وہ کرتے ہیں جس کا حکم ہم سینئرز دیتے ہیں انڈر اسٹینڈ۔'' دوسری لڑکی جو قد میں ذرا لمبی تھی، اس نے انہیں سمجھایا۔
''اوکے! بتائیں کیا سزا ہے اور پھر ہماری جان چھوڑیں۔'' ماہی نے تنگ آ کر کہا۔
''ٹکرائی یہ تھی تو ڈیئر بھی اسے ہی پورا کرنا ہوگا۔'' اس لڑکی نے علیزے کی طرف اشارہ کیا۔
''بولیں کیا کرنا ہے؟'' علیزے نے پوچھا۔ وہ جلد از جلد معاملہ نمٹانا چاہتی تھی تاکہ پڑھائی کر سکے۔
''اس سیڑھی سے اس کاریڈور کی طرف آنے والا پہلا انسان چاہے فیمیل ہو یا فی میل اسٹوڈنٹ ہو یا ٹیچر تمہیں اسے یہ گلاب کا پھول دے کر آئی لو یو بولنا ہے۔'' اس لمبی لڑکی نے پاس پڑے گملے سے پھول توڑا۔
''نہیں! نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔'' علیزے گھبرا کر پیچھے ہوئی۔ ایسی بے باکی تو اس نے خواب میں بھی نہ سوچی تھی۔
''اوکے مس شرمیلی! اگر تم یہ نہیں کر سکتیں تو چار ہزار نکالو ہم چاروں کے لیے یہ تمہاری پینلٹی ہے۔'' ساتھ کھڑا لڑکا بڑے آرام سے ریلنگ پر اچک کر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''کم آن علیزے! سوچ کیا رہی ہو انہیں پیسے دو اور جان چھڑاؤ۔'' ماہی نے اسے کہنی ماری۔
''میرے پاس اتنے سارے پیسے نہیں ہیں۔'' علیزے لب کچلتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔
''چچ! اگر پیسے نہیں ہیں پھر تو تمہیں یہ شرط ہر حال میں پوری کرنی ہوگی ورنہ مس شرمیلی لکھ لو اس سیمسٹر میں ہم تمہیں کوئی بھی کلاس لینے نہیں دیں گے۔'' انہوں نے مذاق میں اسے دھمکایا اور وہ سچ سمجھ کر واقعی میں بہت ڈر گئی۔
''گرلز قدموں کی آواز آ رہی ہے کوئی اوپر آ رہا ہے۔'' وہ لڑکا جمپ لگا کر ریلنگ سے اترا۔
''جاؤ شاباش اپنی شرط پوری کرو۔'' وہ اسے دھکا دیتے ہوئے سامنے کھلی لیب میں گھس گئے۔
علیزے نے ہمت کر کے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی آنکھیں زور سے بند کی اور اندازے سے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سیڑھیوں کی طرف بڑھی ہی تھی کہ لمبی لڑکی تیزی سے لیب سے باہر نکلی۔
''بدھو! یہ پھول تو پکڑو۔'' اس کے ہاتھ میں زبردستی گلاب کا پھول پکڑا کر وہ واپس اندر چلی گئی۔ قدموں کی آواز اب قریب آتی جا رہی تھی جو بھی تھا وہ نزدیک آ چکا تھا۔
علیزے نے آنکھیں میچ کر اندازے سے گلاب آگے بڑھایا اور تیزی سے بولی۔
''آئی لو یو!''
برانڈڈ جینز کے اوپر اسپورٹس ٹی شرٹ میں ملبوس، لمبا چوڑا ورزشی جسامت کا حامل حمزہ شہباز جو تیزی سے اوپر آ رہا تھا۔ اپنے سامنے آنکھیں میچے گلاب کا پھول آگے بڑھائے اس نازک سی گلابی گلابی سی لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس نے اچنبھے سے مقابل پر نگاہیں ڈالیں اور یہ نگاہ ڈالنا ہی جیسے غضب ہوا تھا۔ لرزتے کپکپاتے لب، گھنیری سیاہ جھکی پلکیں وہ لڑکی حسن کا شاہکار تھی۔ وہ بڑی دلجمعی سے اسے دیکھ رہا تھا ایک لمحے کو جیسے اس کے حسن و جمال میں کھو سا گیا تھا۔ جب اس کی نظر لیب کے دروازے سے جھانکتے ہوئے اپنے دوستوں پر پڑی۔
''ایکسکیوزمی مس!'' اس نے ساکت کھڑی علیزے سے ایک طرف ہونے کی ریکوئسٹ کی۔ علیزے نے جھٹ آنکھیں کھولیں، نگاہوں کا تصادم ہوا۔ حمزہ اس کے سائیڈ پر ہونے کا منتظر تھا۔ وہ خفت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ راستے سے ہٹی۔
''اچھا! تو یہ سب شرارت تم لوگوں کی ہے۔'' اس نے ان چاروں کو گھورا۔ پل میں ہی میں وہ سارا معمہ حل کر چکا تھا۔
''کیوں استقبال اچھا نہیں لگا کیا؟'' لمبی لڑکی نے شرارت سے پوچھا۔
''کیا بدتمیزی ہے یار؟ اتنے نازک لوگوں کی جان کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو؟'' اس نے لیب کا دروازہ پورا کھولا اور پھر پلٹ کر علیزے کو دیکھا۔
''مس! آپ لوگ یہاں سے جائیں اپنا کام کیجیے۔'' اس نے ماہی اور علیزے کو وہاں سے جانے کی اجازت دی جو آزادی کا پروانہ پاتے ہی وہاں سے فوراً نکل گئی تھیں۔ علیزے کی نازک کمر پر جھولتی گھنی سیاہ لمبی چوٹی اس کی نظروں کی گرفت میں تھی۔
''اور تم لوگ سدھر جاؤ۔ کسی کی سیلف رسپیکٹ کا ہی لحاظ کر لیا کرو۔'' انہیں گھور کے سناتا ہوا وہ لیب میں داخل ہو چکا تھا۔
دوسری طرف ماہی، علیزے سے کہنے لگی۔
''شکر کرو اس لڑکے نے شرافت کا مظاہرہ کیا ورنہ لڑکے تو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔''
''خدا گواہ ہے میں نے اپنی مرضی سے یہ سب نہیں کیا تھا۔'' علیزے نے دلگرفتی سے کہا۔ اس شہر میں سب انوکھا تھا، سب اتنا الگ تھا کہ علیزے ہر روز حیران رہ جاتی تھی لیکن ہاں وہ حمزہ شہباز کی شکر گزار بھی ہوئی جس نے اس کی مجبوری کا فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

☆.....☆

سلیمان صاحب پائیں باغ میں بیٹھے شاہانہ بیگم کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کتنے دنوں کی مصروفیات کے بعد آج وہ اس وقت گھر پر تھے۔ شاہانہ بیگم مسکراتے ہوئے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

انہیں سینڈوچز سرو کر رہی تھیں جب سامنے سے علیزے آتی ہوئی نظر آئی۔
''السلام علیکم!'' اس نے نزدیک آ کر دونوں کو سلام کیا۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹی؟'' سلیمان صاحب نے پرجوش انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا۔
''آؤ بیٹھو بیٹی! بیگم علیزے بٹیا کے لیے بھی چائے منگوائیں۔'' انہوں نے علیزے کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتی ہوئیں شاہانہ بیگم کو دیکھا جنہیں اس وقت علیزے کی آمد بالکل پسند نہیں آئی تھی۔
''نہیں انکل میں چائے پی کر آئی ہوں بس آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' علیزے نے انہیں روکا۔ وہ شاہینہ بیگم کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی اس لیے بات کر کے فوراً چلی جانا چاہتی تھی۔
''اچھا! یہ سینڈوچ تو ٹرائے کرو تمہاری آنٹی نے بنایا ہے۔'' انہوں نے زبردستی اس کے ہاتھ میں پلیٹ پکڑائی۔
''علیزے کوئی خاص کام تھا جو تم اس وقت یہاں آئی ہو؟'' شاہانہ بیگم نے ناگواری سے پوچھا پھر خود پر جمی سلیمان صاحب کی نگاہیں دیکھ کر گڑبڑا گئیں۔
''میرا مطلب ہے یہ وقت تو تمہارا پڑھائی کرنے کا ہوتا ہے نا۔'' انہوں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ جو بھی تھا وہ سلیمان صاحب کے سامنے علیزے کو کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔
''تایا ابو! کیا آپ مجھے ہاسٹل شفٹ کر سکتے ہیں؟'' علیزے نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میز پر رکھ کر بات شروع کی۔
''ہاسٹل!'' وہ حیران ہوئے۔
''مگر کیوں، کیا یہاں تمہیں کسی نے کوئی تکلیف دی ہے۔ کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔
''علیزے! تم ہاسٹل کیوں جانا چاہتی ہوں؟'' شاہانہ بیگم نے سوال کیا حالانکہ دل میں تو ان کے علیزے کے جانے کا ارادہ سن کر لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ ان کے دل کی مراد جو پوری ہونے لگی تھی۔
''بس آنٹی ایسے ہی! میں نے پہلے ہی آپ کی مہمان نوازی کا بہت فائدہ اٹھا لیا ہے۔ اب اچھا نہیں لگتا اور پھر ہاسٹل کالج کے پاس ہوگا تو آنے جانے میں بھی وقت سیف ہوگا۔ سب سے بڑی بات میں کمپائن اسٹڈی کر کے اپنے گریڈز مین ٹین کر سکوں گی۔'' اس نے نرمی سے اپنی بات کہی تھی۔ اب وہ اصل بات بتاتی تو سلیمان صاحب کا تو پتا نہیں لیکن شاہینہ بیگم نے اسے دو کوڑی کا نہیں چھوڑنا تھا۔
''ارے نہیں گڑیا! کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ یہ گھر تمہارا بھی اتنا ہی ہے جتنا روحان یا انیتا کا ہے۔ مانا کہ کچھ دنوں سے بزنس کی مصروفیات کی وجہ سے میں تمہیں ٹائم نہیں دے پا رہا لیکن تم اس طرح اپنے تایا ابو کا گھر چھوڑ کر ہاسٹل میں رہو یہ مجھے گوارا نہیں اور نہ ہی میں اس کی اجازت دوں گا۔ بیگم آپ سمجھائیں اسے۔'' انہوں نے بات ختم کر کے شاہانہ بیگم کو دیکھا جو اس تایا بھتیجی کی محبت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہی تھیں۔
''علیزے تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ ہمیں تمہارا یہاں رہنا برا لگتا ہے؟ میں نے تمہیں الگ سے انیکسی دی، کچن دیا کہ تم آرام و سکون سے ڈسٹرب ہوئے بغیر دل لگا کر پڑھ سکو اور تم یہ صلہ دے رہی ہو؟'' وہ مصنوعی ناراضی سے گویا ہوئیں جب کہ دل تو اسے ابھی کے ابھی ہاتھ پکڑ کر باہر نکالنے کا کر رہا تھا۔
''نہیں آنٹی میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔'' علیزے ان کا ترش انداز دیکھ کر گھبرا گئی۔
''علیزے بیٹی! آپ کہیں نہیں جا رہی ہیں۔ اب جائیں آرام کریں۔'' سلیمان صاحب نے اسے ٹوکا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''تایا ابو! پلیز میرا یہاں رکنا بہت مشکل ہے۔'' علیزے نے سمجھانا چاہا۔
''بیٹا اگر تم اس طرح ہاسٹل شفٹ ہوگی تو میرے ساتھ ساتھ سلیم اور زیبا کو بھی بہت دکھ ہوگا جہاں نازک رشتے ہوتے ہیں وہاں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانے ہوتے ہیں ورنہ ان میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔''
''لیکن تایا ابو.....!!'' علیزے جھنجھلا گئی۔ جن رشتوں کی وہ بات کر رہے تھے وہ صرف نام کے تھے، ان سے جڑے احساس تو علیزے کو کبھی میسر ہی نہیں ہوئے تھے۔
''بس اب مزید کچھ نہیں آپ کہیں نہیں جا رہی ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتے ہوئے بات ختم کی۔ علیزے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆.....☆

شام سے طوفانی بارش اور ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ انیکسی میں اکیلی اس موسم سے گھبرا رہی تھی۔ اسے اپنا اسائنمنٹ بھی تیار کرنا تھا۔ کتابیں پھیلائے وہ پوائنٹس نوٹ کر رہی تھی جب اچانک سے لائٹ چلی گئی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی یہاں کوئی موم بتی وغیرہ بھی نہیں تھی ویسے بھی جب سے وہ یہاں آئی تھی اس نے ادھر لوڈشیڈنگ نہیں دیکھی تھی۔
نو بج رہے تھے۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور انیکسی میں اکیلے رکنے کا خیال ہی اس کو ڈرا رہا تھا۔ تنگ آ کر اس نے کتابیں بند کیں اور اپنا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔ اس کا رخ گھر کے اندرونی حصے کی طرف تھا وہ سبک رفتاری سے چلتی ہوئی اندر لیونگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے ہی شکورن بوا دروازے کھڑکیاں بند کر رہی تھیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بوا!'' علیزے نے انہیں پکارا۔
''علیزے بیٹا! آپ اس وقت سب ٹھیک تو ہے؟'' وہ اسے دیکھ کر پریشان ہوئیں کہ علیزے رات میں کبھی بھی ادھر نہیں آتی تھی۔
''بوا! ادھر انیکسی میں بجلی نہیں ہے شاید لائٹ چلی گئی ہے۔'' اس نے لاؤنج میں جلتے ہوئے بیش قیمت فانوس کو حیرت سے دیکھا۔
''بٹیا اس علاقے میں لائٹ نہیں جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے فیوز اڑ گیا ہو۔ ایسا کریں آپ ادھر آرام سے بیٹھیں میں چوکیدار سے کہہ کر الیکٹریشن کو بلوا کر دکھاتی ہوں۔''
''بوا! وہ آنٹی کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔
''بڑی بیگم اور صاحب دعوت میں گئے ہیں۔ رات گئے آئیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں آرام سے بیٹھیں میں سب ٹھیک کروا کر آتی ہوں۔'' وہ شفقت سے اسے سمجھاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔
علیزے نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک صوفہ منتخب کیا اور پاس پڑا میگزین اٹھا کر ورق الٹ پلٹ کرنے لگی۔
''صادق صاحب! میرے سیکریٹری کا نمبر تو ہوگا آپ کے پاس؟ آپ اس سے ڈیٹ سیٹ کیجیے۔'' اوپر سے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے روحان نے فون بند کر کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے فہد کو گھورا۔
''یار مجھے کیوں گھور رہے ہو، میرا کیا قصور ہے؟'' فہد نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔
''میری سمجھ میں نہیں آتا آخر لوگوں کو میرا نمبر ملتا کہاں سے ہے اس ماہ دو بار نمبر بدلوا چکا ہوں۔'' وہ جھنجھلایا ہوا

تھا۔
''غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا اس لیے موڈ فریش کرو۔ میں گاڑی نکالتا ہوں جلدی سے ٹھنڈا پانی پی کر آؤ ں پھر پریس کانفرنس میں چلتے ہیں۔'' فہد نے اسے مشورہ دیا اور باہر نکل گیا۔
فہد کے جانے کے بعد روحان نے کچن کا رخ کیا۔ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی پانی پینے کے بعد وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے ایک گلابی آنچل لیونگ روم میں لہراتا ہوا نظر آیا۔ وہ تجسس میں آگے بڑھا سامنے ہی ایک لڑکی سر جھکائے میگزین پر نظریں گاڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے گھنے بال اور گلابی دوپٹہ پنکھے کی ہوا سے اڑ رہا تھا۔
روحان کو ایک مانوس سا احساس اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا وہ اس گلابی آنچل کی نرماہٹ کو محسوس کرے۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں اس کے نزدیک آ کر کھنکھارا۔
روحان کے کھنکھارنے کی آواز سن کر علیزے نے سر اٹھایا۔ وہ اسے دیکھ کر سب بھول گیا تھا۔ یہ سفید کتابی چہرہ گلابی گال اور ان گالوں پر سایہ فگن گھنیری پلکوں کا جال، ماتھے پر ابھرتے ننھے ننھے پسینے کے قطرے۔
یہ تو وہی پری وش تھی جو اس کے خوابوں میں آتی تھی۔ جسے پانے کی چاہ نے اس کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ اپنے تخیل کو یوں اس طرح زندہ جاوید اپنے سامنے دیکھ کر روحان کے جذبات عجیب سے ہو رہے تھے۔ علیزے اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح وہاں سے غائب ہو جاتی۔ اس سے پہلے روحان کی بے اختیاری کسی گستاخی کا مرتکب ہوتی باہر اس کا انتظار کر کے تنگ آ کر فہد اندر داخل ہوا اور اسے اس طرح دیکھ کر تیر کی طرح اس کے پاس آیا اور بازو سے پکڑ کر کونے میں لے گیا۔
''کیا کر رہا ہے یار؟ وہ ڈر رہی ہے۔'' فہد نے اسے ٹوکا جس کی نظریں ابھی بھی اس دشمنِ جاں پر جمی ہوئی تھیں۔
''یہ..... یہ لڑکی کون ہے؟'' روحان نے سوال کیا۔
''تم آن یار اس لڑکی کو تو کیسے بھول سکتا ہے۔'' فہد نے اسے گھورا۔
''کیوں یہ کیا کوئی گرل فرینڈ ہے میری جو میں اسے نہیں بھول سکتا؟'' روحان نے ابرو اچکا کر پوچھا۔
علیزے کا چہرہ ''گرل فرینڈز'' پر خفت سے سرخ پڑا۔
''میرا وہ مطلب نہیں تھا یار۔'' فہد خجل ہوا۔
''یہ لڑکی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں پہلے بھی اس سے کہیں مل چکا ہوں۔'' روحان کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔
علیزے تو اس کی بات سن کے ہی ہونق سی ہو گئی۔
''بھائی صاحب! آپ کس دنیا میں رہتے ہیں؟ یہ آپ کے گھر میں ٹھہری ہوئی ہے اور محترم کو پتا ہی نہیں۔'' فہد نے اسے گھورا۔
''یہ..... یہ لڑکی میرے گھر میں، یہاں اس گھر میں رہتی ہے؟'' روحان حیران ہوا کہ اس چہرے نے تو اس کی نیندیں اڑائی ہوئی تھیں اور وہ کتنا بے خبر تھا جو اسے ہر جگہ کھوج رہا تھا۔
''جی ہاں! یہ تمہارے گھر میں ہی رہتی ہے سوات سے آئی ہے۔ مجھے سلیمان انکل نے بتایا تھا۔'' فہد اس کی لاعلمی پر سر دھنتا ہوا بولا۔ روحان ویسے بھی اتنا مصروف رہتا تھا کہ اسے گھر میں کون آتا ہے کون جاتا ہے اس سب کی خبر نہیں ہوتی تھی۔
''سوات سے! اوہ گاڈ یہ سلیم چچا کی بیٹی ہے۔'' وہ چونکا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

''سلیم چچا کا تو مجھے نہیں پتا لیکن یہ وہی لڑکی ہے جس کے اوپر آپ اس دن نشے میں دھت گرے تھے اور میڈیا میں اسے اور آپ کو لے کر اچھی خاصی کنٹروورسیز ہوئی تھیں جنہیں آنٹی جی نے ہینڈل کیا تھا۔'' فہد نے اسے یاد دلایا۔

''اچھا..... اچھا تو یہ وہ لڑکی ہے بقول موم میری منکوحہ۔'' وہ مسکرایا۔

''منکوحہ!'' علیزے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دل سکڑ کے جیسے رک سا گیا۔

''اب یہ کونسا ڈراما تھا؟''

''یار! خدا کا خوف کرو وہ تو آنٹی نے اس دن تمہیں اسکینڈل سے بچانے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔'' فہد نے اسے ٹوکا۔

''اس لڑکی سے تو مجھے پرسنلی ملنا پڑے گا تو ایک منٹ باہر جا کر میرا انتظار کریں بس ابھی آیا۔'' روحان دلچسپی سے علیزے کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔ فہد تاسف سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا لڑکیوں سے دور بھاگنے والے اکھڑ مزاج روحان کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا۔

علیزے جو روحان کی نظروں سے الجھ چکی تھی دم سادھے چپ چاپ سر جھکائے میگزین پر نظریں گاڑے اس کے یہاں سے جانے کا انتظار اور بوا کے آنے کی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ دوبارہ اس کے قدموں کی دھمک اپنے نزدیک آتے سن کر سانس روک کر بیٹھ گئی۔

''ہیلو بیوٹی فل! میں روحان تمہارا کزن۔'' اس نے علیزے کی جھکی نظروں کے آگے اپنا بھاری مردانہ ہاتھ پھیلایا۔

برانڈڈ جینز کے اوپر لیوس کی ٹی شرٹ پہنے، گلے میں بھاری چین، کھلا گریبان ایک ہاتھ میں اسمارٹ واچ اور دوسرے میں قیمتی بینڈز پہنے مشہور راک اسٹار روحان اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

''کم آن! ہینڈ شیک تو کرلو۔'' روحان نے اسے روکا۔ وہ تو اسے ایک پل کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

''سوری! میں نامحرم مردوں سے ہاتھ نہیں ملاتی۔'' وہ اسے دوٹوک جواب دے کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

روحان گہری نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''ہر لڑکی راک اسٹارز سے امپریس نہیں ہوتی کچھ کے لیے ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی۔ واؤ! یہ بات اس لڑکی نے ثابت کردی ہے تمہیں گھاس نہ ڈال کر۔'' فہد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں گھاس کھاتا بھی نہیں ہوں ویسے بھی جو لڑکیاں اس طرح جان بوجھ کر نظر انداز کر کے اپنی قدر اپنی ویلیو بڑھانے کی کوشش کرتی ہیں انہیں پانا بہت آسان ہوتا ہے بس تھوڑا گھاس ڈالنے کی دیر ہے دیکھنا پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں گرے گی یہ مس سوات۔'' وہ نخوت سے بولتے ہوئے باہر نکل گیا۔

پیچھے فہد افسوس سے سر جھٹک کے رہ گیا تھا۔ علیزے سلیم اس کے تمام اندازوں پر پانی پھیرنے والی ہے، یہ بہت جلد پتا چل جانا تھا روحان سلمان کو۔

☆.....☆

حمزہ شہباز ہاتھ میں کافی کا بڑا سا مگ تھامے ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ ٹاک شو تو کب کا ختم ہو چکا تھا اور اب وہاں خواتین کے ٹوٹکے ٹائپ پروگرام چل رہا تھا مگر حمزہ شہباز کا ذہن تو اسی کالج والی لڑکی کے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

خیالوں میں بھٹک رہا تھا۔
اس دلربا کی لرزتی ہوئی لمبی گھنی پلکیں کپکپاتے ہوئے سرخ ہونٹ گلابی چہرے پر چھائی خفت اس پر اس کا ڈرا سہما ہوا لہجہ۔
''آئی لو یو!'' اس کی سماعتوں میں وہ آواز رس گھول رہی تھی، اس کی نگاہوں میں لمبی پلکوں کے لرزتے سایوں کا عکس اتر رہا تھا۔ اس کے دوستوں کی دل لگی اس کے دل کی لگی بن گئی تھیں۔ وہ سوچوں میں اس قدر گم تھا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب اس کی چھوٹی بہن حورب اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اور اب اس کی غائب دماغی کو نوٹ کر رہی تھی۔
''کون ہے وہ؟'' حورب جو اس سے تین سال چھوٹی تھی اور میڈیکل فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی' نے آرام سے پوچھا۔
''کون؟'' وہ حورب کی آواز سن کر سیدھا ہوا، لہجہ قدرے سنجیدہ بنا لیا۔
''وہی جس کے خیالوں میں آپ اتنا گم تھے کہ آپ کو شو ختم ہونے کا بھی پتہ نہیں چلا۔'' حورب نے جتایا۔
''حورب!'' اس نے سرزنش کی۔
''بھائی پلیز بتائیں نا کون ہے وہ جس نے آپ جیسے اسٹون مین کے دل پر وار کیا ہے؟ اچھا اور کچھ نہیں تو اس پری وش کا نام ہی بتا دیں۔'' اس نے منت کی۔ بہت سی بہنوں کی طرح اسے بھائی کی یہ محویت کسی لڑکی کا معاملہ لگی تھی سو وہ اندازے پر اندازہ لگائے بولے جا رہی تھی۔
''کون پری وش؟ لگتا ہے ممی سے ڈانٹ پڑی ہے جو تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔'' حمزہ نے اس کی بات اڑانے کی کوشش کی۔
''بھائی! مجھے سیدھے سیدھے اس لڑکی کا نام بتائیں جس کے خیالوں میں آپ تین دن سے ڈوبے ہوئے ہیں۔ نہ ایکسرسائز کرنے جم گئے نہ ہی مجھے آئس کریم کھلائی۔'' حورب کے پاس تو پوری رپورٹ تھی، ریسرچ رپورٹ۔ جو اب وہ حمزہ کے گوش گزار کر رہی تھی۔
''فضول باتیں مت کرو۔'' حمزہ نے اسے ٹوکا۔
''یہی تو پرابلم ہے آپ کو ساری باتیں فضول لگتی ہیں۔ پتہ نہیں کب ہمارے گھر میں بھی ڈھولکی بجے گی، کب میری بھابی آئیں گی اور کب آپ کی زندگی میں بہار آئے گی؟'' وہ ناراض ہوئی۔
''بہار تو شاید آ چکی۔'' حمزہ شہباز کے دل نے چپکے سے سرگوشی کی تھی جسے وہ دل کے نہاں خانوں میں چھپاتا حورب کی جانب متوجہ ہوا۔
''حورب! اپنا دماغ ان فضولیات کی بجائے پڑھائی میں لگاؤ۔ اب جاؤ میرے لیے فریش کافی بنا کر لاؤ۔ یہ والی تو تم نے اپنی باتوں میں ٹھنڈی کروا دی ہے۔'' اس نے اپنا کافی کا بھرا مگ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر اسے کمرے سے باہر کیا۔
''میری باتوں نے نہیں، بھابی کے خیالوں نے، اللہ کرے میرے ہونے والی بھابی گن گن کر آپ سے میرے سارے بدلے لے اللہ کرے اسے کافی بنانی نہ آتی ہو۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
حمزہ شہباز کھل کے مسکرایا۔ وہ نازک سا وجود پھر سے نگاہوں میں بسا تھا۔

☆.....☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پورا دن کلاسز لیتے گزرا تھا۔ بڑی مشکل سے پندرہ منٹ کا بریک ملا تو ماہی، علیزے کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے کالج کے کیفے ٹیریا میں لے آئی۔

''پڑھ پڑھ کر سر درد کر رہا ہے اب چائے تو بنتی ہے۔'' ایک میز منتخب کر کے ماہی نے اپنا بیگ کرسی پر رکھ کر علیزے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جلدی کرو اگلی کلاس ڈاکٹر افتخار کی ہے اگر ایک منٹ بھی لیٹ ہوئے تو انہوں نے سب کے سامنے عزت کر دینی ہے۔'' ماہی نے بیگ سے پیسے نکالتی ہوئی علیزے کو ٹوکا یہ ان دونوں کے درمیان طے تھا ایک دن چائے کے پیسے ماہی دیتی تھی اور ایک دن علیزے اور آج علیزے کی باری تھی۔

''ہیلو گرلز!'' ایک پرجوش سی آواز ابھری ماہی اور علیزے دونوں نے دیکھا تو سامنے ان کی کلاس فیلو حورب کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''کانگریچولیشن علیزے! تمہارے فزیو کوئز میں سب سے ہائی مارکس ہیں۔'' اس نے کھلے دل سے مبارک باد دی۔

''تھینکس!'' علیزے نے متانت سے شکریہ ادا کیا۔ وہ پڑھائی میں اچھی تھی، ذہانت میں کسی سے کم نہیں تھی اور یہی بات اب وہ ثابت بھی کر رہی تھی۔

''کیا میں تم دونوں کو جوائن کر سکتی ہوں' وہ کیا ہے نا تم دونوں مجھے بہت ٹیلینٹڈ لگتی ہوں تو کیا خیال ہے ہم تینوں اسٹڈی گروپ بنا لیں۔'' حورب نے سوال کیا۔

''ہاں! ہاں کیوں نہیں! لیکن صرف اسٹڈی گروپ؟'' ماہی نے مسکراتے ہوئے آنکھیں گول گول گھمائیں۔

حورب اس کا مطلب سمجھ کے مسکرائی۔

''تو پھر فرینڈز!'' حورب نے اپنا ہاتھ بڑھایا جس پر علیزے اور ماہی نے بھی اپنا اپنا ہاتھ رکھا۔

''چلو پھر اسی خوشی میں تم سب کو چائے پلواتی ہوں۔'' حورب چہکی۔

''نہیں تم دونوں ادھر بیٹھو آج کی چائے میری طرف سے ہوگی۔'' علیزے انہیں بولتی ہوئی کھڑی ہوئی اور کاؤنٹر کی طرف بڑھی۔ ماہی حورب کا انٹرویو کرنے لگی۔

علیزے تین چائے ٹرے میں رکھ کر پیسے دے کر پلٹی ہی تھی کہ ایک دم دھکا لگنے سے اپنے پیچھے کھڑے لڑکے سے ٹکرا گئی۔ گرم چائے چھلک کر اس لڑکے کے اوپر گری تھی اور اس کی شرٹ پر نقش و نگار بنا گئی تھی۔

''اوہ!'' علیزے نے بے ساختہ ہی منہ پر ہاتھ رکھا، اس بوکھلاہٹ میں ہاتھ میں پکڑی ٹرے بھی زمین بوس ہو چکی تھی۔

حمزہ شہباز جو کینٹین آیا تھا اچانک سے لائن میں آگے کھڑی لڑکی کے مڑنے سے اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا لیکن احتیاط کے باوجود اس کی مہنگی شرٹ پر گرم چائے اپنے نقش و نگار بنا چکی تھی۔

''تم!'' اس نے بھنا کے کچھ سخت کہنے کے لیے نگاہیں اس لڑکی سے چار کیں۔ غصہ سے اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا اور پھر جیسے چاروں طرف باد صبا سی چلنے لگی۔ وہ گھبرائی ہوئی لڑکی وہی تو تھی جو اس کے حواسوں پر سوار ہو چکی تھی۔

''آئی ایم ویری سوری! میں ٹرن ہو رہی تھی تو آپ سے ٹکرا گئی، سوری۔'' علیزے بری طرح گھبرا چکی تھی۔

مقابل کے چہرے کے تنے تنے تاثرات ہی ایسے تھے۔

اس کا ایکسکیوز سن کے حمزہ شہباز مزید نرم پڑا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اٹس اوکے! آپ کی غلطی نہیں ہے میں ہی کچھ جلدی میں تھا آپ پلیز پریشان مت ہوں۔'' اسے اس حسین چہرے پر پریشانی اچھی نہیں لگی تھی۔
سامنے میز پر ماہی سے بات کرتی حورب نے یہ سارا سین بڑے آرام سے دیکھا تھا۔
''ویری اسٹرینج! ایک بار میں نے غلطی سے پانی ان کے اوپر گرادیا تھا تو پورے ہفتے میری کلاس لیتے رہے تھے۔ اٹھک بیٹھک الگ کروائی تھی اور یہاں دیکھو گرم گرم چائے گری ہے۔ پوری شرٹ خراب ہوگئی ہے اور ان محترم کے چہرے سے مسکراہٹ ہی جدا نہیں ہو رہی کچھ تو دال میں کالا ضرور ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے کھڑی ہوئی اور ماہی کے ساتھ ان دونوں کے پاس آئی جہاں علیزے کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
''آپ رکیں پلیز، میں پانی لاتی ہوں آپ اپنی شرٹ صاف کر لیجیے گا۔'' علیزے نے شرمندگی سے اس کی قیمتی شرٹ پر داغ دیکھا۔
''آپ یوں پریشان ہو کر مجھے بھی پریشان کر رہی ہیں۔'' حمزہ شہباز نے اسے ٹوکا۔
''اس سے صاف کر لیجیے پلیز۔'' علیزے نے پاکٹ میں سے رومال نکال کے اس کی سمت بڑھایا۔
''کیا ہوا بھائی؟'' پیچھے سے حورب نے شرارتی انداز میں اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
''بھائی!'' علیزے اور ماہی نے چونک کر حورب کو دیکھا۔
''علیزے، ماہی یہ میرے بڑے بھائی ہیں اور ہمارے سینئر بھی ہیں، حمزہ شہباز۔'' حورب نے حمزہ کو گھورتے ہوئے تعارف کروایا۔
''اور بھائی یہ میری دوستیں ہیں لیکن لگتا ہے آپ انہیں پہلے سے جانتے ہیں۔'' وہ کھوجتی ہوئی نگاہوں سے ان تینوں کو گھور رہی تھی۔ اس کی بات سن کر علیزے گھبرا گئی تھی وہ نہیں چاہتی تھی حورب کو اس واقعے کا پتا چلے جب اس نے حمزہ شہباز سے آئی لو یو کہا تھا۔ وہ ایک پرینک تھا لیکن علیزے جیسی رکھ رکھاؤ والی لڑکی کے لیے شرمندہ ہونے کا مقام تھا۔
''آف کورس بہنا! آخر تم میری چھوٹی بہن ہو تمہارے اوپر نظر رکھنا میرا فرض ہے تو ظاہر ہے تمہاری فرینڈز کو، کلاس فیلوز کو سب کو جانتا ہوں اس میں حیرانی والی کیا بات ہے۔'' علیزے کے گھبرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر حمزہ نے بات بنا کر سامنے کھڑی پریشان حال دلربا کو پرسکون کرنا چاہا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا تھا علیزے اس ٹائپ کی لڑکی نہیں اور پھر اسے تو فریشرز ہونے کے ناطے حمزہ کے گروپ نے پرینک کروایا تھا جو اسے سب بتا چکے تھے کہ کیسے انہوں نے علیزے کو ٹریپ کیا۔
''آہاں! انٹرسٹنگ!'' حورب نے اپنی آنکھیں گول گول گھمائیں۔
''آپ لوگ کلاس کے لیے لیٹ نہیں ہو رہے؟'' حمزہ شہباز نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔
''اوہ گاڈ! بس دو منٹ ہیں کلاس میں بھاگو۔'' حورب نے جلدی سے مڑ کر میز پر سے اپنا بیگ اٹھایا ماہی اور علیزے نے بھی اس کی پیروی کی پھر کچھ خیال آنے پر علیزے دوبارہ پلٹی تھی۔ ماہی اور حورب رکی نہیں تھیں۔
''ویس اگین سوری!'' اس کی نظریں حمزہ کے ہاتھوں پر تھیں جن میں اس کا گلابی رومال دبا ہوا تھا۔ اس کے نظروں کے ارتکاز پر حمزہ نے رومال کی سمت دیکھا اور پھر اسے پاکٹ میں ڈال دیا۔
''آپ اتنا ایکسکیوز کر رہی کہ دل کر رہا ہے یہ شرٹ آپ کو ہی دے دوں، ہوسکتا ہے اس کو دھونے کے بعد آپ کی شرمندگی کم ہو جائے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''ہیں!'' علیزے کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک تو یہاں ہر کوئی بے باک تھا یا پھر وہ ہی کچھ زیادہ ہی مس فٹ تھی۔
''مس علیزے! آپ لیٹ ہو رہی ہیں۔ یہ بات یہیں ختم۔'' اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے حمزہ نے نرمی سے کہا۔ علیزے نے سیکنڈ نہیں لگایا تھا پلٹنے میں۔
حمزہ شہباز دونوں بازو سینے پر باندھے جاتی ہوئی علیزے کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی پشت پر ہلکورے لیتی لمبے بالوں کی گھنی چوٹی اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ لڑکی بڑی شان سے اس کے دل میں براجمان ہو چکی تھی۔
''اور یہ بار بار کا یوں ٹکرانا۔ تقدیر بھی شاید کچھ چاہتی ہے۔'' وہ مسرور انداز میں مسکراتا ہوا دوبارہ کاؤنٹر کی جانب بڑھا۔

☆.....☆

اپنے کمرے میں جہازی سائز بیڈ پر لیٹے ہوئے روحان مسلسل علیزے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لڑکیوں سے دور بھاگنے والے روحان کو علیزے اپنی طرف متوجہ کر چکی تھی۔ وہ چاند چہرہ جو کچھ عرصے سے اس کے خوابوں میں آنے لگا تھا جس پر اس نے اپنی نئی آنے والی البم میں گیت لکھا تھا وہ چہرہ جو اس کے حواسوں پر چھا چکا تھا وہ علیزے سلیم اس کے چاچو کی بیٹی کا تھا لیکن روحان کو اپنی انا اپنی عزت نفس بہت پیاری تھی جس پل علیزے نے اس سے ہاتھ ملانے سے گریز کیا تھا اسے اچھا لگا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں اپنے لیے تحقیر دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا علیزے کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ شاید بلا جواز اسے جانے بغیر وہ لڑکی اسے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ دے چکی تھی۔
''آخر یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے کیوں مجھ سے گریزاں ہے؟'' اس کی آنکھوں میں علیزے کا چہرہ لہرایا، جس پر ناگواری چھائی ہوئی تھی اور پھر ایکسی کا منظر یاد آیا۔ اس دن بھی تو وہ یوں اس کے روبرو ہوتے ہوئے پھچتی پھر رہی تھی۔
''ڈیم اٹ! یہ لڑکی میرے صبر کو آزما رہی ہے۔'' وہ جیسے تصور کی آنکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''روحان!'' شاہانہ بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ ان کی آواز سن کر اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔ وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔
''یس مام!''
''سنو آج تمہاری نانو کا برتھ ڈے ہے۔ میں نے شام میں سرپرائز پارٹی رکھی ہے اس لیے آج اسٹوڈیو وغیرہ کہیں مت جانا۔ ٹائم سے نیچے آجانا۔'' وہ اسے ہدایات دیتی ہوئیں اس کی وارڈ روب کی طرف بڑھیں۔
روحان خاموش ہی رہا۔ اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے شاہانہ نے بات آگے بڑھائی۔
''موم نے بتایا کیوں نہیں کہ سلیم چچا کی بیٹی ہمارے گھر میں رہ رہی ہے۔'' وہ سوچ رہا تھا۔ کہنے کو کہہ بھی سکتا تھا لیکن ابھی وہ شاہانہ کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا جو کافی خوشگوار موڈ میں تھیں۔
''میں تمہارے کپڑے نکال کر رکھ رہی ہوں شاور لو اور فریش ہو کر نیچے آنا۔'' انہوں نے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔
روحان کسلمندی سے اٹھا۔ طاہرہ خانم اس کی نانو شاید اس دنیا کی واحد ہستی تھی جنہیں وہ حد سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ سائیڈ میز پر سے اپنا سیل فون اٹھا کر اس نے نانو کے لیے سرخ، سفید پیلے اور ہر اس رنگ کے گلاب کے پھول آرڈر کیے جو مل سکتے تھے اور خود تیار ہو کر باہر نکل گیا۔ اس کا ارادہ بک اسٹور جا کر نانو کے لیے کتابیں گفٹ لینے کا تھا کہ طاہرہ خانم کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ کتاب دوست خاتون تھیں۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

شام کے چھ بج رہے تھے۔ آج گرمی بہت تھی۔ کالج سے آتے آتے بھی اسے بہت دیر ہوگئی تھی۔ کاندھے پر لٹکے بیگ کو اس نے اسٹڈی ٹیبل پر رکھا اور اپنی سفید چادر اتار کر سلیقے سے تہہ کر کے الماری میں رکھنے کے بعد اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لان کا سوٹ نکالا اور شاور لینے چلی گئی۔ ٹھنڈے پانی سے فریش ہو کر وہ اپنے لمبے بالوں کو سلجھا رہی تھی جب مین دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ اس نے برش رکھ کر بیڈ پر رکھا دوپٹہ اٹھا کر سلیقہ سے اوڑھا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ آئی ہول سے باہر دیکھا تو باوقار سی طاہرہ خانم ہاتھ میں بیگ تھامے کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم نانو! علیزے نے سلام کرتے ہوئے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ روحان کی طرح وہ بھی انہیں نانو ہی کہتی تھی۔ کوئی اور رشتہ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو علیزے؟'' وہ شفقت سے بولتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی ہوئیں اس کے کمرے میں آئیں۔

''نانو! آپ بس دو منٹ ادھر آرام سے بیٹھیں میں آپ کے لیے زبردست سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' علیزے انہیں دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔ ایک وہی تو تھیں سلمان صاحب کے بعد جو اس کے لیے مشفقانہ انداز رکھتی تھیں۔

''چائے پھر کبھی، ابھی تو تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔'' وہ اپنی عینک درست کرتے ہوئے اسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''نانو کہاں جانا ہے؟'' علیزے نے سوال کیا اور ان کے سارے اندازے درست ثابت ہوئے شاہانہ بیگم نے علیزے کو ان کے لیے رکھی گئی پارٹی میں بلانا تو دور کی بات بھنک تک نہیں پڑنے دی تھی۔ وہ اس گھر میں رہ کے بھی اس گھر کا حصہ نہیں تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''آج میرا برتھ ڈے ہے ہر سال بچے چھوٹی موٹی پارٹی رکھتے ہیں بس اسی میں چلنا ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے جواب دیا۔ یہ شاہانہ کی کلاس تو وہ بعد میں لیں گی۔

''اللہ! نانو آپ کی سالگرہ ہے آج۔'' وہ لپک کر ان کے قریب آئی اور ان کے گال چوم لیے۔

''ہیپی برتھ ڈے نانو!'' اس نے کھنکتی ہوئی آواز میں انہیں وش کیا۔

''چلو شاباش جلدی کرو اچھے سے تیار ہو جاؤ دیر ہو رہی ہے۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا برانڈڈ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے نانو؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے بیگ پکڑا جس میں ایک بیش قیمت لباس پیک تھا۔

''اس میں تمہارے لیے میری طرف سے گفٹ ہے۔ اب جلدی سے اسے پہن کر تیار ہو جاؤ۔'' وہ نرمی سے بولیں۔

''بٹ نانو! گفٹ تو مجھے آپ کو دینا چاہیے نہ کہ آپ مجھے دیں۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

''میرا گفٹ تم پر ادھار رہا جب وقت آئے گا تو اپنی مرضی سے لوں گی بس اب مزید باتیں نہیں جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ۔'' وہ شفقت سے بولیں۔ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ شاہانہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ان کے اعزاز میں جو دعوت رکھی ہوگی اس میں کئی مہمان ہوں گے جو پہلی بار علیزے سے ملیں گے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ علیزے کسی سے بھی کم نظر آئے اسی لیے اس کے لیے خود شاپنگ کر کے لائی تھیں۔

ڈریسنگ روم میں علیزے نے بیگ سے جوڑا باہر نکالا آرگنزا کے خوب صورت سے کرتے پر سنہری باریک کام تھا

ساتھ سنہری چوڑی دار پاجامہ اور گلابی سنہری آمیزش کا بڑا سا دوپٹہ اس کی نظروں میں ستائش اتر آئی تھی لباس بدل کر وہ باہر آئی تو نانو اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''ماشاءاللہ! چشم بددور بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' انہوں نے توصیفی نظروں سے اسے دیکھا۔

علیزے نے ڈریسنگ ٹیبل پر سے بالوں کا برش اٹھایا اور اپنے نم بال سلجھا کر چوٹی باندھنے لگی۔

''علیزے آج بالوں کو کھلا چھوڑ دو بھی بھی چینج اچھا لگتا ہے۔'' انہوں نے اسے ٹوکا۔

سیدھی مانگ نکال کر پشت پر گھنے سلکی بالوں کے آبشار کو کھلا چھوڑ کر وہ دوپٹہ شانوں پر برابر کیے، پیروں میں نازک سی دو پٹی سینڈل پہن کر جانے کے لیے تیار تھی۔ میک اپ کے نام پر اس کے پاس کوئی چیز تھی ہی نہیں اور نہ ہی طاہرہ خانم نے اسے میک اپ کے لیے فورس کیا تھا۔

طاہرہ خانم اسے اپنے ہمراہ لیے گھر کے اندر داخل ہوئیں جہاں سے ہنسنے بولنے اور ہلکے ہلکے میوزک کی آوازیں آرہی تھیں۔

''علیزے! دیکھو بیٹی تمہیں کسی سے بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے سب سے ملو اور نروس مت ہونا تم کسی سے کم نہیں ہو۔'' انہوں نے گھبرائی ہوئی علیزے کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ ان کی ہمراہی میں اندر لیونگ روم میں داخل ہوئی جہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ شاہانہ بیگم تو اسے اپنی والدہ کے ساتھ آتے دیکھ کر تپ اٹھی تھیں۔ ان کی نظریں فوراً روحان کو ڈھونڈنے لگیں۔

''یہ میری نواسی ہے علیزے، اپنی زیبا اور سلیم کی بیٹی سوات سے آئی ہے ڈاکٹر بن رہی ہے۔'' وہ فخریہ انداز میں اس کا تعارف مہمانوں سے کروا رہی تھیں جن میں زیادہ تر فیملی فرینڈز شامل تھے۔

''آنی.....!'' اپنی دوستوں سے ایکسکیوز کر کے بیش قیمت میکسی میں ملبوس انیتا شاہانہ بیگم کے پاس آئی۔

''آنی اس پینڈو کو آپ نے پارٹی میں کیوں بلایا ہے؟'' وہ خفگی سے بولی۔ علیزے کی وجہ سے اسے سلیمان صاحب سے ڈانٹ پڑی تھی جو وہ بھولی نہیں تھی۔

''میں نے اسے نہیں بلایا بلکہ سلیمان تو اسے انوائیٹ کر رہے تھے میں نے ہی انہیں روکا تھا کہ اس کا پیپر ہے نہیں آئے گی اور اب یہ ممی بھی اسے اٹھا لائی ہیں۔'' شاہانہ بیگم کی اپنی پریشانیاں تھیں۔

''انیتا ڈارلنگ! تم پریشان مت ہو میں اس کو دیکھ لوں گی تم جاؤ اپنی فرینڈز کو انٹرٹین کرو۔'' انہوں نے انیتا کو چلتا کیا اور قدم اٹھاتے ہوئے علیزے کے پاس آئیں۔

''تم ادھر کیا کر رہی ہوں؟'' انہوں نے دبی دبی آواز میں سوال کیا۔

''وہ آنٹی جی!'' علیزے بوکھلا گئی۔

''اگر آنے کا اتنا ہی شوق تھا تو بتا دیتیں یوں بن بلائے کسی کے گھر پارٹی میں گھسنا کیا تمہیں زیب دیتا ہے۔'' انہوں نے ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے طنز کا تیر چلایا، علیزے انہیں بتانا چاہتی تھی کہ اسے طاہرہ خانم لے کر آئی ہیں لیکن کچھ خواتین کے آنے کی وجہ سے شاہانہ بیگم ان کی طرف متوجہ ہو گئیں وہ واپس جانا چاہتی تھی لیکن نانو اسے اتنے پیار سے، مان سے تیار کروا کر لائی تھیں کہ اسے ان کا دل توڑنا مناسب نہیں لگا تھا وہ ایک الگ تھلگ کونہ منتخب کر کے وہاں کھڑی ہو گئی اس کا ارادہ نانو کے کیک کاٹتے ہی یہاں سے نکل جانے کا تھا۔

☆.....☆

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

روحان خانزادہ نانو کے لیے کتابیں پیک کروا کر فارغ ہوا تو کچھ فینز نے اسے گھیر لیا بڑی مشکل سے وہ ان سے پیچھا چھڑا کر گاڑی دوڑاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوا جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی وہ لیٹ ہو چکا تھا کتابیں اور پھول ڈرائیور کے ہاتھ اس نے ساتھ والے نانو کے گھر ان کے کمرے میں رکھوائیں اور خود تیزی سے چلتا ہوا ہال کمرے میں داخل ہوا جہاں پارٹی اپنے عروج پر تھی سب سے ملتے ملاتے اس کی نظر علیزے پر پڑی جو ایک کونے پر سب سے الگ تھلگ کھڑی ہوئی تھی۔ آج تو اس لڑکی کی چھب ہی نرالی تھی اس کا روپ اس کا سروپ اس محفل میں شامل تمام لڑکیوں سے جدا تھا۔ وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر آگے بڑھنا چاہتا تھا جب اس کی نگاہوں میں لمبے سلکی سنہرے بالوں کی آبشار لہرا گئی۔

وہ سنہری زلفیں ہوا کے زور پر شانوں پر ہلکورے لے رہی تھیں۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

وہ مبہوت سا اس کے خوب صورت بالوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے آج تک اتنے حسین بال نہیں دیکھے تھے نہ جانے کیوں پر اس کی نظریں اور دل بے اختیار ہو چکے تھے۔ وہ اسی بے اختیاری میں چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا اور دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی حسین زلفوں کو ہاتھوں میں قید کیا۔

علیزے جو سب سے ملنے کے بعد انیتا اور شاہانہ بیگم کی اپنے لیے ناگواری محسوس کرتی ہوئی ایک الگ کونے پر آ کھڑی ہوئی تھی اچانک سے چونک گئی اسے اپنی پشت پر عجیب سا احساس ہوا تھا وہ تیزی سے پلٹی اور شاکڈ رہ گئی۔

وہ بگڑا ہوا امیر زادہ اس کے بال اپنی مٹھی میں لیے کھڑا تھا۔ علیزے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے مٹھی میں بند بالوں کو اپنی ناک کے قریب کیا اور ان مشک بو زلفوں سے اپنی سانسوں کو معطر کیا۔

یہ سب علیزے کے لیے ناقابل برداشت تھا اس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ چکا تھا سارے مہمان صرف روحان کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

بنا سوچے سمجھے علیزے نے ایک زوردار تھپڑ روحان کے چہرے پر مارا تھا۔

''ہاؤ ڈیئر یو ٹچ می؟ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی یہ کرنے کی؟'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔ ٹھیک ہے وہ ان کے گھر میں رہ رہی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ یہاں کسی کے لیے تسکین کا سامان بنے۔

روحان نے خون آشام نظروں سے اسے گھورا، جس نے بھری محفل میں اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کی جرأت کی تھی۔ اس وقت وہ بھول چکا تھا کہ بے اختیاری کے لمحوں میں وہ خود کیا کر چکا تھا۔ قدم اٹھاتے ہوئے علیزے کے نزدیک آیا اور اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا۔

''صنف نازک پر ہاتھ اٹھانا میرے نزدیک مردانگی نہیں ورنہ میں تمہیں اس تھپڑ کا جواب ایسا دیتا کہ تمہاری روح کانپ جاتی۔'' اس نے پھنکارتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے دور کیا۔

''اور جو تم نے ابھی کیا وہ کون سی مردانگی ہے؟'' علیزے بھی چلائی تھی۔ ہمت دیکھو اس گھٹیا انسان کی، علیزے کا دماغ خراب ہو چکا تھا۔

''گیٹ لاسٹ فرام مائی ہاؤس۔'' وہ دہاڑا۔

''روحان کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' سلیمان صاحب ہوش میں آئے۔ روحان نے انہیں بھری محفل میں شرمندہ کروا دیا تھا۔

''پلیز ڈیڈ!'' اس نے انہیں روکا۔

''آئی سیڈ گیٹ آؤٹ۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا نا۔'' علیزے نے ایک شکوہ کناں نگاہ سلیمان صاحب پر ڈالی۔ سلیمان صاحب کو اب سمجھ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہاں! اتنا کہ اس نے ہوسٹل جانے کا کیوں کہا تھا۔
مزید ایک اور لفظ کہے بنا سب کی نظروں کی تضحیک برداشت کرتے ہوئے تیز قدموں سے دوڑتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔
طاہرہ خانم نے تاسف سے یہ سارا تماشہ دیکھا وہ علیزے کے پیچھے چاہ کر بھی نہیں جاسکتی تھیں کہ پھر پوری تقریب خراب ہوجاتی اور لوگوں کو مزید گوسپ کرنے کا موقع ملتا۔ بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ انہوں نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا پھر اپنی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر شاہانہ بیگم کے بہت روکنے کے باوجود وہاں سے نکل آئیں اور رخ انیکسی کی طرف تھا انیکسی کے دروازے پہ پہنچ کر وہ دروازہ پر لگی بیل بجانے ہی لگی تھیں کہ انہیں روحان اب بھی تیز قدموں سے اسی سمت آتا نظر آیا اس کے چہرے پر کرختگی چھائی ہوئی تھی جبڑے تنے ہوئے تھے۔
''تم ادھر کیا کر رہے ہو؟'' انہوں نے اسے روکا۔
''نانو آپ ادھر؟'' وہ انہیں دیکھ کر حیران ہوا۔
''یہ میرے سوال کا جواب نہیں صاف بتاؤ تم ادھر کیا لینے آئے ہوں؟ کیا مزید کوئی کسر رہ گئی تھی جو اسے پورا کرنے آئے ہو؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولیں۔
''وہ لڑکی.....!'' روحان نے غصہ ضبط کرتے ہوئے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔
''نانو آپ پلیز درمیان میں مت آئیں۔'' روحان نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے ان سے ریکوئسٹ کی۔
''ہم تو اب تم اس معصوم کو اس گھر سے باہر نکالنے آئے ہو سب کے سامنے اسے ذلیل تو کر ہی چکے ہو اب گھر سے بھی نکال پھینکو کہ تمہاری مردانہ انا کو سکون ملے۔'' انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔
''آپ کو اس لڑکی کی حرکتیں نظر نہیں آرہیں؟ اس لڑکی نے مجھ پر، روحان خانزادہ پر ہاتھ اٹھایا اس کی اتنی مجال۔'' وہ کف اڑا رہا تھا۔
''اس نے مجھے بھری محفل میں تھپڑ مارا اور اب اس تھپڑ کی قیمت تو اسے چکانی پڑے گی۔'' وہ غرایا۔
''ہاں! مارا اس نے تمہیں تھپڑ مارا لیکن کیوں مارا یہ تمہیں سمجھ نہیں آرہا تم نے اس سے بدتمیزی کی اور اسی بدتمیزی کی وجہ سے اس کا ہاتھ تم پر اٹھا کوئی بھی شریف باحیا لڑکی ایسا ہی کرتی جیسا اس نے کیا وہ تمہاری ہائی سوسائٹی یا شوبز کی لڑکیوں کی طرح نہیں ہے جن کے ساتھ وقت گزارا..... جاتا ہے وہ ایک رکھ رکھاؤ والی خاندانی شریف لڑکی ہے۔'' انہوں نے روحان کو سمجھایا۔
''دیکھو روحان میں نے ہمیشہ تمہیں صنف نازک کی عزت کرنا سکھایا تھا اور اگر تم اپنی مردانہ انا، اپنی ایگو کو سیٹیسفائی کرنے کے لیے علیزے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو یا اسے اس گھر سے نکالنا چاہتے ہو تو ضرور کرو لیکن اس کے بعد بھول جانا کہ تمہاری کوئی نانو بھی تھی میں وصیت کردوں گی کہ تم میرا مرا منہ نہ دیکھو۔'' طاہرہ خانم کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا تھا وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہوچکی تھیں ان کا سر چکرانے لگا تھا۔
روحان نے ایک نظر میں ہی ان کی بگڑتی طبیعت کو بھانپ لیا تھا وہ تیزی سے ان کے نزدیک آیا اور انہیں تھام لیا۔
''نانو ریلیکس میں کچھ نہیں کر رہا۔ چلیں آپ بس گھر چلیں آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''
''نہیں روحان بیٹا میں علیزے کو دیکھ لوں گی تو خود ٹھیک ہوجاؤں گی اب تم جاؤ یہاں سے اور میری باتوں پر سوچنا ضرور۔'' وہ اس کے بازوؤں کو ہٹاتے ہوئے نرمی سے بولیں کہ اس بپھرے ہوئے شیر کو وہی قابو کرسکتی تھیں۔
(جاری ہے)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نمرہ سعید

حالات گریزو

گھونگھرو کی جھنکار سے کوٹھا مسرور تھا مگر یہیں کہیں ایک وجود اس جھنکار سے لرز چکا تھا۔ اس کے اندر ایک عجیب سے گناہ کا احساس پلنے لگا تھا۔ فضا میں اداسی کے تمام رنگ رچے بسے تھے۔

تال پر جب پاؤں تھرکتے اور نوٹوں کی بارش ہوتی تو وہاں بیٹھی پان تھوکتی اور بولی لگاتی عورتوں کی باچھیں کھل جاتیں۔

''چل ہیرا! آپا بلا رہی ہیں۔ جلدی سے تیار ہو کر آجا۔''

ہیرا کے کانوں میں جیسے صور پھونک دیا گیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں روانی آچکی تھی۔ اسے کہاں ہونا چاہیے تھا اور وہ اس وقت کہاں موجود تھی۔ یہی سوچ سوچ کر اسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی تھی۔

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کاش بابا زندہ ہوتے یا ماں نے دوسری شادی نہ کی ہوتی تو میں سوتیلے باپ کے ہاتھوں یہاں نہ پہنچی ہوتی۔'' گناہ کرنے کا احساس اس کے وجود میں شدید تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

''اے ہیرا! تجھے ایک بار کی بات سمجھ نہیں آتی کیا۔ انتظار ہو رہا ہے وہاں تیرا۔'' آپا نے آکر اسے آنکھیں دکھائیں۔

وہ مجبور تھی۔ بے بس تھی۔ یہاں اس پر ہر طرف پہرے تھے۔ شروع میں اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی تو اسے تیغ سے داغا گیا تھا جس کا نشان آج بھی اس کے بازو پر موجود تھا۔

وہ دھیرے سے اٹھی اور شعلوں پر چلتی باہر ہال میں جلوہ گر ہوئی۔

کسی نے آداب کہا۔ کسی نے شوخی میں کوئی غزل چھیڑی تھی لیکن وہ بہری تھی اور یہاں موجود ہو کر بھی عدم موجود تھی۔

''آپا تمہاری یہ پری تو ہمیشہ کی طرح اداس بلبل نظر آتی ہے۔'' کسی کی آواز ہوا کی لہروں میں گردش کرتی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

طبلے کی آواز آنے لگی اور اداس بلبل پنجرے میں بند گھنگرو باندھے پھڑ پھڑاتے تال پر تھرکنے لگی۔

اسے ساری زندگی ہی پھڑ پھڑانا اور تھرکنا تھا۔ بصورت دیگر انجام سے وہ بخوبی آگاہ تھی۔

ایک آنسو اس کی نیلی جھیل سی آنکھوں سے بہہ نکلا۔

کونے میں بیٹھا ایک شخص اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہاں آنے والا ایک نیا چہرہ تھا۔ نجانے وہ یہاں کیوں موجود تھا۔ وہ مسلسل بور ہو رہا تھا تب ہی یہ ہیرا اس کی نظروں کے سامنے آگیا تھا۔

ہیرا نام کی طرح وہ واقعی ہیرا تھی۔ اس کی صراحی دار گردن، تیکھے نقوش، نیلی جھیل سی آنکھیں اسے طوائف نہیں بلکہ کسی سلطنت کی شہزادی بتا رہی تھیں۔ جو گدھ راجاؤں کی بستی میں نیلام ہو چکی تھی۔

وہ ناچتے ناچتے تھک کر گر گئی۔ بجتے گھنگرو ٹوٹ کر دور جا گرے اور تالیوں کی گونج میں اس کی سسکیاں کہیں دب کر رہ گئیں۔

☆.....☆

وہ پولیس آفیسر تھا اور پروموشن کی خوشی میں آج دوست اسے یہاں کھینچ لائے تھے۔ وہ بے دلی سے آتو گیا تھا لیکن مسلسل بوریت کا شکار تھا تبھی ہیرا اس کے سامنے آئی اور وہ اس لڑکی پر دل ہار بیٹھا۔

''مجھے یہ لڑکی چاہیے۔'' اس نے آپا کے پاس جا کر سرگوشی کی۔

''نہیں..... ہم اس لڑکی کا سودا نہیں کرتے۔''

''لیکن کیوں؟'' وہ بے چین ہوا۔

''وہ نہیں مانتی۔'' آپا نے منہ بناتے ہوئے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کہا۔
''جتنی رقم تم بولو گی میں حاضر کردوں گا۔'' اس نے لالچ دیا جو کامیاب رہا۔
اور آپا نے چند پیسوں کے عوض اس کا سودا کردیا۔

☆.....☆

جب ہیرا کو یہ بات بتائی گئی تو وہ پتھر کی مورت بن گئی۔ وہ کیا احتجاج کرتی۔ وہ تو سراپا احتجاج تھی۔
سجا سنوار کر اسے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جس نے سودا کیا، وہ اسی کمرے میں موجود تھا۔
وہ دھیرے سے اس کی جانب بڑھا اور اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر اسے بغور دیکھنے لگا۔
اس کے دیکھنے پر وہ گھبرا گئی۔
''مم..... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
سامنے والے شخص کی آنکھوں میں شعلے ابھرے۔
''تو یہاں کیوں موجود ہو؟'' سوال آیا۔
''بے بس ہوں، اس لیے۔'' ہیرا نے اپنی سسکی روکی۔
''کیسے آئیں یہاں تم؟'' نجانے وہ شخص یہ سوال کیوں کر رہا تھا۔
''بابا کا انتقال ہو گیا اور اماں نے دوسری شادی کرلی۔ سوتیلے باپ کا یہ کام تھا جس سے اماں بھی ناواقف تھی۔ ایک دن شاپنگ کے بہانے وہ مجھے لے گئے اور مجھ ناواقف کو ان کے ہاتھوں بیچ دیا۔''
اس کی نیلی آنکھوں میں درد ہی درد تھا۔
''تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟'' ہمدردی سے سوال کیا گیا۔
''کی تھی اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا۔'' وہ بولی۔
وہ حیران تھی کہ اس شخص کو اس میں اتنی دلچسپی کیوں تھی۔ شاید یہ اس کی شخصیت کا اثر تھا کہ وہ سب بتانے لگی۔
''کیا انجام؟''
ہیرا نے اپنی آستین اوپر کی تو اس کی سپید بازو پر ایک بدنما داغ واضح موجود تھا۔
''ہم.....'' اس شخص نے ہنکارا ابھرا۔
''میں پولیس آفیسر ہوں۔ میرا نام یشفع ابرار ہے۔ میں تمہیں یہاں سے چھٹکارا دلوا سکتا ہوں۔''
ہیرا نے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرائے۔
نہیں یہ شخص بھی سب کی طرح ہے۔
مجھے بہکا رہا ہے۔ یہ مجھے کہیں اور لے جائے گا۔
''پریشان مت ہو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔''
ہیرا نے گھبرا کر آنکھیں نیچی کرلیں۔ نجانے وہ اس کے خیال سے کیسے واقف ہو گیا تھا۔
''میں پہلی بار تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم مجبوراً یہاں موجود ہو۔ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' یشفع نے برملا کہا۔
ہیرا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔
''نکاح کر کے میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ کل میں آپا سے بات کرلوں گا۔''
یہ کہہ کر یشفع کمرے سے باہر چلا گیا اور ہیرا اس کے جاتے ہی پیچھے ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔
کیا اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں؟
یا ایک اور دھوکا اس کا منتظر تھا؟

☆.....☆

اگلے روز ہی یشفع مولوی اور دو گواہوں کے ساتھ موجود تھا۔
نجانے اس نے آپا کو کتنے پیسے دے کر راضی کیا ہوگا۔ سجی سنوری ہیرا سوچ میں گم تھی۔
تین بار قبول ہے کہہ کر وہ یشفع کا نصیب ہو گئی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نکاح کے بعد وہ اسے ایک گھر میں لے آیا۔
اس گھر میں صرف وہی دونوں موجود تھے۔
دل تھا کہ ڈر رہا تھا جیسے سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے۔
اسی وقت یشفع کمرے میں داخل ہوا اور ہیرے سے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔
''میں تب تک تمہیں نہیں ہاتھ لگاؤں گا جب تک تمہارا اعتماد نہ جیت لوں۔''
ہیرا کی آنکھوں میں بے یقینی بڑھ گئی۔ وہ اس کے بارے میں کیا کیا سوچتی آئی تھی۔
''میں وہاں خود نہیں گیا تھا۔ دوستوں کی وجہ سے چلا گیا تھا اور اب میرا خیال ہے کہ میرا وہاں جانا غلط ثابت نہیں ہوا۔ میرے والدین نہیں ہیں۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔ تم پسند آئیں تو بغیر گناہ کے تمہیں اپنانا چاہا۔'' وہ اسے اپنے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ خاموش تھی۔
''منہ دکھائی میں کیا لینا پسند کرو گی؟'' اس نے پوچھا۔
ہیرا چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اس گلی میں جتنی بھی لڑکیاں مجبوراً لائی گئی ہیں کیا آپ انہیں آزاد کروا سکتے ہیں؟''
یشفع مسکرا دیا۔
وہ اس بے غرض لڑکی سے یہی امید کر رہا تھا۔
''بالکل..... کل پوری کر دوں گا تمہاری یہ بات۔''
''مجھے نماز پڑھنی ہے۔'' اس نے درخواست کی۔
یشفع نے اجازت دے دی۔
وہ بے یقین تھی کہ کیا ایک لمحہ لگتا ہے سب پلٹنے میں۔ کیا وہ اس شخص پر اب بھی بھروسا نہ کرے؟
وہ جائے نماز پر بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ کیا واقعی وہ اس دنیا سے نکل آئی تھی!

کیا واقعی اس کی زندگی میں یہ شخص شہزادہ ثابت ہوا تھا۔
تو وہ خدا کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ طوائف خانے میں ہر لڑکی طوائف نہیں ہوتی۔ بہت سے لڑکیاں حالات کی مار کھاتیں، وہاں آ گرتی ہیں۔
اگر اس دنیا میں درندے موجود تھے تو اللہ نے فرشتوں کو بھی بھیج رکھا تھا۔ کاش وہاں موجود ہر لڑکی کو یشفع جیسا کوئی مل جائے اور اللہ تعالیٰ ہر لڑکی کی عزت محفوظ رکھے۔ اس نے دعا کر کے ہاتھ چہرے پر پھیرے تو اس کے دل میں سکون ہی سکون تھا۔

☆.....

آپ پاکستان کے کسی بھی علاقے میں مقیم ہوں

ماہنامہ ردا ڈائجسٹ

ہم ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے۔
فی شمارہ 80 روپے کے حساب سے
12 ماہ کا زر سالانہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
صرف 960 روپے میں

رقم منی آرڈر یا ڈیمانڈ ڈرافٹ کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں
0331-2785763

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عمارہ فاطمہ

آہو دل

دل کی دھڑکن تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے آج دل تمام حصار توڑ دے گا۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھ کے اس دھڑکن کو تھمنے کا اشارہ کیا تھا پر دل تھا کہ آج کچھ بھی سمجھنے سے قاصر لگتا تھا۔ افففف! سر جھٹک کے وہ اپنی اس حالت پر مسکرا دی۔ پھر آنکھیں بند کرتی ہنس دی۔ اس کی وہ میٹھی ہنسی فضا میں گھل گئی۔ وہ شرما گئی۔ سر جھکائے وہ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ آنکھیں اوپری زینے کا تعاقب کر رہی تھیں ہر سیڑھی پر آنکھوں کی چمک بڑھتی جاتی تھی۔ ہر قدم پر لگتا تھا سانس رک جائے گی۔ وہ کرنے ہی کچھ ایسا جا رہی تھی جس کے لیے وہ پچھلے دو سالوں سے ہمت نہیں کر پائی تھی۔

اس نے دوپٹے میں چھپایا اپنا ہاتھ سامنے کیا جس میں تھاما کاغذ جگمگایا۔ وہ کاغذ صرف کاغذ نہیں تھا۔ وہ پروانہ تھا اس کی محبت کا۔ اس میں رقم تھی وہ داستان جو پچھلے دو سالوں سے وہ صرف خود کو سناتی آ رہی تھی۔ اس میں دل کا وہ راز تھا جس سے اس دل کا مکین بے خبر تھا۔ بس آج جانے کتنے حوصلے اور ہمت سے وہ یہ فیصلہ کر آئی تھی کہ وہ یہ جذبات یہ راز یہ خبر اس تک پہنچا دے گی جو چھپکے سے اس کے دل میں آ بسا تھا۔

سیڑھیاں جو لگتا تھا اب کبھی ختم نہیں ہوں گی اور وہ بس ایسے ہی اس تک پہنچنے کے لیے انہیں عبور کرتی رہے گی۔ اب وہ اس کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دل کی دھڑکن کو تو جیسے مزید پر لگ گئے۔ خط والے ہاتھ سے اس نے اس کے کمرے کا دروازہ دھکیلا جو کہ کھلتا ہی چلا گیا۔ کمرا خالی تھا اس کی توقع کے عین مطابق وہ کمرے میں نہیں تھا۔ مسکراہٹ ایک بار پھر اس کے لبوں کو چھو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ اس کی محبت اسے یہاں تک لائی تھی لیکن یہ محبت بیک وقت بہادر اور بزدل دونوں تھی۔ اتنے سالوں کی محبت اسے بس اتنا ہی بہادر بنا پائی تھی کہ وہ دل کا یہ راز اس تک پہنچا دے پر وہ ابھی بھی اتنی بزدل تھی کہ وہ اپنے دل کے وہ قیمتی جذبات اس تک خود پہنچا پاتی سو اس نے کاغذ پر اپنا حال دل تحریر کر اس کے کمرے میں چپکے سے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کہ اسے پڑھ کر تمام فیصلوں کا حق اس ایک شخص تک ہی محفوظ رہے لیکن فیصلے کا حق.....! وہ تو اس نے اسے دیا ہی نہیں تھا۔ جانے دل یہ کیوں مان بیٹھا تھا کا فیصلہ تو اسی کے حق میں ہوگا۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ دل اس کے نام سے دھڑکتا ہو اور اس دل میں اس کا نام تک نہ ہو۔

وہ انمول کاغذ ہاتھ میں تھامے اس کے کمرے کا جائزہ لیتی رہی اس سوچ میں غرق کہ ایسی کون سی جگہ ہوگی جہاں سے وہ اسے آسانی سے دیکھ پائے گا۔ جب اس کی نظر سامنے قد آور آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر پڑی اور پھر خود سے ہوتے ہوئے اس کے پیچھے موجود دیوار پر لٹکتی اس کی تصویر کے عکس پر۔ تصویر اور عکس کی یہ کہانی اس بات کا یقین دلانے کے لیے کافی تھی کہ وہ دونوں ایک ساتھ کتنے خوب صورت اور مکمل لگتے ہیں۔ دل نے ایک بیٹ مس کی۔ لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ اس کا بس چلتا تو گھومتی جاتی اور گنگناتے ہوئے دنیا کو بتاتی کہ دیکھو کتنا خوب صورت ہے ہمارا ساتھ۔ کہ دیکھو کیا یہ عکس اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ وہ میرا ہے۔ کیا میرے دل کے یہ جذبات اس بات کے لیے کافی نہیں کہ وہ میرے لیے لکھا جا چکا ہے۔

آنکھوں میں چمک اور لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ آہستہ سے اس ڈریسنگ مرر پر نظر آتے اپنے عکس کی جانب بڑھ گئی اور پھر محبت سے اس نے وہ محبت بھری تحریر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی۔ اس کا کام ہو گیا اس نے وہ کر دیا جو وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کرنے آئی تھی۔ کچھ دیر وہ بس اس کاغذ کو گھورتی رہی جو اس کے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مطابق اس کی زندگی بدلنے والا تھا پھر ہمت کر اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھایا۔ پر دوسرے ہی قدم پر دل جیسے اچھل پڑا تھا۔ کوئی دروازے پر تھا۔ وہ آ گیا تھا۔ اتنی جلدی ابھی تو وہ وہاں سے نکل بھی نہیں پائی تھی وہ دروازہ دھکیلنے لگا۔ نہیں وہ..... وہ اس کا سامنا نہیں کر سکتی وہ کیا کہے گی اسے وہ کیوں آئی تھی وہاں؟ نہیں..... نہیں اتنی ہمت کیسے کرتی۔ وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر وہ ایک کونے پر پڑے صوفے کی جانب بھاگی۔ اسے ڈھال بناتے وہ اس کے پیچھے چھپ گئی۔

دروازہ کھلا اس کے بھاری قدموں کی آواز وہ سن سکتی تھی۔ اس نے ہلکے سے سر اٹھا کے اسے دیکھنا چاہا۔ اس کی نظر اس پر پڑی۔ دل نے پھر بیٹ مِس کی۔ کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ پل کے لیے بے اختیار وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کرتا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ جب اس نے سر اٹھا کے دوسرے کونے پر موجود اسٹڈی ٹیبل کی جانب دیکھا اور اس کی جانب چل دیا۔ وہ شاید کچھ تلاش کر رہا تھا وہ جیسے ہوش میں آئی اور واپس صوفے کے پیچھے مکمل خود کو چھپا لیا۔ دل کی دھڑکن اب بھی بے ترتیب تھی اس کی موجودگی تو ہمیشہ ہی اسے نروس کر جاتی تھی اور آج تو پھر بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے خاموشی سے وہاں بیٹھے اس کے جانے کا انتظار کرتی یہی دعا مانگ رہی تھی کہ اس کی نظر ابھی اس کاغذ پر نہ پڑے۔ وہ مسلسل اس کی موجودگی سے بے خبر اسٹڈی ٹیبل پر چیزیں الٹ پلٹ کیے جیسے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ جب اس کا موبائل بجا اس نے ذرا سا سر اونچا کر اسے دیکھنا چاہا۔ موبائل پر کال کرنے والے کا نام دیکھ وہ مسکرایا تھا اور پھر اس نے کال اٹینڈ کر کے فون اسپیکر پر ڈال دیا اور واپس اپنی تلاش میں مصروف ہو گیا۔

''مجھے تم سے بات نہیں کرنی میں ناراض ہوں۔''

اسپیکر سے نسوانی آواز ابھری۔

اتنا روٹھا انداز!! وہ وہاں بیٹھے محسوس کر سکتی تھی۔ کیا کسی لڑکی کو اتنا حق ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس کی محبت سے اس انداز میں بات کرے۔ صوفے کے پیچھے بیٹھی لڑکی نے سوچا۔

وہ مسکرا دیا۔ ہاں وہ اس انداز پر مسکرایا تھا۔

''کیا آپ مجھے بتانا چاہیں گی کہ مجھ گستاخ سے ایسی کیا گستاخی ہو گئی ہے جو میں نے آپ کو ناراض کر دیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کال کرنے والی کے نام اور آواز نے کس طرح اسے مسکرانے پر مجبور کیا تھا۔

''آفان تم کہاں ہو؟ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ مجھے اتنی فکر ہو رہی ہے تم اب تک کیوں نہیں پہنچے۔'' اسپیکر سے ابھرتا محبت سے چور لہجہ۔

''ہاہاہا میری جان اتنی فکر مت کیا کرو میری۔'' اس کی آواز تھی لیکن یہ تو محبت تھی۔ ہاں اس آواز میں محبت بھری تھی۔ یہ آواز تو بہت طاقت ور تھی۔ اتنی کہ صوفے کے پیچھے بیٹھی لڑکی کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔

''کیسے فکر نہ کروں؟ میرے بس میں تو نہیں ہے نا۔'' وہ روٹھا انداز کیا اس طرف کے جذبات بتانے کے لیے کافی نہ تھا۔ اس آواز میں بھی محبت تھی۔

''یہ کیوں نہیں کہتی کہ محبت ہے؟ اس لیے فکر کرتی ہوں۔''

کیا الفاظ بھی قیامت بپا کر سکتے ہیں کیونکہ ان الفاظ نے قیامت ہی تو بپا کر دی تھی۔ وہ آسمان سے ایک دم زمین پر پٹخی گئی تھی۔

آفاااااان.....؟ دوسری جانب سے اس کے نام پر زور دیا گیا تھا۔ ''کیا لفظوں میں بیان کرنا ضروری ہے۔'' اس کی ہنسی بتاتی تھی وہ شرما رہی ہے۔

''ہاہاہا..... تم بھی نا..... جانتی ہو مجھے تمہاری انہ

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

عادتوں سے تو محبت ہے۔ تمہارا میری یوں فکر کرنا اور محبت کے اظہار کے بجائے شرما جانا اور کبھی بھی اظہار نہ کرنا۔'' وہ بول رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ کوئی ہے جو اس کی باتیں سن رہا ہے کوئی ہے جس کے پاؤں تلے سے اس نے بہت آہستہ سے زمین کھینچ لی ہے..... کوئی ہے..... جس کا دل ان لفظوں کے ہتھوڑے نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ آنکھوں سے موتی بہنا شروع ہو چکے تھے اس نے بے بسی کی انتہا پر اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے کہیں اس تکلیف سے وہ سسک نہ پڑے۔

وہ اب بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن اب اس تک اس کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ اب وہ بس اسے دیکھ رہی تھی۔ کرب کی انتہا پر..... حسرت سے..... ابھی کچھ پل تک تو لگتا تھا کہ وہ اسی کا ہے اور اب لگتا تھا وہ تو کبھی اس کا تھا ہی نہیں۔ وہ کیا کرنے آئی تھی، وہ کیا کرنے جا رہی تھی۔ آخر کیسے اس نے سوچ لیا تھا وہ دونوں ایک کہانی کے کردار ہیں۔ ان کی کہانیاں تو مختلف تھیں ان کے راستے مختلف تھے۔

کال بند ہو چکی تھی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کی آخری دراز سے ایک فائل نکال چکا تھا۔ وہ واپس دروازے کی جانب مڑ گیا۔ اس بات سے بے خبر وہ ظالم کس پر کیا قیامت ڈھا گیا ہے۔ وہ جانے اس کے جانے کے کتنی دیر بعد بھی وہیں بیٹھی رہی، کتنی دیر بعد وہ خود میں اتنی ہمت جمع کر پائی تھی کہ وہ کاغذ وہاں سے واپس اٹھا سکے، وہ جو دل کا پروانہ تھا۔ وہ جو شمع کے پاس آتے ہی جل گیا تھا۔ اس نے ہولے سے ہاتھ بڑھا کے وہ داستانِ دل اٹھائی اور اسے دیکھتے واپس مڑ گئی۔ اس نے اب کے وہ عکس نہیں دیکھا تھا کہ اب اس کا دل زخمی تھا۔ لہولہان تھا کہ اب اگر وہ اسے دیکھنے کی غلطی کر دیتی تو شاید دل کے ان زخموں سے بہتا خون کبھی بند نہ ہوتا کہ اب اور تکلیف سہنا اس کے لیے ممکن نہ رہا تھا۔

اس نے آنکھوں سے بہتا وہ نمکین پانی صاف کیا جو دیکھنے میں بالکل شفاف لگتا تھا لیکن جو اپنے اندر بکھرے ارمان تکلیف دیتے جذبات اور کرچی ہوئے خواب رکھتا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری جس میں آہ کی آمیزش تھی جس نے دل کی بکھرے ٹکڑوں کو ذرا سمیٹا تھا پر وہ کرچی کرچی ہوئے ٹکڑے جن میں اب بھی اسی کا عکس نظر آتا تھا کیا اب کبھی یکجا ہونے والے تھے؟

اس کی گرفت کاغذ پر مضبوط ہوئی اور اس نے واپسی کا سفر شروع کیا وہ سفر جس کا آغاز کس قدر خوب صورت تھا۔ اب کے ہر زینے سے اترتے اس کے دل کی دھڑکن تھمتی جاتی تھی۔ اب کے آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ ہر زینے پر دل کے ٹکڑے تکلیف دے رہے تھے اور اس کا ذہن بس اپنی اس کہانی کے شروع ہونے سے قبل اختتام پذیر ہونے پر ماتم کر رہا تھا اور پھر اپنے دل کو سمجھاتے اس نے دل سے کہا

''کچھ کہانیاں کبھی شروع نہیں ہوتیں ان کا آغاز ہی اختتام ہوتا ہے لیکن تکلیف ادھوری کہانیوں جتنی ہی دیتی ہیں۔ میری یہ کہانی بھی کبھی شروع نہیں ہوگی۔ کیوں کہ اس کی زندگی میں میرا نام ہی نہیں ہے۔ سو اس کہانی میں بھی میرا نام نہیں ہے۔ ہم چاہ کے بھی کسی کی کہانی میں خود کو شامل نہیں کر سکتے۔ چاہے ہم کچھ بھی کر لیں ہم کسی کی کہانی میں مرکزی کردار اپنی مرضی سے نہیں بن سکتے۔ ہم کسی اور کی کہانی نہیں بدل سکتے اور یہ بہت تکلیف دہ ہے' دل جو چاہتا ہے وہ نہ ملے تو وہ تکلیف صرف دل کو نہیں پورے وجود کو دیتا ہے لیکن یہی اصول ہے دل کی کچھ خواہشات کبھی پوری نہیں ہوتیں ان کو ادھورا ہی رہنا ہوتا ہے۔'' خود کو سنبھالتی وہ سیڑھیاں اتر چکی تھی۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

سباس گل

خوشبو جیسے تم ہو

سارہ جو سعدیہ کو حیدر علی کے کہنے پر بلانے آئی تھی اس کی اپنے متعلق کہی باتیں سن چکی تھی۔ اس کے اند
احساسِ توہین اور غصے سے انگارے بھر گئے۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو صارم کی نظر اس کے غصے سے سرخ
چہرے پر پڑی۔ وہ اس کے چہرے کے رنگ دیکھ کر پہچان لیتا تھا کہ وہ غصے میں ہے یا اچھے موڈ میں۔ اس وقت

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کی بات سن چکی ہے۔ اس کے اپنے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔
''اسے کہتے ہیں تھنک آف ڈیول اینڈ ڈیول از ہیئر۔'' صارم نے شرارت سے کہا۔
''صارم یہ کیا مذاق ہے؟'' سعدیہ نے سارہ کو دیکھ لیا تھا، اس کی بات سن کر اسے ڈپٹا۔
''امی یہ مذاق ہی تو ہے۔'' وہ ہنسا جب کہ سارہ ضبط کی انتہاؤں پر تھی۔
''پھوپھو! آپ کو دادا ابا بلا رہے ہیں۔'' سارہ نے سعدیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''اچھا بیٹا میں آتی ہوں۔''
''امی ایک تو لوگ بغیر اجازت کے اندر چلے آتے ہیں اور اس پر اتنے نخرے بھی دکھاتے ہیں۔ جی بھی جلاتے ہیں نظریں بھی چراتے ہیں۔'' صارم نے سارہ کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح معنی خیز بات کہی۔

قسط نمبر 3

aqar Ahmad
kiyan.com

''پھوپھو! ان سے کہیے کہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالیں ورنہ ہاتھ کٹوا بیٹھیں گے۔'' سارہ نے سپاٹ لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ صارم لب کاٹنے لگا۔

''اُف میرے خدایا! تو سارہ نے تمہاری ساری بکواس سن لی ہے۔ صارم بیٹا! کیوں اسے خود سے بدگمان کر رہے ہو۔ چلو جا کر اس سے معذرت کرو۔'' سعدیہ نے اپنا سر پکڑ کر اسے دیکھتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولا۔

''لگتا ہے میری ساری زندگی اس سے معذرت کرتے ہی گزر جائے گی۔''

''محبت کرتے کیوں نہ گزرے ہاں؟''

''او کے امی حضور! جاتا ہوں، کرتا ہوں معذرت۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا اور حیدر لاج کے لان میں چلا آیا۔ سارہ لان میں پھولوں کی کیاری کے پاس کھڑی اس میں کھلے گلاب کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ صارم نے اسے دیکھتے ہوئے دل میں کہا۔

''تم نے کبھی خود کو دیکھا ہے سارہ تم تو خود گلاب کا پھول ہو۔''

''ہیلو مغرور لیلیٰ۔'' صارم نے اس کے قریب جا کر گنگنا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''فرمائیے۔'' سارہ نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اونچا لمبا وجیہہ و شکیل جوان تھا۔ کسی بھی لڑکی کے خوابوں کا شہزادہ ہو سکتا تھا۔

''ایسی نظروں سے مت دیکھا کر۔ یہ انگارے مجھے جلا دیں گے۔'' صارم نے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اسے زیادہ دیر وہ نظر بھر کے دیکھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں بہک نہ جائے۔

''اور کچھ۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

''یار! میں تو تم سے معذرت کرنے آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ محبت کرنے والوں کو معذرت بھی کرنی پڑتی ہے۔ تم نے جو کچھ سنا میری زبان سے اس کے لیے میری معذرت قبول کر لو۔'' صارم نے اس کے چہرے کو والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چند سیکنڈ اس کے چہرے کو دیکھتی رہی پھر تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''اب اس کا کیا مطلب تھا؟''

''سارہ جان! تمہیں میری معذرت ہی نہیں میری محبت بھی ایک دن قبول کرنی ہی ہوگی۔'' صارم نے اسے جاتا دیکھ کر زیر لب کہا اور واپس پلٹ آیا۔

''سارہ جان! ایسا نہ ہو کہ میں ساری زندگی تم سے محبت اور معذرت ہی کرتا رہ جاؤں۔ تھوڑی سی محبت تم بھی مجھے دے دینا۔ بخدا مجھے تم سے محبت کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔'' صارم نے سارہ کی تصویر کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا تصویر میں اس کی آنکھوں سے چھلکتی حیرانی کو دیکھ کر مسکرا دیا اور پھر بولا۔

''تمہاری آنکھوں میں یہ جو حیرت ہے..... دیکھنا ایک دن میں اس حیرت کو محبت میں بدل دوں گا۔''

صارم نے سارہ کی تصویر کو اپنے دل سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆

سارہ اپنی ذہانت، سنجیدگی اور متانت کے باعث پورے کالج میں اپنی شناخت کروا چکی تھی۔ اس کے حسن پر تو سبھی فریفتہ تھے مگر اس کے تعلیمی ریکارڈ نے بھی سب کی نظروں میں اس کا وقار بلند کر دیا تھا۔ اس کی اور ماریہ کی دوستی بھی کالج میں مثال بن گئی۔ اکثر اسٹوڈنٹس ان دونوں کو بہنیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ ہر وقت ایک ساتھ رہتی تھیں

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور دونوں کپڑے بھی تقریباً ایک جیسے سلواتی تھیں۔ سارہ ہر لڑکے کو بھائی جی کہتی تھی۔ اس کے بھائی جی کے
کے سبب کئی لڑکے اس سے دل کی بات کرنے سے پہلے ہی توبہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کی سب سے اچھی
دعا سلام تھی لیکن دوستی صرف ماریہ سے تھی۔ ماریہ اسے مذاق سے کہا کرتی۔

''سارہ ڈیئر! تم تو ہر لڑکے کو بھائی جی کہہ کر اس کے ارمانوں پر اوس ڈال دیتی ہو۔ وہ بے چارے تمہیں
بیوی بنانے کے خواب دیکھتے ہیں اور تم انہیں بھائی جی کا عہدہ دے دیتی ہو۔ آخر اور کتنے بھائی بناؤ گی
سارے کالج کے لڑکے تو تمہارے بھائی بن چکے ہیں۔ کسی کو اپنے جملہ حقوق بھی ٹرانسفر کرو گی کہ نہیں؟''

''کروں گی۔'' سارہ ہنس کر کہتی۔ ''کوئی مل گیا ایسا تو۔''

''کیسا؟''

''ایسا جسے مجھ سے پیار ہو گا بے حد اور بے حساب ہو گا۔''

''تم سے تو ہر ایک کو پیار ہو گا۔ ذرا کالج کے لڑکوں سے ووٹنگ کرا لو، پھر دیکھنا اس شہر میں بلکہ کالج میں
کتنے ہیں تیرے چاہنے والے۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے مذاق سے کہا۔

''لیکن مجھے تو صرف ایک چاہنے والا ہی چاہیے وہ جو میرا شریک زندگی ہو گا۔'' سارہ نے کہا۔ لبوں پر
مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں اچھے مستقبل کے خوب صورت خواب تھے۔

''وہ کتنا خوش نصیب ہو گا؟''

''ماریہ! میں ایسا شریک زندگی چاہتی ہوں جو میری ساری محرومیوں کو دور کر دے۔ جو میری ساری محبتوں
کی کمی پوری کر دے۔'' سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ریڈیو، ٹی وی پر اعلان کرا دوں، اخبار میں اشتہار دے دوں ضرورت ہے ایک ایسے شریف النفس، مخلص
اور پیارے انسان کی جو سارہ حیدر کو محبت، محبت محبت اور صرف محبت دے سکے۔ سارہ کی روح اور دل کو سرشار
اور سیراب کر دے۔'' ماریہ نے پر مزاح انداز میں کہا۔

''میری زندگی کی کہانی صرف تم جانتی ہو، کسی دوسرے بندے کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ تم
میں نے دوست کی حیثیت سے اپنا دکھ کہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ.....''

''او یار! میں مذاق کر رہی ہوں' اب اپنے ڈیڈی جان کا غصہ مجھ پر مت نکالنا۔'' ماریہ نے اس کی بات
کاٹ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔ ڈیڈی کے ذکر پر دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔

سارہ کو حیدر لاج میں دادا ابا یعنی حیدر علی سے بہت پیار تھا۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہر ماہ اس کے
بینک اکاؤنٹ میں معقول رقم جمع کرا دیا کرتے تھے اور ان کے اس عمل کا صرف سارہ کو ہی علم تھا۔ عزیز حیدر بھی
سارہ کی کالج فیس، ہوسٹل فیس اور کتابوں کی رقم اس کے الگ سے کھلوائے گئے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرا
تھے اور پانچ سات ہزار روپے اس کے علاوہ اس کے دیگر اخراجات کے لیے دیتے تھے۔ وہ مہینے میں ایک دو بار
اسے فون کر کے اس کی خیریت معلوم کر لیتے۔ رقم ملنے کا پوچھتے۔ کئی بار وہ ان سے بات کرنے سے انکار کر دیتی
اور کہلوا دیتی کہ ان سے کہہ دیں کہ وہ سو رہی ہے۔ اب بھی دو بار ایسا ہی ہوا تھا۔ رات کو عزیز حیدر کا فون آیا
اس نے بات کرنے سے انکار کر دیا لیکن ماریہ اسے زبردستی بات کرانے لے گئی۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے
اس سے پوچھا۔

''ایڈمیشن فیس جمع کروا دی تم نے؟''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''جی کرادی۔''

''اور تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔''

''اسلام آباد کا موسم کیسا ہے؟''

''ہمیشہ جیسا ہی ہے سرد، ٹھنڈا اور برفاب۔'' اس نے ذو معنی جواب دیا مگر انہوں نے اس کے جواب کی معنویت اور گہرائی پر غور نہیں کیا اور کہنے لگے۔

''میں نے رقم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے۔ تم اپنے لیے گرم کپڑے خرید لینا۔''

''جی اچھا۔''

''ٹھیک ہے اب تم پڑھو جا کر اور تم نے ڈاکٹر بننا ہے اپنے اس مقصد کو ذہن میں رکھنا او کے۔ اللہ حافظ۔''

عزیز حیدر نے اس کی طرف سے الوداعی کلمات سنے بغیر فون بند کر دیا۔

''اللہ حافظ ڈیڈی۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

☆.....☆

حیدر لاج میں چھٹیوں میں وہ فارغ نہیں رہتی تھی۔ نعمت بوا جو خاندانی ملازمہ تھیں اور باورچن تھیں۔ ان سے نت نئے کھانے پکانا سیکھتی یا سعدیہ پھوپھو سے سلائی، کڑھائی سیکھنے کی کوشش کرتی۔ نوید اور عاصم بھائی کے بچوں کے ساتھ کھیلتی۔ دانش اور رامش کے ساتھ کھیلتی۔ انہیں پڑھاتی، انیلا، راحیلہ سے وہ بلاضرورت بات نہیں کرتی تھی مگر کسی سے بدتمیزی یا بداخلاقی سے بھی پیش نہیں آتی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

امینہ بیگم جو اس کی دوسری ماں کی حیثیت سے اس گھر میں آئی تھیں، ان سے بھی وہ بے تکلف نہیں تھی۔ نہ ہی انہوں نے اسے ماں بن کر بیٹی سمجھ کر اسے سینے سے لگانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ انہوں نے اسے ایک آدھ بار کے علاوہ کبھی اسلام آباد فون بھی نہیں کیا تھا۔ البتہ عید بقرعید پر اس کے لیے نئے کپڑے جوتے ضرور خریدتی تھیں۔ اس کے گھر آنے پر دو چار دن کھانے پر خاص اہتمام بھی کراتی تھیں۔ جب اس کے ڈیڈی ہی اس کے بارے میں حساس نہیں تھے تو وہ کیوں اس کے لیے فکر مند ہوتیں۔

وہ عزیز حیدر کو دو بیٹوں کی صورت میں وارث دے کر بہت خوش اور مطمئن تھیں۔ سارہ سے انہیں کبھی کوئی حسد یا خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ شروع میں سارہ کو ساتھ رکھنے کا کہتی تھیں مگر شوہر کے رویے نے انہیں بھی بے نیاز کر دیا سارہ سے۔ ان کا خیال تھا کہ سارہ خود ہی خاموش طبع، علیحدہ رہنے والی، تنہائی پسند لڑکی ہے اور اس کے اندر بچپنا بھرا ہے۔ جبھی وہ اپنے دادا ابا اور دونوں کزنز کے بچوں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی زیادہ وقت گزارنا پسند کرتی ہے۔ انہیں بلکہ کسی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ان سب سے اندر ہی اندر ناراض تھی۔ خاص کر عزیز حیدر سے وہ سخت نالاں اور خائف تھی۔ وہ ان سب کے سرد رویوں کے سبب ان کے سامنے ایسی بن جاتی تھی۔ یہ اس کا احتجاج بھی تھا اور غصہ بھی۔ چھٹیوں میں اس کا وہاں آنا بھی مجبوری تھی ورنہ وہ آنا بھی نہیں چاہتی تھی اب وہاں۔

وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ سارے شکوے گلے ساری ناراضیاں ساری تلخیاں اس نے اپنے اندر ہی جمع کر لی تھیں۔ وہ ان کی نظروں میں کٹھ پتلی تھی جس کی وہ اپنی خواہش کے مطابق ڈوریاں ہلاتے چلے آ رہے تھے۔ اب اس نے بھی زبان سے کہنا بند کر دیا تھا۔ بس سب کی سنتی تھی۔ ڈیڈی کے کہے پر عمل کرتی تھی اور دل ہی دل

میں ان سے ناراض رہتی تھی۔ انہوں نے اسے رقم مہیا کرنے کے سوا اپنی ہر ذمہ داری سے فارغ سمجھ لیا تھا۔ کے حصے کا پیار، توجہ، لاڈ سب دانش اور رامش میں تقسیم کر دیا تھا۔

یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ ان کے اس فعل نے اسے کتنے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کے دل کے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ اس کی آنکھوں کے کتنے آنسو اندر ہی اندر مرتے رہے ہیں۔ صرف ان کے کہے پر عمل خاطر وہ پھر کبھی روئی نہیں تھی۔ آنکھوں سے نہیں روئی تھی مگر دل تو ہر دم روتا تھا۔ اسے سب سے پیار تھا۔ لیے ان سب کے پیار کے لیے تڑپتی بھی تھی۔ اب تو اس نے خود کو بہت حد تک سمجھا لیا تھا، سنبھال لیا تھا۔

وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی سارہ اور ماریہ دونوں بڑھ چڑھ کر لیتی تھیں۔ فائنل ایئر سے پہلے کالج میں ورائٹی پروگرام شروع ہوئے۔ تقریریں، مباحثے، مشاعرہ، ڈراما، گا کا مقابلہ، سبھی پروگرام ہو رہے تھے۔ سارہ نے انگلش ڈیبیٹ میں پہلا انعام حاصل کیا اور ماریہ نے مباحثے میں اول انعام حاصل کیا اور ہر سال مباحثے میں اول آنے والا جنید عالم اس بار ماریہ کے مقابلے گیا۔ مباحثے کا موضوع تھا ''سائنسی ترقی کے انسانی جذبات پر مثبت اثرات'' تقریر ماریہ اور سارہ نے مل لکھی تھی۔ ماریہ نے موضوع کی مخالفت میں تقریر کی تھی اور جنید عالم نے حمایت میں دلائل پیش کیے ماریہ کا انداز بیاں اور دلائل سن کر ہال میں بیٹھے سامعین عش عش کر اٹھے اور جنید عالم بھی ماریہ کے انداز بیاں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تقریب ختم ہوئی تو جنید عالم ماریہ اور سارہ کے پاس چلا آیا اور ماریہ کو دیکھتے ہو مسکراتے ہوئے کہا۔

''مبارک ہو مس ماریہ بالآخر آج میں ہار گیا۔''

''جی ہاں بالآخر آپ مجھ سے ہار گئے۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واقعی میں آپ سے ہار گیا ہوں اور اب آپ کو جیتنا چاہتا ہوں۔'' جنید عالم نے اسے گہری نظروں دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ دونوں چونکیں۔

''جی.....!'' ماریہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر اس کے دلکش چہرے کو دیکھا۔

''یہ بتائیے کہ آپ کو جیتنے کے لیے مجھے اور کیا کچھ ہارنا ہوگا اس ٹرافی اور دل کے علاوہ؟'' جنید عالم اسے دیکھتے ہوئے بہت بے باکی سے پوچھا تو ماریہ جیسی تیز، پراعتماد لڑکی بھی سٹپٹا گئی۔ کیونکہ اس وقت پاس بہت سے اسٹوڈنٹس تھے۔

''لگتا ہے اس ہار نے آپ کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔'' ماریہ نے سنبھل کر کہا۔

''بجا فرمایا آپ نے۔'' جنید نے ہنستے ہوئے کہا۔ سارہ بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھی۔

''تو اب مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں؟'' ماریہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''آپ کا ہاتھ چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟'' اس کی حیرت دیدنی تھی۔

''کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ میں اس لڑکی کو اپناؤں گا جو مجھے شکست دے گی، مجھے ہرائے گی اور آ دیکھ کر تو بندہ ویسے ہی اپنا دل ہار سکتا ہے۔ آپ کو جیت کر یہ ٹرافی بھی جیت لوں گا جو آپ کے ساتھ میر آجائے گی۔'' جنید نے اسے والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

''دیکھیے مسٹر جنید! آپ ہم سے ایک سال سنیئر ہیں اس لیے ہم آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ لیکن ا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ یوں راہ چلتے مجھ سے اظہار عشق فرمانے لگیں۔ ایک ہار اور ٹرافی کے لیے آپ میری پوری زندگی پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔''

''صرف زندگی پر نہیں دل پر بھی قابض ہونا چاہتا ہوں آپ تو خوب بڑی بڑی تقریریں کرتی ہیں اور میری بات کا مطلب غلط لے رہی ہیں۔ آپ مجھے اس ہار کی وجہ سے ہی نہیں ایک سال پہلے سے پسند ہیں۔ آپ اپنی کامیابیوں اور پراعتماد شخصیت کے باعث مجھے اچھی لگتی تھیں اور حسن اتفاق دیکھیے کے آپ ہی کے ہاتھوں مجھے آج مباحثے میں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور مجھے اس شکست کی خوشی ہے افسوس نہیں ہے اپنے ہارنے پر۔''

جنید دونوں کو حیران کیے جا رہا تھا اس کے انکشاف نے ماریہ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ جو لڑکی مجھے شکست دے گی میں اسے اپناؤں گا اب آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کو پہلے سے پسند تھی۔ پہلے کیوں نہ کہی یہ بات اور اب کیوں کہہ رہے ہیں؟'' ماریہ نے تفتیشی لہجے میں پوچھا۔

سارہ بس ان دونوں کو دیکھ اور سن رہی تھی۔ ان دونوں نے کئی بار جنید کو ایک اچھے مقرر اور ذہین طالب علم کی حیثیت سے آپس میں ڈسکس بھی کیا تھا مگر انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ایک دن وہ اس طرح ان کے روبرو کھڑا ہوگا اور ماریہ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہا ہوگا۔

''سچ کہوں سسٹر سارہ کی وجہ سے اور آپ کی تیز طبیعت کی وجہ سے ہمت نہ کر سکا۔ آپ بہت پراعتماد ہیں لڑکوں کو تو گھاس نہیں ڈالتیں اسی لیے جھجک سی تھی۔ آپ دونوں کی جوڑی اور دوستی مختلف اور مثالی ہے۔ ہمیں رشک آتا ہے آپ کی دوستی پر۔ اب اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمت مرداں مدد خدا کا جملہ آج بارہا کانوں میں سنائی دیا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ جنید عالم جب پیار کیا تو ڈرنا کیا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کہہ دو آگے تمہاری قسمت نا کہنے کا پچھتاوا تو نہیں رہے گا نا۔'' جنید نے ایمانداری سے جواب دیا۔

ماریہ اور سارہ کو اس کے چہرے، آنکھوں اور باتوں میں سچائی نظر آ رہی تھی۔ ماریہ کے تو دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے اسے۔

''جنید بھائی اب آپ کیا چاہتے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''آپ کی دوست کے گھر کا ایڈریس تاکہ میں اپنے امی ابو کو ان کے گھر ان کے والدین کے پاس رشتے کی بات کرنے کے لیے بھیج سکوں۔'' جنید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اپنا رشتہ آپ اپنے پاس ہی رکھیے۔ چلو سارہ۔'' ماریہ نے غصے سے کہا اور سارہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جنید فوراً ان کے آگے آ گیا۔

''آپ کی مرضی ویسے میں اب آپ کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ آپ کے گھر کا راستہ کچھ کچھ میں جانتا ہوں۔ ایڈریس کالج کے آفس سے معلوم کر لوں گا۔ آپ میرے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر لے لیجیے، یہ کارڈ ہے۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے ماریہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی شرٹ کی جیب میں سے کارڈ نکال کر بڑھایا۔

''ہم نے جب آپ سے رشتہ ہی نہیں جوڑنا تو کارڈ کیوں لیں۔'' ماریہ غصے سے بولی۔

''رشتہ تو آپ کو جوڑنا پڑے گا۔ اس لیے کہ کسی کا دل توڑنا اچھی بات نہیں ہوتی اور آپ تو ڈاکٹر بن رہی ہیں۔ ڈاکٹر تو اپنے مریض کے دل کا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' جنید نے کہا تو سارہ نے لب بھینچ کر ہنسی روکی۔ وہ کتنی دیدہ دلیری سے اظہار محبت کر رہا تھا وہ دونوں اس کی جرأت پر حیران تھیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''مجھے آپ کا علاج نہیں کرنا آپ کوئی اور ڈاکٹر ڈھونڈ لیں۔'' ماریہ نے رکھائی سے کہا تو سارہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ جنید عالم اب سارہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''سسٹر سارہ! آپ ہی انہیں سمجھائیں۔'' جنید نے سارہ سے مدد چاہی۔

''آپ اپنے دل کو سمجھائیں۔'' سارہ نے جواب دیا۔

''اور اگر میں اپنے دل کو سمجھانا ہی نہ چاہوں تو۔'' اس کی نظریں ماریہ کے چہرے پر مرکوز تھیں جہاں حیا اور گھبراہٹ کے مارے ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ اسے یوں ڈھٹائی سے پہلی بار کسی نے پروپوز کیا تھا۔ ایسی سچویشن میں کیا کرنا چاہیے اس وقت اسے ٹھیک سے سجھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔

''تو یہ کارڈ مجھے دے دیجیے میں سوچوں گی ماریہ کو سمجھاؤں گی پھر آپ کو بتاؤں گی۔''

''او تھینکس سسٹر۔'' جنید نے خوش ہو کر کارڈ اسے دے دیا۔

ماریہ نے سارہ کو گھورا مگر وہ مسکراتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہوسٹل آ گئی۔

''کیا ضرورت تھی کارڈ لینے کی؟'' ماریہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''کیا ضرورت تھی کارڈ والے کا دل لینے کی؟'' سارہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر شوخی سے کہا۔

''بکو مت' وہ لفاظی کا ماہر ہے پہلی بار ہارا ہے جبھی ایسے جال پھینک رہا ہے۔'' ماریہ نے چڑ کر کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

اس سے اس کی ہار، جیت میں تو نہیں بدلے گی نا۔ سب لوگوں کے سامنے اس کی ناکامی اور تمہاری کامیابی کا اعلان ہوا ہے۔ وہ مجھے سچا سچا سالگ رہا تھا تم سوچ لو۔ دیکھنا اس کی باتیں آج رات ہی تمہیں اپنے سحر میں جکڑ لیں گی اور تم بھی اس بیماریٔ عشق میں مبتلا ہو جاؤ گی۔ جبھی تو میں نے اس سے کارڈ لے لیا ہے تاکہ تمہاری بیماری پکڑنے سے پہلے ہی رجوع کیا جا سکے۔

''سارہ کی بچی تم بھی کم شاعرانہ و ساحرانہ باتیں نہیں کرتیں۔'' وہ شرما کر ہنس پڑی۔

''تو کیا خیال ہے اپنی کامیابی کو سلیبریٹ کیا جائے۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''وائے ناٹ؟ مبارک تمہیں خوشی کا یہ سماں، مبارک مبارک تمہیں یہ کہکشاں۔'' ماریہ نے اسے بازوؤں سے پکڑا اور جھوم جھوم کر گانے لگی۔ انگلش رقص کرتی سارہ کو ہنسائے چلی گئی۔

''ماریہ، چپ۔'' سارہ نے ہنستے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے سروں کا گلا گھونٹ دیا۔ ماریہ نے اسے گھورا اور پھر دونوں ہنستی ہوئی ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

☆.....☆

رات کو دانش کا فون آ گیا۔ اس نے میٹرک کے امتحان میں ٹاپ کیا تھا اسکول میں۔ سارہ فون سننے آئی تو ماریہ بھی اس کے ساتھ آ گئی۔ وہ موبائل فون پاس نہیں رکھتی تھی تاکہ وقت بے وقت گھر والوں کا فون نہ آئے اور اسے بات نہ کرنا پڑے ان سے۔

''اپیا! میں نے ٹاپ کیا ہے۔'' دانش خوشی سے بتا رہا تھا۔

''ٹاپ کیوں نہ کرتے آخر بھائی کس کے ہو؟'' سارہ نے خوش ہو کر کہا۔

''اپنی سارہ اپیا کا۔''

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں آگے بھی اسی طرح محنت کرنا اور یہ بتاؤ کہ اس کامیابی پر اپنی اپیا سے کیا انعام

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

لو گے؟''

''اپیا کا پیار۔'' دانش نے جواب دیا۔

''اوں، لو۔'' سارہ نے ماؤتھ پیس پر ہوا کے دوش پر اسے بوسہ دیا۔

''ایسے نہیں اپیا یہاں آ کر دیں۔'' دانش نے فرمائش کی۔

''اچھا چندا میں وہاں آ کر بھی تمہیں پیار دوں گی ابھی تو یہاں سے ہی میرا پیار قبول کرو اور ہاں رامش کو بھی میرا پیار دینا۔ گھر میں سب کو سلام کہنا ٹھیک ہے۔'' سارہ نے نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے اپیا اور اپیا گھر جلدی آیئے گا میں انتظار کروں گا آپ کا۔''

''اچھا میں جلدی آؤں گی اب تم جا کر سو جاؤ ٹھیک ہے شب بخیر۔'' اس نے پیار سے کہا۔

''شب بخیر خدا حافظ اپیا۔'' دانش نے خوشی اور جوش سے کہا اور فون بند کر دیا۔

''یار آج تو خوش خبری کا دن ہے۔ ہے نا۔'' سارہ نے ماریہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو جنید کے خیالوں میں گم کھڑی تھی۔

''ہوں..... ہاں..... ٹھیک کہا تم نے۔'' ماریہ نے چونک کر کہا۔

''ٹھیک تو میں نے کہا ہی تھا، پہنچ گئیں ناں جنید عالم کے عالم خیال میں۔ اس خوشیوں کے دن میں جنید عالم کی محبت کا اظہار بھی ایک خوشی ہے نا؟'' سارہ نے شوخی و شرارت سے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''سارہ کی بچی!'' وہ شرما کر ہنستی ہوئی اسے مارنے کے لیے دوڑی۔ سارہ اس سے بھی تیزی سے دوڑی تھی۔ دونوں کی ہنسی ہوسٹل کی راہداری میں گونج رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بہت انوکھا اور منفرد احساس تھا خوشی اور ہنسی کا ملاپ تھا۔ ہوسٹل کی وارڈن بھی انہیں یوں خوش دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

اتفاق سے ہفتے اور سوموار کی چھٹی آ گئی۔ اتوار کی چھٹی تو تھی ہی سارہ نے اچانک کراچی جانے کا پروگرام بنا لیا۔ دانش اور رامش کی سالگرہ میں ایک دن کا فرق تھا۔ ہفتے کو دانش کی سالگرہ تھی اور اتوار کو رامش کی۔ سارہ نے انہیں ان کی سالگرہ پر گھر پہنچ کر وش کر کے سرپرائز دینے کا سوچا اور ماریہ کے ساتھ بازار جا کر دونوں کے لیے تحائف خرید لیے۔ دانش کے لیے میٹرک کے امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کا تحفہ علیحدہ سے خریدا تھا۔ سارہ نے اپنی سیٹ بک کرائی شام تک وہ کراچی پہنچ جاتی۔ وہ جہاز کے ذریعے کراچی جا رہی تھی۔ ماریہ نے اس کے بیگ میں گفٹس رکھتے ہوئے کہا۔

''سارہ یار! جلدی واپس آ جانا۔ تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔''

''لگے گا اس بار تمہارا دل میرے بغیر ضرور لگے گا ماریہ ڈیئر۔ کیونکہ اس بار تمہارے خوابوں، خیالوں میں تنہائیوں میں جنید عالم جو موجود ہوں گے۔ تمہارا دل انہی سے لگے گا۔ وہ ہوں گے تمہارا دل لگانے کے لیے۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''سارہ کی بچی تم بہت بدتمیز اور شریر ہوتی جا رہی ہو۔ کل کو تم پر بھی یہ وقت آئے گا پھر پوچھوں گی تم سے۔'' ماریہ نے اس کے بازو پر مکا رسید کر کے شرماتے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اللہ مجھے اس وقت سے بچائے۔ بھئی میں افیئر چلانے کی قائل نہیں ہوں۔ میں تو ڈائریکٹ شادی کروں گی۔'' سارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہارے خیال میں، میں افیئر چلا رہی ہوں۔'' ماریہ نے اسے گھورا۔
''نہیں تم تو زبان چلا رہی ہو۔'' سارہ نے مذاق سے کہا۔ ''ساتھ ساتھ ہاتھ بھی۔''
''ٹھیک ہے پھر یہ پکڑو گاڑی کی چابی، اب ایئر پورٹ تک گاڑی خود چلا کر لے جانا۔'' ماریہ نے اپنی گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔
گاڑی کیا چیز ہے دوست تم کہو گی تو میں جہاز بھی خود چلا کر کراچی تک لے جاؤں گی۔''
''لوگوں کو مارنے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو یہ کام کرنے کے بجائے تم اپنا رخ زیبا ان کو دکھا دینا۔ بے چارے خود ہی مر جائیں گے تم پر۔'' ماریہ نے مذاق سے کہا۔
''نہ بابا مجھے کسی کا خون اپنے سر لینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تم ایئر پورٹ چلنے کی تیاری کرو اور اپنا بیگ بھی اٹھاؤ۔ میرے واپس آنے تک تم بھی اپنے گھر جا کر رہنا۔'' سارہ نے ہنس کر کہا اور اسے بڑی بہنوں کی طرح ہدایت بھی دی۔
''چلو!'' ماریہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ ''اکیلے تو میں بھی یہاں رہنے والی نہیں ہوں گھر ہی جانا بہتر ہے۔''
سارہ ایئر پورٹ سے ٹیکسی کر کے حیدر لاج کے گیٹ پر پہنچی تو شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ گیٹ کھلا تھا۔ اندر کئی گاڑیاں کھڑی تھیں اور حیدر لاج روشنیوں میں نہا رہا تھا۔ وہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے اندر چلی آئی۔ سفری بیگ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ حیرت سے حیدر لاج کی سجاوٹ کو دیکھ رہی تھی۔
''یہاں کیا ہو رہا ہے جو اتنی روشنیاں جگمگا رہی ہیں؟'' سارہ نے دل میں سوچا پھر اسے سامنے سے نعمت بوا آتی دکھائی دیں۔ وہ ان کی جانب بڑھ گئی اور انہیں سلام کیا تو انہوں نے بے اختیار اس کی بلائیں لے ڈالیں اور اس سے کہنے لگیں۔
''سارہ بٹیا، تمہارے ڈیڈی تو کہہ رہے تھے تمہاری پڑھائی ہو رہی ہے اس لیے تم نہیں آؤ گی مگر تم تو صحیح وقت پر گھر پہنچ گئیں۔ یہ تم نے اچھا کیا۔''
''نعمت بوا گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''
''تمہیں نہیں معلوم؟''
''نہیں۔''
''اے بٹیا! دانش کے امتحان میں اول آنے کی خوشی میں ان کی اور رامش میاں کی سالگرہ کی خوشی میں اور عزیز میاں کے بزنس میں کسی کامیابی کی خوشی میں یہ تقریب ہو رہی ہے۔ گھر میں مہمان ہی مہمان ہیں۔ خوب رونق لگی ہوئی ہے۔ اچھا کیا جو تم بھی آ گئیں۔ جاؤ جلدی سے تیار ہو کر ہال میں چلی جاؤ بس کیک کٹنے ہی والا ہو گا۔'' نعمت بوا نے اسے دیکھتے ہوئے خوشی خوشی ساری تفصیل بتائی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔
اس کے بغیر اس کے بھائیوں اور باپ کی خوشی مکمل تھی۔ اسے کسی نے اس تقریب میں شرکت کرنے کا کہنا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ اسے ایسے بھلا دیا تھا جیسے اس کا ان سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ جیسے وہ کوئی اجنبی ہو۔ سارہ کا دل دکھ سے کٹتا چلا جا رہا تھا۔ ساری خوشی سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اسی وقت واپس چلی جائے مگر اس وقت جانا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا اور پھر وہ ان سب پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اسے ان کے اس رویے سے کتنی تکلیف پہنچی ہے۔ کتنی ہتک محسوس ہوئی ہے۔ اسے اپنے غم و غصے کو ہمیشہ کی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

طرح اس بار بھی اپنے اندر ہی دبا لینا تھا۔ اسے تو اس گھر کے گھر والوں کے سکون واطمینان کے لیے دور بھیجا گیا تھا پھر بھلا وہ اپنی خوشی کے موقع پر اسے کیوں بلاتے؟

''تم چلو نا اندر یہاں کیوں کھڑی ہو۔ میں ذرا باورچی خانے میں دیکھ لوں کسی چیز کی کمی نہ رہ جائے۔ کھانے کا خوب اہتمام ہوا ہے۔'' نعمت بوا نے تیزی سے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل دیں۔ سارہ کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لے اور ان کی خوشیوں پر پانی پھیر دے مگر وہ ایسا بس لمحے بھر کو ہی سوچ سکی تھی۔ اس سوچ پر عمل کرنا اس کے مزاج اور فطرت کے خلاف تھا۔ وہ ان کی خوشی خراب کر ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ سب اس کے اپنے تھے اس کا خون، خاندان تھے۔

سارہ حیدر ایسا کر کے کون سا تمہاری نظر انداز کیے جانے کی تکلیف اور اذیت کم ہو جائے گی۔ کون سا تمہاری تذلیل اور ہتک کا احساس مٹ جائے گا۔ پھر کیا فائدہ ہے چیخنے چلانے یا احتجاج کرنے کا۔ ڈیڈی کوئی بچے تو نہیں ہیں کہ انہیں ان کے رویے کا احساس دلایا جائے۔ دانش اور رامش ان کے بیٹے ہیں تو تم بھی تو ان کی بیٹی ہو، سگی اولاد ہو۔ جب ان کا دل ہی تمہارے لیے نہیں تڑپتا تو تم ان سے محبت اور احساس کی خیرات مانگ کر خود کو اپنی نظروں میں کیوں گرانا چاہتی ہو۔ اب تو تم عادی ہو چکی ہو ان کے بغیر ان کی توجہ، محبت اور شفقت کے بغیر رہنے کی۔ اب کیا فائدہ ہے ان سے کچھ کہنے کا؟ بہتر ہے کہ تم اب بھی خاموش ہی رہو۔'' سارہ اپنے دل میں خود کو سمجھاتی ہوئی اپنا بیگ ہاتھ میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے چلتی بیک سائیڈ سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک لان کی جانب مڑتے ہوئے صارم سے ٹکرا گئی۔ وہ اپنی ہی دھن میں ہاتھوں میں بُکے لیے آ رہا تھا۔ بُکے اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ اس نے اسے دیکھا نہیں تھا اس کے پاؤں میں لیڈی شوز دیکھ کر یہی سمجھا کہ شاید راحیلہ ہے اور بُکے اٹھاتے ہوئے جھلا کر بولا۔

''تم دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔''

''کیوں؟ کیا آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے؟'' سارہ نے تپ کر کہا تو اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اسے دیکھ کر جیسے اس کا دل لمحے بھر کو دھڑکنا ہی بھول گیا اس سے پہلے کہ وہ اپنی حیرت پر قابو پا کر اس کے سوال کا جواب دیتا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''عجیب لڑکی ہے، اچانک ہی وارد ہوتی ہے اور جسم و جان میں بے کلی پھیلا کر چلی جاتی ہے۔''

''صارم تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو سب تمہارا پوچھ رہے ہیں؟'' سعدیہ اسے ڈھونڈتی ہوئی اُدھر آ نکلیں اور اسے وہاں کھڑا دیکھ کر پوچھا تو وہ بتانے لگا۔

''وہ آئی ہیں آندھی اور طوفان کی طرح تباہی مچاتی ہوئی زن سے اندر گئی ہیں۔''

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''وہی آپ کی لاڈلی نک چڑھی مغرور اور اکھڑ بھتیجی صاحبہ۔'' اس نے یہ آواز بلند کہا تا کہ آواز سارا کے کانوں تک پہنچ جائے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ سارہ نے اس کی آواز واضح طور پر سنی تھی اور دکھ سے دروازے سے سر ٹکا دیا تھا۔

''کون سارہ؟'' سعدیہ پھوپھو کا لہجہ خوشی سے معمور تھا۔

''جی ہاں، ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے سارے موڈ کا، اچھا بھلا سکون سے جا رہا تھا کہ طوفان بپا کر کے چلتی بنی ہیں محترمہ۔'' صارم نے مُرور سے معنی خیز جملہ کہا۔ سارہ اس کے لفظوں سے بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی

بات کی گہرائی اور معنی خیزی کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا کہ اصل میں اپنے پیار بھرے بے کل جذبوں کی بات کر رہا تھا۔ وہ اس وقت یہ سب سمجھنے کی کیفیت میں تھی ہی نہیں۔

''اچھا تم تو ہال میں چلو، سارہ بھی تیار ہو کر آجائے گی۔'' سعدیہ پھوپھو نے اس کا بازو پکڑ کر اسے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''پھر تو اور بھی قیامت ڈھائے گی۔'' صارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لہجہ اور جملہ معنی خیز تھا ہمیشہ کی طرح۔

''صارم!'' سعدیہ پھوپھو نے اسے گھورا تو وہ ہنستا ہوا ہال کی طرف چلا گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دیں۔

سارہ نہیں آئی ہال میں تو وہ یہی سمجھیں کہ صارم نے مذاق کیا ہوگا کیونکہ وہ اکثر انہیں اس کی آمد کی جھوٹی خبریں دے دے کر ان کی کیفیت سے لطف اٹھاتا تھا۔ ان سے مذاق میں ایسا کیا کرتا تھا وہ۔ وہ سارہ سے پیار جو بہت کرتی تھیں۔

ہال میں کیک کٹ چکا تھا۔ تالیاں بجتے، برتن بجتے، ہنستے بولنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں سارہ کے کمرے تک آرہی تھیں اور وہ دکھ اور اذیت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس نے وضو کر کے عشاء کی نماز ادا کی سورۂ یٰسٓ اور سورۂ ملک کی حسبِ معمول تلاوت کی اور اپنا بیگ بستر پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے بیگ کی زپ کھولی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجائیے دروازہ کھلا ہے۔'' سارہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''دروازہ کھلا ہوتا تو میں اس قدر خوار نہ ہوتا۔'' صارم نے اندر داخل ہوتے ہوئے ذو معنی بات کہی۔

''صاف بات کیجیے۔'' سارہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے فی الحال مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور آپ تقریب میں شریک کیوں نہیں ہوئیں؟''

''میں بن بلائے مہمان نہیں بنا کرتی۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن یہ تو گھر کی تقریب تھی۔ آپ کے بھائیوں اور ڈیڈی کی کامیابی کی خوشی کی تقریب تھی یہ۔'' صارم اس کے جواب کو محسوس کر کے سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔

''انہوں نے مجھے اپنی خوشی میں شریک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ انہوں نے تو مجھے اس تقریب میں مدعو نہیں کیا تھا۔ میری کالج کی دو چھٹیاں تھیں تو میں خود ہی چلی آئی۔'' اس نے بیگ میں سے گفٹ پیک نکال کر رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ آہی گئی تھیں تو شریک بھی ہو جاتیں۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس سے کیا ہوتا؟''

''سب خوش ہو جاتے۔'' صارم کو اپنی بات بے وزن سی کھوکھلی سی محسوس ہوئی تھی۔

''سب خوش ہی تھے میری شرکت کے بغیر بھی۔'' سارہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے اس طرح اتنی بڑی تقریب میں نہ بلانے کا نظر انداز کیے جانے کا ملال تھا۔ وہ ہرٹ ہوئی تھی اور ہونا بنتا بھی تھا۔

''خیر آپ چل کر کھانا کھالیں۔'' اس نے بات بدل دی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''جس انداز سے ہال میں لوگ کھانے پر ٹوٹے ہیں اس سے لگتا ہے کہ کچھ مشکل ہی سے بچے گا۔ میں نے آپ کو بتانا تھا بتا دیا۔ اب بعد میں کھانا نہ ملے تو میرا دماغ مت کھائیے گا۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بے فکر رہیے مجھے خالی برتوں میں منہ مارنے کی عادت نہیں ہے۔'' سارہ نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے لاجواب کر دینے سے وہ اور کھسیانا سا ہو گیا تھا۔

''ارے لاحول ولاقوۃ۔ خواہ مخواہ اسے غصہ دلا دیا۔ جب وہ بے تکلفی پسند ہی نہیں کرتی تو مجھے کیا ضرورت تھی اس سے ایسی بات کہنے کی۔ اب ہو گئی نا عزت افزائی چل بھئی صارم میاں رت جگے کی تیاری کر لے۔'' صارم نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔

☆.....☆

تقریب ختم ہونے اور مہمانوں کے جانے تک سارہ سو گئی اور صبح وہ سب چھٹی ہونے کے باعث دیر تک سوتے رہے۔ سارہ تیار ہو کر حیدر کے کمرے میں گئی۔ ان سے کچھ دیر باتیں کرتی رہی۔ پھر ان کی گاڑی کی چابی لے کر باہر آ گئی۔ اور ان کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ صارم نے اپنے گھر کی بالکونی سے اسے گاڑی میں بیٹھتے اور پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے ''حیدر لاج'' کے گیٹ سے باہر لے جاتے دیکھا تو حیران پریشان رہ گیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ گاڑی بھی ڈرائیو کر سکتی ہے۔ وہ تیزی سے نیچے آیا اپنی موٹر بائیک کی چابی اٹھائی اور بائیک پر بیٹھ کر سارہ کے تعاقب میں نکل گیا۔ کافی دیر تک تو سارہ پر ہجوم سڑکوں پر گاڑی دوڑاتی رہی اور صارم کو اس مہارت سے ڈرائیونگ کرتی سارہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی رہی پھر وہ سی سائیڈ کی طرف چلی آئی۔

سردیوں کے دن تھے صبح کے گیارہ بجے تھے۔ سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ سارہ گاڑی کھڑی کر کے چلتی ہوئی سمندر کے قریب آ کر رک گئی۔ سمندر کی لہریں اسے دیکھ کر استقبالیہ انداز میں اس کے پاؤں سے آ آ کر لپٹنے لگیں۔ صارم بھی اپنی بائیک اس کی گاڑی کے قریب روک کر وہیں کھڑا اسے دیکھنے لگا۔ چاکلیٹی رنگ کے شلوار قمیص میں اوپر سیاہ رنگ کا لیڈی کوٹ پہنے سیاہ مفلر گلے میں ڈالے وہ چہرے سے بہت افسردہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ریشم سے سیاہ بال سمندر کی ہوا کے ہاتھوں لہرا رہے تھے۔

''سارہ۔'' صارم نے اس کے قریب جا کر پکارا۔

''آپ۔'' سارہ حیرانی سے اسے دیکھا۔

''تم اتنی صبح یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے چہرے کے دلکش نقوش وارفتگی سے دیکھنے لگا۔

''دن کے گیارہ بج رہے ہیں اتنی صبح کہاں ہے یہ اور کراچی کے لوگ اپنی خوشی، غمی اور خودکشی کو اکثر سمندر پر ہی سلیبریٹ کرتے ہیں تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی آج سمندر کو..... شرف میزبانی بخش دوں۔'' سارہ نے سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''تم یہاں کیا سلیبریٹ کرنے آئی ہو خودکشی؟'' وہ پریشان ہو رہا تھا۔

''آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔'' سارہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا تو اس نے اپنے دل میں کہا۔

''میں تو تمہیں اپنا دل سمجھتا ہوں۔''

''میں نے تمہیں بزدل تو کبھی بھی نہیں سمجھا۔'' صارم نے نرم لہجے میں کہا۔

''تو پھر کیا سمجھا ہے؟''

''وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' وہ اس کے حسین چہرے کو چاہت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ابھی کیوں نہیں؟''

''ابھی بتا دیا تو تم غصے میں آ جاؤ گی، برا مان جاؤ گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کے لہراتے بال

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اس کے چہرے کو چھو کر گزر گئے۔ صارم اس کی زلفوں کی خوشبو میں بھیگ گیا۔ اس کے فرار کا ہر راستہ بند ہونے لگا سارہ کو دیکھ کر۔

''اوکے ابھی نہیں تو پھر کبھی نہیں۔'' سارہ غصے سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''دیکھا!! میں نے ابھی وہ بات کہی بھی نہیں ہے اور تمہیں غصہ آ گیا۔ کہوں گا تو تم تو قیامت کھڑی کر دو گی۔'' اس نے ہنس کر اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

''قتل ہی کر دو گی میرا۔''

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔'' وہ غصے سے بولی۔ ''میں سب سمجھتی ہوں کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟''

''تم سب سمجھتی ہی تو نہیں ہو سارہ ڈیئر۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈیئر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سارہ نے غصے سے سلگ کر کہا۔

''کوئی ڈیئر ہو تو اسے ڈیئر (پیاری، عزیز) کیوں نہ کہا جائے؟'' صارم نے نرم لہجے میں کہا تو سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اسے جو کہانی سنا رہی تھیں وہ اسے حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ مگر فوراً ہی اس کی رات والی اپنے بارے میں کہی باتیں یاد آ گئیں اور اس نے کسی بھی خوش کن اور لطیف خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کس کو کتنی ڈیئر (عزیز) ہوں۔'' یہ کہہ کر سارہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے پیچھے آتے ہوئے دیکھا۔

''سمندر سے کیا شیئر کرنے آئیں تھیں اپنی خوشی، غمی یا۔''

''آپ کیجیے شیئر جو آپ کا دل چاہے ویسے بھی کراچی والوں کی غمی خوشی سمندر کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔'' اس نے گاڑی کے قریب پہنچ کر کہا۔

''تم کراچی کی نہیں ہو کیا؟''

''میں تو کسی کی بھی نہیں ہوں۔'' سارہ نے افسردگی سے کہتے ہوئے گاڑی کا لاک کھولا۔

''تم تو میری ہو صرف میری۔'' صارم نے اپنے دل میں کہا مگر زبان سے کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ جانتا تھا وہ ایک پل میں غصے میں آ جاتی تھی پارہ ہمیشہ ساتویں آسمان پر رہتا تھا اس کا۔

''ایسا مت کہو سارہ۔'' صارم نے پیار سے کہا تو اس کے لہجے کی بے قراری نے ایک بار پھر سارہ کو چونکا دیا۔

''اب نہیں کہوں گی۔'' اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا لہجہ تھکا ہوا سا تھا یا شاید صارم کو ہی محسوس ہوا۔

''اچھا رات والی بات پر میری معذرت قبول کرو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ہو۔''

''عجیب شخص ہے پہلے دل دکھاتا ہے پھر معذرت کرتا ہے۔'' سارہ نے دل میں سوچا۔ کھیل ہی سمجھ لیا ہے اس نے تو میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گیا۔

''آپ کو ایک مغرور، نک چڑھی اور اکھڑ لڑکی سے معذرت زیب نہیں دیتی۔'' سارہ نے اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خجل سا ہو کر اپنا سر کھجانے لگا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''کاش! تم ان ساری باتوں کے معنی خود سمجھ سکو۔'' صارم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نظریں چرا کر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

''سارہ! تم عمدہ مگر بہت تیز ڈرائیونگ کرتی، ہو تم نے ڈرائیونگ کہاں سے سیکھی؟'' وہ گاڑی کے دروازے پر بازو ٹکا کر جھک کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ پتا نہیں کیوں دل نہیں چاہ رہا تھا وہ جائے وہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔

''جہاں سے اور بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''سنو! میرے ساتھ بائیک پر چلو گی۔'' صارم نے بے اختیار ہو کر اسے پیش کش کی۔

''شکریہ، مجھے اس واہیات سواری پر ایک نامحرم مرد کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں ہے۔'' سارہ نے یہ کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

''چلیے ہم محرم بننے تک انتظار کیے لیتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ آن کی آن میں گاڑی اس کی نظروں سے دور لے گئی۔

گھر پہنچی تو سب جاگ چکے تھے اور ناشتے کی میز پر جمع تھے۔ اس نے سب کو سلام کیا۔ سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دانش اور رامش کو اس نے سالگرہ کے تحفے دیے تو وہ دونوں بہت خوش ہوئے اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے گلے سے لگ گئے۔ اس نے ان دونوں کو پیار کیا۔ صارم بھی پہنچ گیا تھا اور یہ منظر دیکھتا ہوا اپنے گھر کی طرف نکل گیا۔ کسی نے اس سے تقریب میں شامل ہونے کا شکوہ نہ کیا البتہ اسے تقریب کی روداد ضرور سناتے رہے اور وہ سنتی رہی اور اگلے دن وہ واپسی اسلام آباد آ گئی۔ اور کراچی کی ساری بپتا اسے کہہ سنائی۔ یعنی ماریہ کو۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''جی تو ماریہ زبیری! اب آپ بتائیے کہ آپ کا عشق کہاں تک پہنچا؟'' سارہ نے اپنی کہانی سنانے کے بعد اس سے اس کے متعلق پوچھا۔

''کونسا عشق؟'' وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''اب ہم سے چوری نہیں چلے گی پیاری، کہو جنید عالم کے معاملے میں تمہارا دل کہاں تک پہنچا ہے؟'' سارہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں یار! ہم لڑکیاں کتنی ہی بولڈ اور ایڈوانس کیوں نہ ہو جائیں۔ دل کے معاملے میں فوراً مات کھا جاتی ہیں۔ ادھر کسی نے پیار کے دو بول بولے نہیں ادھر ہم نے دل اس کے قدموں میں رکھا نہیں۔ بس میرا دل بھی اس کی باتوں میں اٹک کر رہ گیا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا جنید کی باتوں نے واقعی مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا ہے۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟'' ماریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''سارہ کو یہ تیز سی، شریر، بولڈ اور پراعتماد ماریہ اس وقت جھینپی جھینپی شرمائی، گھبرائی اور بے بسی سے اپنی کیفیت سناتی بے حد پیاری لگی۔ اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس نے دل میں اس کی خوشیوں بھری زندگی کی دعا بھی کر ڈالی۔

''جنید کے پروپوزل کے لیے ہاں کر دو۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر وہ فلرٹ نکلا تو۔''

''تو ہم اس کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دیں گے۔ ایسی درگت بنائیں گے موصوف کی کہ پھر کبھی کسی لڑکی سے

اظہار پسندیدگی فرمانے کے خیال سے بھی خوف کھائیں گے۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''پروپوز کیا۔ سچے ہوں گے تو اپنی فیملی کو بھیجیں گے تمہارے گھر، افیئر چلانے کی فرمائش نہیں کریں گے۔''

''تو اسے بتایا کیسے جائے؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو، پہلے میں تمہاری ممی سے بات کروں گی اپنے طریقے سے کہ ایک خوش شکل اور عقل شخص نے مجھے ماریہ کے رشتے کے سلسلے میں آپ سے بات کرنے کا کہا ہے اگر آپ راضی ہوں تو لڑکے گھر منگا کر دیکھ لیں۔ اچھی طرح چھان پھٹک کر چیک کر لیں۔ کہیں اس میں پھپھوندی یا دیمک تو نہیں لگی ہوئی ملاوٹ شدہ تو نہیں ہے۔ پھر جو وہ فیصلہ کریں یعنی تمہاری ممی اور ڈیڈی وہی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' سارہ مسکراتے ہوئے پرمزاح انداز میں کہا تو وہ ہنس دی۔

''ٹھیک ہے پھر تم ممی سے آج ہی بات کرلو۔'' ماریہ نے اس کی تجویز سے متفق ہو کر کہا۔

''او ہو..... بڑی جلدی ہے۔ جنید عالم کی دلہنیا بننے کی۔'' سارہ نے اس کے چہرے کو چھوتے ہو شرارت سے کہا تو وہ شرما کر ہنس پڑی اور پھر کہنے لگی۔

''میرا مطلب تھا کہ ممی سے کسی وقت بات کر لینا۔ ابھی مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے ہاؤس جاب مکمل ک ہے اس کے بعد شادی کروں گی۔ فی الحال منگنی ہی کافی ہوگی۔''

''گویا آپ دل و جان سے اس رشتے کے لیے راضی ہیں۔ صدقے جاؤں تمہارے۔ آپ کی خواہش پورا پورا خیال رکھا جائے گا شہزادی حضور۔'' سارہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے سر کو ذرا سا خم کر کے شاہانہ میں کہا۔

''تم پوری مسخری ہو۔'' ماریہ ہنس پڑی تو سارہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

''جی نہیں زندہ دل اور خوش مزاج ہوں۔'' سارہ نے اترا کر کہا تو وہ ہنسنے لگی۔ اور پھر سارہ نے ماریہ کی بیگم شاہینہ زبیری سے جنید عالم کے پروپوزل کا ذکر کیا۔ انہوں نے اپنے شوہر احسان زبیری سے بات کی دونوں نے باہمی رضامندی سے سارہ کو جواب دیا کہ وہ جنید عالم اور اس کے گھر والوں کو ان کے ہاں آنے دعوت دے دے۔ سارہ نے ایسا ہی کیا جنید عالم کو کالج میں یہ خبر سنائی تو وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''او یو آر گریٹ سسٹر سارہ۔'' جنید عالم نے خوش ہو کر اس سے کہا۔

''یہ سسٹر آپ اوپر اوپر سے ہی کہہ رہے ہیں یا دل سے کہہ رہے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''دل سے کہہ رہا ہوں میری کوئی چھوٹی سسٹر تو ہے نہیں اب آپ میری سسٹر بن جائیں۔''

''ٹھیک ہے پھر آپ کو بھی بھائی بن کر دکھانا ہوگا۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کا بھائی بن کر آپ تو ہوں گی ناں ماریہ کے گھر پر میں آپ کو ا ممی ڈیڈی سے بھی ملواؤں گا۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ضرور میرے بغیر ماریہ کوئی کام نہیں کرتی۔'' سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر تو آپ کو سسٹر بنانا اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔'' جنید نے شوخی سے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

اگلی شام کو احسان ولا میں جنید اپنے والد امین عالم اور والدہ بیگم عشرت امین کے ہمراہ موجود تھا۔ ماریہ ساتھ ساتھ جب سارہ بھی ان کے سامنے آئی تو سارہ اور بیگم عشرت امین نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور پ یادوں کی فلم ایک لمحے میں ان دونوں کی نگاہوں کے سامنے چل گئی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''سارہ بیٹا یہ آپ ہیں۔'' بیگم عشرت امین نے اسے دیکھتے ہوئے خوشگوار حیرت سے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''جی آنٹی یہ میں ہوں سارہ عزیز حیدر۔''

''واٹ اے پلیزنٹ (خوش کن) سرپرائز! سارہ کیسی ہو بیٹا! جنید نے تمہیں ہی اپنی بہن بنایا ہے نا؟'' وہ سارہ کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے خوشی سے پوچھ رہی تھیں۔ ماریہ کے پیرنٹس انہیں حیرت سے تک رہے تھے۔

''جی آنٹی! جنید بھائی نے مجھے ہی بہن بنایا ہے۔'' اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''جنید بیٹا! سارہ تو میری منہ بولی بیٹی بنی ہوئی تھی۔ اسکول میں یہ میری لاڈلی اور بہترین اسٹوڈنٹ تھی۔ اب یہ تمہاری بہن بھی ہے۔'' بیگم عشرت امین نے جنید سے کہا۔

''امی! اتنی پیاری اور قابل بہن کا بھائی بن کر میں فخر محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ جس سارہ کا ذکر کرتے نہیں تھکتیں وہ یہ سارہ ہیں۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے کہا تو سارہ ہنس پڑی۔

''اور مجھے تو یہ جان کر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میری ہونے والی بہو سارہ کی سہیلی ہے۔ اس حوالے سے یہ مجھے اور بھی عزیز ہو گئی ہے۔'' بیگم عشرت امین نے سارہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ان کے ہر انداز سے سارہ کے لیے پیار جھلک رہا تھا۔ سارہ کو بہت خوشی ہو رہی تھی ان سے مل کر۔

''آنٹی سارہ تو عزیز پہلے ہی سے ہے۔'' ماریہ نے کہا تو وہ سب ہنس پڑے۔

''سارہ بیٹا مجھے آپ کو اس مقام پر دیکھ کر مسرت ہو رہی ہے۔ میرا تو ٹرانسفر ہو گیا تھا دوسرے شہر اس لیے آپ سے رابطہ بھی نہیں رکھ سکی لیکن اب میں یہیں ہوں اور آپ کو مجھ سے مسلسل رابطے میں رہنا ہے۔ میں نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ کچھ عرصہ قبل اب تو میں گھر پر ہی ہوتی ہوں۔ پوتا پوتی کے ساتھ مصروف رہتی ہوں۔'' بیگم عشرت امین ان سب کو دیکھتے ہوئے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔

پھر ماریہ اور جنید کے رشتے کی بات انہوں نے چھیڑی۔ احسان زبیری نے ملنے جلنے کے سلسلے کو جاری رہنے اور سوچنے کا وقت مانگا اور کچھ دنوں تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا۔ احسان زبیری اور بیگم شاہینہ زبیری نے جنید اور اس کے خاندان کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کر لی اور ایک حسین شام کو جنید عالم کے نام کی انگوٹھی ماریہ کی انگلی میں پہنا دی گئی۔ سارہ نے اس تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جنید سے بڑے وحید عالم تھے اور بہن مدحت سلیم جو دونوں شادی شدہ اور بچوں والے تھے۔ جنید تیسرے اور آخری نمبر پر تھا۔ امین عالم اکیسویں گریڈ کے افسر تھے سرکاری محکمے میں اور ایک خوش حال زندگی بسر کر رہے تھے وہ سب۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنید کی ماریہ اور سارہ سے اچھی خاصی دوستی اور بے تکلفی ہو گئی تھی۔ جب تک جنید کالج میں رہا ان دونوں کو اپنی تعلیمی خدمات بھی پیش کرتا رہا۔

سارہ اکثر سوچتی کہ غیر لوگ اس سے اتنا پیار کرتے ہیں اسے اپنے لیے اس قدر اہم سمجھتے ہیں جب کہ اپنوں نے اسے ایک اجنبی ایک مہمان ہی سمجھا تھا ہمیشہ جو چھٹیاں گزارنے اپنے عزیز رشتے داروں کے گھر پر کچھ عرصہ گزارنے جاتے ہیں اور پھر واپس اپنے اصل ٹھکانے پر لوٹ آتے ہیں۔

اسے حیدر لاج والوں نے اپنی ہر اہم تقریب سے دور رکھا تھا۔ حتیٰ کہ تین چار سال پہلے جب نوید اور عاصم بھائی کی شادیاں ہوئی تھیں تب اس کے امتحانات کی تاریخ کا بھی خیال نہیں کیا گیا تھا۔ شادیاں اپنی مرضی سے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

طے کردی گئی تھیں۔ تاریخ آگے پیچھے کرنا کسی نے گوارہ نہیں کیا کہ اس طرح سارہ بھی گھر میں ہونے والی شادیوں میں شریک ہو جائے گی۔ اس رویے سے سارہ نے خود کو بہت بے وقعت محسوس کیا تھا۔ اسے بہت دکھ اور صدمہ پہنچا تھا۔ ان سب کی بے حسی، بے رخی اور لاتعلقی سے کسی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ تمہارے بغیر شادی کا مزا نہیں آئے گا۔ ہم تمہارے امتحانات ختم ہونے کا انتظار کر لیتے ہیں۔ شادی کی تاریخ آگے بڑھا دیتے ہیں حتیٰ کہ سعدیہ پھوپھو نے بھی اسے اپنے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لیے نہیں کہا تھا۔ کہا تو صرف یہ کہا تھا کہ ''سارہ بیٹا! تمہارے امتحان ہو رہے ہیں ورنہ عاصم اور انیلا کی شادی میں تم بھی شریک ہو جاتیں۔ بہر حال امتحان زیادہ اہم ہیں تم دل لگا کر پڑھو۔''

اور سارہ ان کی اس بات سے بجھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی تو یوں بھی چار چھ چھٹیاں ہوتی تھیں زیادہ سے زیادہ۔ اتنے کم دن کے لیے وہ گھر جایا کرتی تھی۔

☆.....☆

وقت گزرتا چلا گیا اور اب وہ میڈیکل کے فائنل ایئر کے امتحان کی تیاری کر رہی تھی کہ حیدر لاج سے بلاوا آ گیا اور اس کی زندگی کی جھیل میں کسی نے کنکر پھینک دیا۔ کنکر بھی کیا بہت بڑا پتھر پھینک دیا تھا جس نے اسے نہ صرف یہ کہ منتشر کر دیا تھا بلکہ چوٹ بھی پہنچائی تھی۔ گہرا صدمہ اور دکھ دیا تھا۔

صارم اور سارہ اسلام آباد جانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ سارہ اپنے شولڈر بیگ میں ضروری چیزیں رکھ رہی تھی۔ صارم نے اسے حسرت سے دیکھا اور پھر اس کے پاس چلا آیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر اس نے اس میں سے ایک مخملی ڈبیا نکالی اور کھولی اس میں سونے کا بہت نفیس اور نازک سا سفید رنگ جڑا جیولری سیٹ دمک رہا تھا کہ یہ تحفہ اس نے سارہ کو رونمائی پر دینا تھا مگر حالات نے موقع ہی نہیں دیا تھا۔

''یہ آپ کی رونمائی کا تحفہ ہے لائیں میں پہنا دوں۔'' صارم نے لاکٹ ہاتھ میں لے کر کہا تو اس نے حیرت سے پہلے لاکٹ سیٹ اور پھر صارم کو دیکھا۔

''مگر.....'' وہ ہچکچائی۔

''اوں ہوں، کوئی اگر مگر نہیں چلے گی ورنہ امی کے سوالات کے جوابات آپ ہی دیجیے گا۔'' صارم نے بہت نرمی سے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو کر نظریں جھکا گئی۔ صارم نے لاکٹ اس کی صراحی دار گردن میں پہنا دیا اور پھر بریسلٹ اس کی کلائی میں پہنانے لگا تو اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے لمس کے شعلے اسے روح تک جھلسا رہے تھے۔ پگھلا رہے تھے۔

''آپ کے دادا ابا کا انتقال ہوا ہے شوہر کا نہیں۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو بے شک یہ اتار دیجیے گا۔'' صارم نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو اس کا دل خوف زدہ ہو کر دھڑکا۔ اس نے ہراساں ہو کر اسے دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے بریسلٹ اس کی کلائی میں سجا دیا۔ پھر انگوٹھی پہنائی اور چوڑیوں کے ڈبے میں سے اس کے لائٹ پرپل کامدار ملبوس سے ہم آہنگ چوڑیاں نکال کر اس کی دوسری کلائی میں بھر دیں اور اس کے دونوں ہاتھوں کی پشت پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی۔ وہ جیسے بت بنی کھڑی تھی۔

''یہ ایئر رنگز (کان کی بالیاں) آپ خود پہن لیجیے۔'' صارم نے کہا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی اور سیٹ کے ساتھ کے ایئر رنگز خود ہی کانوں میں پہن لیں۔ اس سے پہلے اسے خدیجہ بیگم اور سعدیہ پھوپھو نے میٹرک میں ٹاپ کرنے پر سونے کی بالیاں تحفے میں دی تھیں۔ اسے بالیاں پہنتے ہوئے یاد آ رہا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"میں تیرے لمس کے احساس میں گم ہو رہی ہوں
میں اپنی ذات سے نکل کر تم ہو رہی ہوں

سارہ کے لیے اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ صارم کا پیار بھرا رویہ اسے الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ کہاں تو وہ ہر وقت اسے طنز کر کر کے ستایا کرتا تھا اور کہاں یہ وقت کہ وہ سراپا پیار بنا اس پر برستا جا رہا تھا۔ اس کا وہ رویہ حقیقی تھا یا یہ سلوک سچ ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس لمحے اپنے آپ کو اس کی محبتوں کے سامنے بے بس محسوس کر رہی تھی اور وہ بے بس ہی تو نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"صارم بیٹا! سارہ کا بہت خیال رکھنا۔ اسے تنگ مت کرنا۔ اسے امتحان کی تیاری سکون سے کرنے دینا اور اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا۔" ایئر پورٹ پر روانگی سے قبل سعدیہ پھوپھو صارم کو ہدایات دے رہی تھیں۔ سارہ ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی اور نظریں جھکائے جانے کس بات پر نادم ہو رہی تھی۔

"جو حکم امی حضور! ایک آدھ ہدایت و نصیحت اپنی بہو صاحبہ کو بھی کر دیجیے کہ یہ بھی آپ کے بیٹے کا خیال رکھیں۔ اسے تنگ نہ کریں اس کا امتحان نہ لیں اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھیں۔" صارم نے سارہ کے چہرے کو وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے شریر لہجے میں کہا تو سارہ بری طرح سٹپٹا گئی۔ چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔ صارم پر غصہ آنے لگا تھا اسے، ہر وقت ذو معنی باتیں کرتا تھا وہ۔

"یہ تمہاری طرح لاپروا نہیں ہے تم سے زیادہ تمہارا خیال رکھے گی۔" سعدیہ پھوپو نے ہنس کر سارہ کو اپنے ساتھ لگا کر کہا تو سارہ، صارم سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کر سکی۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی معلوم ہو گا کیوں سارہ ڈیئر؟" صارم نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی حفیظ اللہ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ہنس پڑا تھا۔ جانتا تھا کہ بہت امتحان لے گی وہ اس کا اور بہت مزا آنے والا ہے اس کے ساتھ رہنے میں۔ وہ شعلہ تھی اور وہ شبنم۔ الٹا ہی معاملہ تھا۔

☆.....☆

صارم ہاؤس میں داخل ہوتے ہوئے سارہ کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا۔ یوں اکیلے گھر میں پہلی بار وہ کسی مرد کے ساتھ آئی تھی۔ مرد اگرچہ محرم تھا اس کی زندگی کے دکھ سکھ کا ساتھی تھا۔ اس کے جملہ حقوق پر اپنے نام کی مہر ثبت کروا چکا تھا۔ پھر بھی سارہ کو بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ لان میں صحن میں درختوں کے سوکھے پتے اور گرد اڑتی پھر رہی تھی۔ اتنے دن کی غیر حاضری میں لان سوکھ کر رہ گیا تھا۔ زرد، سوکھے پتوں اور پھولوں کا ڈھیر، خزاں رسیدہ گلشن دکھائی دے رہا تھا جیسے مالی کی بے پروائی نے اجاڑ دیا ہو۔

سارہ کو پھول، پودے بہت پسند تھے اسلیے لان کی یہ حالت دیکھ کر اسے حقیقتاً بہت افسوس ہو رہا تھا۔ صارم اسے دیکھ رہا تھا اور لان کو بھی۔

"یہ پھول، پودے بھی انسان کی طرح ہوتے ہیں اگر انہیں محبت اور توجہ کا پانی نہ ملے تو اسی طرح مرجھا جاتے ہیں۔ خشک ہو کر رزقِ خاک بن جاتے ہیں۔"

صارم نے اس کے قریب آ کر ذو معنی بات کہی تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

وہ بے حد ڈیشنگ اور اسمارٹ تھا۔ کسی بھی لڑکی کے خوابوں کا شہزادہ ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ تو صرف اس کا تھا۔ تھا بھی یا نہیں۔ سارہ الجھ سی گئی تھی۔ وہ بھی تو اپنوں کی محبت اور توجہ کا پانی نہ ملنے سے خشک اور بے رنگ ہو گئی تھی۔ یہ احساس کسی کو نہیں تھا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''پریشان نہ ہو چند روز تک بارشیں ہوں گی اور یہ زرد سوکھے پھول پودے پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائیں گے۔'' صارم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور اگر بارش نہ ہوئی تو۔'' سارہ کا لہجہ معنی خیز تھا اور جملہ ذو معنی۔

''تو ہم بارش کی دعا مانگیں گے اور اگر پھر بھی بارش نہ برسی تو لوگ ہماری برسی اور چالیسویں کا انتظام کرتے نظر آئیں گے۔'' صارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بات کا رخ ہی بدل گیا تھا اور اس کا دل جلا دیا تھا۔

''بہت شوق ہے آپ کو مرنے کا۔'' سارہ نے تڑپتے دل کو سنبھالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آپ پر مرنے کے بعد یہ شوق باقی نہیں رہا۔'' صارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ گھبرا کر اس سے نظریں چرا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ صارم بھی سوٹ کیس اٹھائے اس کے پیچھے چلا آیا۔

پندرہ مرلے کا یہ گھر بہت خوب صورت بنا ہوا تھا۔ مگر ہر چیز مٹی اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ سارہ کو یہ آلودگی دیکھ کر وحشت ہونے لگی۔ وہ تو صفائی پسند تھی۔ وہ یہاں اس طرح نہیں رہ سکتی تھی۔

''یہ میرا بیڈ روم ہے اور اب تمہارا بھی۔'' صارم نے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے اسے بتایا تو وہ نروس سی ہو گئی۔ وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں تو ہرگز نہیں رہ سکتی تھی۔

''میرا بھی۔'' سارہ نے زیر لب کہا۔

''ہاں لیکن اگر تمہیں پسند نہ آئے تو تمہاری مرضی جو کمرہ تمہیں پسند آئے ہم اپنا سامان وہاں سیٹ کر لیں گے۔'' صارم نے بیڈ پر سے سفید چادر اتارتے ہوئے کہا۔

''ہم۔'' سارہ کو یہ لفظ اندر ہی اندر بے کل کر رہا تھا۔ ایکدم سے ایک مرد اس کی زندگی کے روز و شب کا حصہ دار بن گیا تھا۔

''ہاں ہم، اب..... تم تم نہیں اور میں..... میں نہیں ہوں، ہم دونوں ہم ہیں، ایک ہیں۔'' صارم نے اس کے قریب آ کر اس کے چہرے پر پھیلی بے چینی کو دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' اس نے اپنے خشک ہوتے حلق کی پکار سن کر کہا۔

''پیاس تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' صارم نے اس کے بالوں کی لٹ کو چھیڑتے ہوئے ذو معنی جملہ بولا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

''مجھے پانی چاہیے۔''

''اور مجھے پیار چاہیے۔'' صارم کی نرم گرم سرگوشی اس کے حواس چھین کر لے گئی۔

''کتنا گندا ہو رہا ہے سب کچھ۔ کچن کہاں ہے؟'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی تو وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے گویا ہوا۔

''ادھر دائیں جانب کچن ہے۔ پانی تو ٹونٹی سے ہی پینا پڑے گا۔ آپ ایسا کریں کہ اتنی دیر آرام کریں۔ میں بازار سے برف اور دوپہر کے لیے کھانا بھی لیتا آؤں گا۔ فریج میں رکھنے کے لیے ڈبل روٹی، انڈے اور جیم مکھن اور کیچپ کافی رہے گی۔ باقی پھر دیکھیں گے۔ یہ چابی آپ اپنے پاس رکھ لیں۔'' صارم نے اپنی شرٹ کی جیب میں سے ایک چابی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''یہ چابی کس کی ہے؟'' سارہ نے چابی لے کر پوچھا۔

(جاری ہے)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اریبہ انصاری

لمحہ

بوڑھے رعشہ زدہ ہاتھ چائے دیتے وقت ذرا سا کپکپائے تھے نتیجتاً چائے کے چند قطرے چھلک کر ٹیبل کی سطح پر آ گرے۔ ٹیبل صاف کرتے اس بوڑھے کی سماعت میں کچھ الفاظ پڑے۔ اب سامنے بیٹھا شخص چائے کے گھونٹ بھرتا کال پر بات کر رہا تھا۔ واٹس ایپ کال پر اسپیکر آن تھا۔

"پاپا میں نے وائٹ جینز کے ساتھ گرین شرٹ لینی ہے۔ "مما کو سمجھا دیں آپ خود ہی۔" دوسری طرف سے شاید منہ بسور کر کہا گیا تھا۔

"کیوں کیا ہو گیا؟"

"مما کہہ رہی ہیں شرٹ نہ لینا، لانگ قمیص لو۔"

موبائل سے ابھرتی خفا خفا سی آواز بوڑھے شخص نے بھی سنی۔ قدموں کی رفتار مزید ہلکی ہو گئی۔

"مما کو فون دو۔" برہمی سے کہا گیا۔

"بچی ہے ایمن، اسے اپنی دقیانوسی سوچ سے دور رکھو۔ عجیب بیکار قسم کے ٹاپکس کو ایشو بنا کر رکھتی ہو آئے دن..... واٹ دو پٹا، قمیض، میری بیٹی کی ڈریسنگ پر نکتہ چینی سے فرصت نہیں اس عورت کو۔"

"آپ میری بات تو سنیں؟" اس شخص کی سخت آواز کے بیچ دھیمی سی نسوانی آواز ابھری جسے اگلے ہی لمحے بیدردی سے خاموش کرا دیا گیا تھا۔

"میرے موڈ کا بیڑہ غرق مت کرنا اب لیکچر دے کر۔"

دوسری طرف سے شاید کچھ کہنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ شخص کال کاٹ کر اب چائے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ گھونٹ گھونٹ چائے انڈیلتے ماتھے پر پڑے بل ذرا کم ہوئے تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ٹیبل کے پاس ایک بوڑھا کھڑا تھا۔ آنکھوں کی نمی میں عجیب سا دکھ ہلکورے لیتا دکھائی دیتا تھا۔ وہ شخص چونک سا گیا

"کیا ہوا بابا؟"

"کچھ نہیں میاں، آپ کی باتیں سن کر مجھے اپنی ماں یاد آگئی۔" بوڑھے نے کپکپاتے رعشہ زدہ ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں اور مڑنے لگا کہ وہ شخص بے اختیار پکار بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے آپ کی والدہ کو؟"

بوڑھے نے ایک نظر اس شخص پر ڈالی اور آہستگی سے آگے بڑھ کر کرسی پر ٹک گیا، پھر خالی خالی نظروں سے کسی غیر مرئی نقطے کو تکتا مخاطب ہوا۔

"ایک کہانی سنو گے میاں؟"

خود بخود اس شخص کا سر اثبات میں ہل گیا تھا، نہ جانے اس بوڑھے کی آنکھوں میں کیا تھا، نہ جانے اس کا لہجہ کچھ الگ سا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔

☆.....☆

پاکستان بننے سے پہلے، میں، میرے ماں باپ اور بڑی بہن برصغیر میں رہا کرتے تھے، نئے وطن کے تنازعے کے بعد ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان مارے جانے لگے یہی سلسلہ چلتا رہا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ گھر میں بیٹھی ماں بہن بیٹیوں کی عزتیں خطرے میں پڑ گئیں۔

وہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، نماز سے فارغ ہو کر ماں اور بڑی بہن تندور پر روٹیاں ڈال رہی تھیں، میں اپنے ابا کے ساتھ باہر تھا۔

نہ جانے کیا ہونے لگا تھا اچانک۔ مجھے کچھ دھندلائے ہوئے سے منظر یاد ہیں۔ ابا کا اچانک مجھے گود میں اٹھا کر دوڑ کر گھر آنا، باجی اور اماں کا ادھوری بیلی روٹیاں چھوڑ کر دو بڑی بڑی چادروں میں خود کو ڈھانپ کر تیزی سے ابا کے ساتھ گھر کو بند کیے بنا باہر نکلنا۔ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہندوؤں کو میں نے گلی کے نکڑ سے مڑتے وقت رخ موڑ کر اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ہر طرف کہرام مچا تھا۔ افراتفری کے عالم میں ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے، ریل اگلے دس منٹ میں چلنے والی تھی کہ کوئی شخص چلا اٹھا۔

"وہ کیا الفاظ تھے؟" بوڑھے نے دماغ پر زور دیا۔

"ہندوں ریل گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر چکے ہیں۔"

"وہ اندر آگئے ہیں۔"

آس پاس کے لوگ چھریاں نکالنے لگے۔ حملہ آوروں پر چلنے سے پہلے وہ چھریاں نہ جانے کتنی ماں بہن بیٹیوں پر چلی تھیں۔ ابا نے بھی بغیر دستے کی وہ تیز چھری نکالی جس سے اماں سبزی کاٹا کرتی تھی، وہ چھری شاید ابا چلتے وقت ساتھ اٹھا لائے تھے۔ اب اس کی ضرورت پڑنے والی تھی۔

آنسوؤں کے بند اب ٹوٹنے کو تھے۔ وہ شخص یک ٹک کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اس بوڑھے کو سن رہا تھا۔

بوڑھے کی آنکھیں غیر مرئی نقطے کو تک رہی تھیں۔ ذہن گویا ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ ریلوے اسٹیشن۔

اماں، ابا..... باجی.....!!

سبزی کاٹنے والی بغیر دستے کی چھری اور..... خون!

☆.....☆

لوگوں کے شور میں کتنی ہی نسوانی چیخیں، سسکیاں دب رہی تھیں، وہ چھ سالہ بچہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔

ایسا منظر تو عیدالاضحیٰ پر دیکھنے کو ملتا تھا جب ابا بکرا ذبح کرتے تھے، ہندوؤں کے ہوتے ہوئے گائے ذبح کرنا ناممکنات میں سے تھا اگر مسلمان چپکے سے گائے کی قربانی کرنے کی کوشش کرتے تو پنڈتوں کو خبر ملتے ہی گائے کے خون کے ساتھ ساتھ انسانی خون بھی بہنے لگتا تھا۔

اسے یاد تھے وہ مناظر۔

اماں ابا کو منع کیا کرتی تھیں گائے کاٹنے سے، کہتیں کوئی کچھ بھی کہے یہ غلطی نہ کرنا تو پھر اب۔

وہ باجی کو کیوں ذبح کر رہی تھیں؟

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چھوٹے سے ذہن میں بے شمار سوالات کلبلا رہے تھے۔ گلے پر چھری پھرتے ہی عجیب سی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔

شاہد نامی وہ چھ سالہ بچہ حیرت وصدمے سے گنگ اپنے ماں باپ کو دیکھ رہا تھا۔ اس چھ سالہ بچے کا باپ اب اس عورت کو دیکھتا تو کبھی اپنے چھ سالہ اکلوتے بیٹے کو۔ صدمے سے لال ہوتی آنکھوں سے گویا سمندر بہہ رہا تھا۔ آس پاس کھڑے نہ جانے کتنے باپ شاید اسی کیفیت سے دوچار تھے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلی تھیں گویا۔ نسوانی خون کی ندیاں۔

میں چاہتا تھا پاکستان پہنچ کر ہم سکون سے رہیں مگر.....!!

بچے نے دیکھا اس کا باپ ادھوری بات چھوڑ کر زار و قطار رونے لگا تھا جب اس کی ماں نے اس کے کندھے پر کپکپاتا ہوا ہاتھ دھرا۔

"پاکستان کی بنیادوں میں میرا خون بھی شامل ہونا تھا۔ اپنی جان کی فکر مجھے نہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ مسلمان بیٹیوں کو اپنی عزتوں کی حفاظت کے لیے اپنی گردن پر چھریاں نہیں چلوانی پڑیں گی۔ کیوں کہ اب ایک آزاد ملک مسلمانوں کو ملنے والا ہے جہاں مسلمان آزادی سے گائے ذبح کرسکیں گے، آزادی سے مسجدوں میں عبادتیں کرسکیں گے۔ پاکستان زندہ باد!!"

اس عورت نے اب اپنی سبز چادر ایک طرف سے پھاڑ کر اپنے خاوند کو پکرائی تھی۔

آزاد ریاست کا پرچم۔

اس شخص کے ہاتھ میں آنے والا آزاد ملک کا پہلا پرچم وہی تھا۔

کلمہ پڑھ کر ایک اور روح آسمانوں کی وسعتوں میں پرواز کرگئی تھی۔ اس عورت کا بے جان لاشہ خون میں لت پت ریل کے فرش پر گرا تھا۔ بقیہ چادر نما دوپٹہ کھول کر اس شخص نے بیوی اور بیٹی کو اچھی طرح ڈھانپ دیا تھا۔ یقیناً یہ دوپٹہ بھی غنیمت تھا۔

ٹرین کے اندر گھس آنے والے ہندوؤں پر پے در پے وار اسی سبزی کاٹنے والی چھری سے کرتے دیکھا تھا اس چھ سالہ بچے نے۔

چھوٹا سا دل گویا دھڑکنا بھول گیا تھا۔

حواس اندھیروں کی نذر ہوتے اسے اردگرد سے بیگانہ کررہے تھے۔

☆.....☆

آنکھ کھلتے ہی اسے اردگرد شور سنائی دے رہا تھا۔ بچے نے گھبرا کر متلاشی نگاہیں آس پاس دوڑائیں۔ وہ اپنے باپ کے بازوؤں میں تھا۔ اس کا باپ لنگڑا کر چل رہا تھا، ان کے اردگرد چلتے دیگر لوگوں کی حالت بھی بچے کو گود میں اٹھائے بدقت ٹانگوں کو گھسیٹتے اس زخمی شخص سے مختلف نہ تھی۔

بچے نے گردن ذرا سا گھمائی تو اسے اس ٹرین سے آگ کے شعلے اٹھتے دکھائی دیے جس ٹرین میں وہ بیٹھے تھے۔

ننھے سے دل کو جیسے کسی نے قدموں تلے روند ڈالا۔

"اماں اور باجی!"

بچے نے سہمی نگاہوں سے باپ کا چہرہ دیکھ کر سوال کیا تو لمحہ بھر کو اس کے ہاتھ کانپ اٹھے۔ درد گویا رگ رگ میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ان کے ساتھ چلتے دوسرے مسلمانوں نے بھی یہی بہتر سمجھا تھا کہ ٹرین کو آگ لگادی جائے۔ اپنی ماں بہن بیٹیوں کی لاشوں کو بے حرمتی سے بچانے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بھی نہیں تھا۔

چھ سالہ بچے نے رخ موڑ کر نگاہیں ٹرین پر مرکوز کردیں۔ آگ کے شعلے اب مزید اونچے ہوتے چلے جارہے تھے۔

☆.....☆

اس وقت میرے ابا کے ہاتھ میں آنے والا وہ پہلا پرچم آج بھی میرے پاس ٹکڑوں کی صورت محفوظ ہے۔ وہ چادر جسے آج کی نسل فضول سمجھتی ہے وہ فضول نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے وہ منظر جب راستے میں آتی ماں بہن بیٹیوں کی لاشوں پر میرا باپ آس پاس پڑے کپڑے، چادریں ڈال کر انہیں بے حرمتی سے بچانے کی کوشش کررہا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھا۔اور آج ہماری بیٹیوں نے بے حرمتی اپنے لیے خود چن لی۔

آج ہم ہار گئے۔

ہم آزاد ملک حاصل کر کے بھی غلام رہے۔اپنی بے عقلی کے غیر مسلموں کی اندھی نقالی کے۔

وہ بوڑھا شخص جانے کے بعد امان نامی اس شخص کے ذہن میں سوچوں کے ہزاروں در وا کر گیا تھا۔

☆.....☆

آج چودہ اگست کا سورج طلوع ہوتے ہی چاروں جانب ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہو گیا تھا۔

لڑکے جینز شرٹ پہنے آدھا منہ سفید اور آدھا ہرا کیے سڑکوں پر بائیکس کے سائلینسر نکال کر شتر بے مہار پھرتے گویا ''آزاد'' ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔

میڈیا پر ہر جگہ اسکول کالجز یونیورسٹیز میں چودہ اگست پر منعقد کیے جانے والے پروگرامز دکھائے جا رہے تھے۔طالبات کے ساتھ ساتھ استانیاں بھی گردنوں میں ہرے سفید دوپٹے ڈالے چودہ اگست منا رہی تھیں۔

امان ٹی وی کے سامنے گم صم بیٹھا تھا جب اس کی بیوی چائے کا کپ سامنے دھرے ٹیبل پر رکھ کے برابر میں آ بیٹھی۔

''کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے۔آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟''

آواز پر وہ چونک اٹھا۔

''کچھ نہیں بس! ایمن کی تقریر دکھائی جانے والی ہے،اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔''

شوہر کی بات پر سر اثبات میں ہلاتی وہ بھی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مختلف طلبہ و طالبات کی تقاریر دکھائی جا رہی تھیں۔ ہر ایک کی تقریر زبردست تھی، بالآخر ایمن کی باری بھی آ گئی۔

سفید چھوٹی سی کرتی، گردن کے گرد سبز دوپٹہ لپیٹے وہ اس کی بیٹی تھی۔امان کو نجانے کیوں ندامت سی ہونے لگی۔

ایمن کے جاندار الفاظ ہر سو گونج رہے تھے۔

دیکھتا ہوں کہ جن ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے میں نے یہ ملک بنایا تھا۔

کل انہوں نے ٹھیک میرے مزار کے آگے عزت کا بازار لگایا تھا

غالباً یہ الفاظ قائدِ ملت کی جانب سے کہے جا رہے تھے۔

تقریر کا موضوع تھا ''جناح کے خواب''

آج پاکستانیوں نے ان خوابوں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے تھے۔اس میں صرف نئی نسل قصوروار نہیں، اس میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔آج قوم کے بیٹوں کے نزدیک چودہ اگست محض ایک چھٹی کا دن جتنی ہے۔ہماری ماں بہن بیٹیوں کے نزدیک دوپٹہ گردن میں ڈال کر گھومنے کی چیز ہے۔

وہ مسلمان خواتین دوسری تھیں جنہوں نے بہ خوشی اپنی گردنوں پر چھریاں پھروالی تھیں۔اپنی عزتیں بچانے کی خاطر خود کو آگ میں جھونک ڈالا تھا اور آج قوم کی بیٹیاں لباس کے ساتھ دوپٹہ لینے کو فضول سمجھتی ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو آج کے پاکستانی نے بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔کیا فائدہ ایسے آزاد ملک کا؟ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جو زبردستی کرنا پڑتا تھا آج بخوشی کیا جا رہا ہے۔

پہلے اردو بولنے پر پابندی تھی آج ہم مرضی سے انگریزی بول کر اردو کا جنازہ نکالنے میں پیش پیش ہیں۔پہلے مسلمان آزادانہ عبادت نہیں کر سکتا تھا اب اعلانیہ دی جانے والی اذان کی آواز پر بھی کان نہیں دھرتا۔صرف مرضی کا ہی تو فرق ہے۔آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھانا اسے ہی کہتے ہیں۔اس ملک کی اہمیت ہم جیسے نہیں سمجھ سکتے، اس ملک کی بنیادوں میں بہے لہو کی قیمت ہم کبھی ادا کر ہی نہیں سکتے!

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نوشین طاہر

روشنی

r Azeem
mipowf.com

''تم پھر سے کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئیں، مجھے لگتا ہے کہ تم اس طرح باز نہیں آؤ گی۔'' فیضان نے تقریباً چیختے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے سے سامنے ٹیبل پر پڑے لفظوں سے سجے کاغذوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا۔

''فیضان آپ نے یہ کیا کیا؟ مجھے صبح اسے پوسٹ کرنا تھا، ناول کی آخری اقساط چل رہی ہیں، اگر میں اس طرح درمیان میں لکھنا چھوڑ دوں گی تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔'' روشنی روہانسی ہو کر بہت دبے دبے لہجے میں بولی۔ فیضان کے رویے نے اسے بری طرح ہرٹ کیا تھا۔

''مجھے اس سب سے کچھ نہیں لینا، میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا، بس اب تم کبھی بھی کسی ڈائجسٹ یا میگزین میں نہیں لکھو گی، تمہاری سمجھ میں میری بات کیوں نہیں آتی۔'' وہ پھر سے چلایا۔

''روشنی نے اپنی ساری ہمت یکجا کی اور دل ہی دل میں سوچا مجھے آج اس سے دوٹوک بات کرنی ہی ہوگی بس نہیں جھیل سکتی میں یہ بے جا پابندی۔

''فیضان آخر آپ کی پرابلم کیا ہے؟ کیوں اس طرح ری ایکٹ کرتے ہیں؟ میرے لکھنے سے کیوں نالاں ہیں آپ، آپ نے میری ذات کو جس ڈھانچے میں ڈھالنا چاہا میں ڈھل گئی۔ میں نے اپنی ذات کو اپنے وجود کو آپ کی پسند کے مطابق بنا لیا۔ آپ کو میرا چادر لینا پسند نہیں تھا میں نے عبایا لینا شروع کر دیا، حجاب کرنے لگی۔ آپ کو میرے تراشے ہوئے بال پسند نہیں تھے میں اپنے بالوں کو آپ کی پسند سے چٹیا میں قید کر لیا۔ پارلر جانا چھوڑ دیا، ماڈرن لباس پہننا چھوڑ دیے، آپ کی پسند کے کھانے بنانے سیکھے، یہاں تک کہ جو کچھ مجھے کھانے میں پسند نہیں تھا آپ کی پسند کے لیے آپ کی خوشی کے لیے وہ سب کھانے لگی۔ سب آپ کی خواہش کے مطابق کرتی ہوں۔ اپنے سارے فرائض پورے کرتی ہوں آپ کو یا آپ کے گھر والوں کو کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا، پھر بھی آپ کو مجھ سے شکایت ہے۔ میرے لفظوں سے شکایت ہے، آپ نے کہا میں پیار محبت کی کہانیاں کیوں لکھتی ہوں۔ آپ کی خوشی پر میں نے اپنے قلم کا رخ موڑ دیا اور اپنی کہانیوں کے موضوع چینج کر دیے اور میرا قلم لوگوں کو تلخ حقیقتوں سے آگاہ کرنے لگا۔ میں یہ لکھ کر بھی لوگوں کی نظروں میں مظلوم بن رہی ہوں؟ جب کہ میرا خدا گواہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے اور آج تو آپ نے حد ہی کر دی ہے آپ چاہتے ہیں کہ میں لکھنا ہی چھوڑ دوں، جب کہ میری یہ ہی کہانیاں تھیں جن کو ہماری شادی سے پہلے آپ بھی بہت شوق سے پڑھا کرتے تھے اور جی بھر کر تعریفیں کیا کرتے تھے۔ کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا؟ فیضان مجھے آج جواب چاہیے۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر آ گئے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

پتا نہیں روشنی کے سوالوں کا جواب اس کے پاس تھا یا نہیں، وہ بنا کوئی جواب دیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''کب تک بھاگیں گے آپ میرے سوالوں سے، آپ کو جواب دینا ہی ہوگا۔'' روشنی دل ہی دل میں بولی اور آنسو پونچھتے ہوئے ایک بار پھر کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئی۔ اس بار اس کے الفاظ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورتی سے اوراق پر بکھرنے لگے۔ اپنے لفظوں پر اس کی گرفت بہت مضبوط اور خوب صورت تھی۔ اپنی کہانی مکمل کرنے کے بعد اس نے اسے بہت احتیاط سے رکھ دیا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے مگر فیضان ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں محو خواب تھے۔ فیضان ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے؟ کہیں میں کچھ زیادہ تو نہیں بول گئی۔ روشنی نے پریشان ہو کر سوچا اور فیضان کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی مگر

فیضان نے کال پک نہیں کی۔

یا خدا خیر ہو۔ فیضان بالکل ٹھیک ہوں۔ روشنی نے دل ہی دل میں دعا کی اور پھر سے فیضان کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆.....☆

فیضان کے موبائل پر پھر سے روشنی کا نمبر جگمگایا، فیضان نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کر دیا۔

''یار فیضان! مان گئے تمہیں، سچ میں شہزادے لگے ہو۔'' دانش اور شعیب نے داد دینے والے انداز میں فیضان سے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''تم دیکھنا آج روشنی ہار جائے گی۔ اسے اپنے رائٹنگ کیریئر کو خیر باد کہنا ہی پڑے گا۔ مجھے یقین ہے وہ آج کے بعد کبھی نہیں لکھے گی، مجھے مکمل یقین ہے۔'' فیضان نے دعوٰی سے کہا۔

''یار ایسا ہو گیا تو سمجھو تم سچ میں کچھ بھی کر سکتے ہو، اگر یہ شرط جیت گئے تو ایک بڑا جشن ہو گا وہ بھی ہماری طرف سے۔'' دانش نے پر جوش ہو کر کہا جب کہ شعیب نے بھی اس کی تائید میں سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد فیضان نے اپنا موبائل پھر سے آن کر لیا تو فوراً ہی پھر روشنی کی کال آ گئی۔

فیضان نے کال پک کرنے کے بعد غصے میں پوچھا۔ ''ہاں کہو کیوں بار بار کال کر رہی ہو؟''

''فیضان آپ کہاں ہیں؟ ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے، آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' روشنی نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کیے۔

''تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب میرا دل چاہے گا آ جاؤں گا، اور ہاں سنو تمہیں اپنے سوالوں کے جواب چاہیے تھے نا، اسی لیے کیے جا رہی تھیں نا مسلسل کالز، میرا جواب یہ ہے کہ تم کو اپنے لفظوں سے رشتہ توڑنا ہو گا۔ تمہیں لکھنا چھوڑنا ہو گا۔ اگر میرے اور اپنے رشتے کو قائم رکھنا چاہتی ہو تو میری یہ شرط ماننا ہو گی۔ اب تمہارا جو بھی فیصلہ ہو مجھے بتا دینا۔'' یہ کہہ کر فیضان نے کال ڈسکنکٹ کر دی۔

☆.....☆

روشنی نے پوری رات فیضان کی گفتگو اور اس کے رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے گزار دی۔ نیند تو جیسے اس کی آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ وہ بہت دنوں سے فیضان کے بدلتے رویے کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس پر بے جا پابندی لگانے لگا تھا۔ ابھی تو ان کی شادی کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اس قدر تلخیاں بھر گئی تھیں ان کی مسکراتی ہوئی زندگی میں اور اب تو حد ہی ہو گئی تھی۔ فیضان اس کے لفظوں پر پابندی لگانا چاہتا تھا، جب کہ وہ جانتا تھا کہ لکھنے کا یہ عمل اسے زندگی سے جوڑے ہوئے تھا۔

''نہیں فیضان میں چاہ کر بھی لکھنا نہیں چھوڑ سکتی، میں اپنے لفظوں کے بنا اتنی ہی ادھوری ہوں جتنی اپنے رشتوں کے بنا، کیونکہ ان لفظوں سے میرا بچپن کا رشتہ ہے یہ میری تنہائی کے ساتھی ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں انہوں نے میرا دامن تھاما تھا۔ میں جب گڑیا کھیلنے کی عمر میں تھی اس عمر میں یہ لفظ میرے دل و دماغ میں الہام کی طرح اترا کرتے تھے۔

بچپن میں پریوں کی شہزادے اور شہزادیوں کی کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ اس کی ہر کہانی میں ایک شہزادہ ضرور ہوتا تھا جو اپنی جان پر کھیل کر شہزادی کی مصیبتیں ختم کر دیتا تھا پھر یہی کہانیاں وقت کے ساتھ پل کر جوان ہو گئیں۔ کہانیوں میں ہیرو ہیروئن نے شہزادے اور پریوں کی جگہ لے لی۔ وہ زندگی کی حقیقتوں پر قلم اٹھانے لگی اس کے لفظوں میں سچ اور خوب صورتی کے ساتھ ساتھ پختگی آ گئی۔ اس کے پڑھنے والے مداحوں کو اس کی کہانیوں کا انتظار رہنے لگا، اور وہ خوش تھی اپنی اس خوبصورت سی زندگی سے پھر اس کی زندگی میں بھی وہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے لیے ایک شہزادے کی تلاش شروع ہو گئی، اور اس نے ابا سے کہہ دیا کہ میں اس سے شادی کروں گی جو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مجھے کبھی لکھنے سے نہ روکے۔

اس کے اماں ابا جانتے تھے کہ یہ لکھنا اس کی زندگی کا حصہ ہے اور پھر بہت سے رشتوں میں سے اس کے لیے فیضان کو چنا گیا کیونکہ فیضان اور اس کی فیملی نے اس کے لکھنے کے اقدام کو بہت سراہا تھا مگر آج اس کے ساتھی اس کے الفاظ اس کی جاگیر کو اس سے دور کرنے کی بات نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

رات کے تین بج گئے تھے۔ روشنی نے خیالوں سے باہر آ کر گھڑی پر نظر دوڑائی اور پھر کاغذ قلم لے کر لکھنا اسٹارٹ کیا۔ اس بار وہ کہانی نہیں لکھ رہی تھی بلکہ اپنی زندگی کی کہانی کے فیصلے کو قلم بند کر رہی تھی۔

☆.....☆

''فیضان آپ میری زندگی میں آئے تو مجھے لگا کہ میری کہانیوں سے ہیرو نکل کر آپ کی شکل میں میری دنیا کو خوب صورت بنانے آ گیا ہے، میں یہ محسوس کرتی تھی کہ آپ کے آنے سے میری زندگی مکمل ہو گئی ہے مگر آپ تو مجھ سے خوش ہی نہیں ہیں۔ میں آپ کی سب شکایتیں دور کر رہی ہوں، میں نے آپ کو مکمل ایمانداری سے چنا تھا میں اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ میں آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں مگر محبت تو میں نے اپنی تحریروں سے بھی کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ آپ میری زندگی ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے الفاظ میری زندگی کا حصہ ہیں۔

مجھے خوش ہوتی اگر آپ میری خواہش کو سمجھتے۔ مجھے معاف کر دینا میں آپ کا یہ فیصلہ نہیں مان سکتی کیونکہ میں جانتی ہوں اگر میں نے لکھنا چھوڑ دیا تو میں دھیرے دھیرے ختم ہو جاؤں گی، میں مر جاؤں گی۔ میں قلم اور کاغذ سے یہ رشتہ چاہ کر بھی نہیں توڑ سکتی۔ میرے الفاظ صرف کہانیاں نہیں بلکہ یہ لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان کی اداسی کو دور کرتے ہیں۔ میں واپس جا رہی ہوں اپنے بابا کے گھر میں۔ اپنے ساتھ صرف آپ کی یادیں لے کر جا رہی ہوں۔ اب آپ کی یادیں میرے قلم سے خوب صورت انداز میں کاغذ پر اتریں گی، میری ہر کہانی میں اب بھی ہیروئن کی زندگی میں ایک ہیرو ہوگا جس کا وہ بے قراری سے واپس لوٹنے کا انتظار کرتی ہوگی۔

(آپ کی روشنی)

فیضان گھر لوٹا تو روشنی اپنے کمرے میں دکھائی نہیں دی۔ کمرے میں ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ فیضان کی نگاہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف چلی گئی جہاں آج سوائے ایک تہہ شدہ کاغذ کے کوئی پن کوئی کاغذ کوئی بک کچھ نہیں تھا۔

''لگتا ہے روشنی نے میری بات مان لی ہے اسی لیے سب کچھ سمیٹ کر رکھ دیا ہے، مگر یہ ہے کدھر، شاید گھر کے کسی کونے میں بیٹھ کر آنسو بہا رہی ہوگی۔ خیر ہے جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا سب۔'' فیضان دل ہی دل میں سوچتا ہوا رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھا اور اس تہہ شدہ کاغذ اٹھا کر کھولا۔

اس کی نظریں روشنی کے لکھے لفظوں پر ٹھہر گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ روشنی کا لکھا لیٹر پڑھ چکا تھا۔ اس نے اس خط کو مٹھی میں بھینچ لیا اور ایک سرد آہ بھری۔

''روشنی چلی گئی، یہ سب کیا ہوا۔'' اس نے تاسف سے اپنی پیشانی کو مسلا۔

''مجھے تو لگا تھا میری دھمکی کام کر جائے گی۔ میں نے تو محض دھمکی دی تھی روشنی کو مگر اس نے سچ میں فیصلہ کر لیا۔ ماں بابا اور باقی سب لوگوں کو کیا جواب دوں گا میں کہ روشنی نے گھر کو کیوں چھوڑا کیا ریزن بتاؤں گا۔'' وہ کمرے سے باہر آیا اور اپنی امی کے کمرے کی طرف چل دیا۔

''ماں روشنی کس کے ساتھ گئی ہے؟''

''بیٹا! اس کے بابا آئے تھے اسے لینے، میں نے جانے کی اجازت دے دی، ویسے بھی بہت دنوں سے وہ اپنے میکے نہیں گئی تھی، تمہیں نہیں بتایا کیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس نے؟ وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے اجازت دے دی ہے اسے گھر جانے کی اور تم کسی ضروری کام میں مصروف ہو اسی لیے گھر نہیں آئے کل رات۔"

"جی ماں! میں نے اجازت دی تھی اور مجھے کسی کام سے شہر سے باہر جانا تھا اس لیے نہیں آسکا تھا رات کو۔ روشنی کا نمبر بند جا رہا تھا اس لیے پوچھنے چلا آیا آپ سے۔ اچھا میں باہر جا رہا ہوں، ایک دو گھنٹے تک لوٹ آؤں گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

☆.....☆

کچھ دیر بعد وہ دانش کے آفس پہنچ گیا۔ وہ ڈور ناک ہی کرنے والا تھا کہ اندر سے آتی دانش اور شعیب کی آوازوں پر وہیں ٹھہر گیا۔

"روشنی کا رائٹنگ کیریئر اگر برباد نہ کیا تو میرا نام بھی دانش نہیں، جس دن مجھے پتا چلا تھا کہ اپنے فیضان کی شادی روشنی سے ہوئی ہے اور فیضان نے بتایا تھا کہ اس کی وائف ایک معروف رائٹر ہے تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی روشنی ہے جس نے میرے پرپوزل کو ریجیکٹ کیا تھا کیونکہ میری فیملی شادی کے بعد اس کے لکھنے کی حامی نہیں تھی اور اس بات پر روشنی اور اس کی فیملی نے میرا پرپوزل ریجیکٹ کر دیا تھا۔ مجھے اپنی وہ انسلٹ آج تک نہیں بھولی۔

مجھے موقع ہی نہیں ملا تھا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ لے سکوں، اور اب جب ملا تو بس یہ ہی راستہ تھا کہ اسی کے شوہر کے ہاتھوں اس کو برباد کر دوں بس اسی لیے میں نے فیضان کو اس کی وائف کی لکھی گئی کہانیوں کے بارے میں کچھ اس طرح بھڑکایا کہ یہ اس کی انا کا مسئلہ بنا دیا اور فیضان مجبور ہو گیا جب میں نے اس سے کہا کہ اگر تم سچ میں ایک بہادر مرد ہو اور یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمہاری بیوی تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے تو تم اس کا کہانیاں لکھنا چھڑوا کر دکھاؤ تو تم کو مانیں گے اور یہ فیضان کے لیے انا کا مسئلہ بن گیا، بس اب تو سمجھو کہ روشنی کا کیریئر تباہ، جب اس کا سلسلہ وار ناول درمیان میں ہی بغیر کسی ریزن کے رک جائے گا تو اس کا امیج بری طرح خراب ہو جائے گا اور میرا انتقام پورا ہو جائے گا۔" دانش کی بات مکمل ہوئی اور وہ چند لمحے کو خاموش ہوا تو شعیب بولا۔

"یار دانش تم تو بہت ماسٹر مائنڈ ہو۔"

اور پھر دونوں کا زور دار قہقہہ گونجا۔ فیضان کا خون کھول اٹھا مگر وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے واپس گھر آگیا، اور گھر آکر دانش کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو! دانش کیسے ہو؟"

"یار میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کدھر ہو۔ آفس کب آؤ گے، جیت کے نشے میں گم ہو کر ہمیں بھول گئے۔ منوا ہی لی نا آخر تم نے اپنی بات۔ ہمیں پتا تھا ہمارا یار شیر ہے۔" دانش نے پرتجسس انداز میں کہا کیونکہ وہ فیضان کے منہ سے سننے کو بے قرار تھا کہ روشنی نے لکھنا چھوڑ دیا ہے۔

"ہیلو فیضان سن رہے ہو نا۔" دانش نے اس کی خاموشی پر پوچھا۔

"ہاں یار دانش، ایکچوئلی بات یہ ہے کہ مجھے احساس ہوا میں غلط تھا اور بہت غلط کرنے جا رہا تھا مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میری روشنی اتنا اچھا لکھتی ہے میں گھر آیا تو ٹیبل پر اس مہینے کا رداڈائجسٹ رکھا ہوا تھا۔ روشنی اماں کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا ناول پڑھا تو پتا چلا کہ میری روشنی اتنی کامیاب رائٹر ہے پھر میں نے سوچا کہ میں اس کے لکھنے پر پابندی کیوں لگاؤں جب کہ وہ اپنا یہ شوق فارغ ٹائم میں پورا کرتی ہے۔ اپنے سب فرائض اچھے سے نبھاتی ہے پھر یہ تو غلط ہوگا نا روشنی کے ساتھ، کیوں دانش میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

دانش سے تو کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا اس کا مقصد ناکام جو ہو گیا تھا۔

فون بند کرنے کے بعد وہ پشیمانی سے اپنے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا کتنا غلط کیا تھا اس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نے روشنی کے ساتھ۔ وہ تو خدا کا شکر کہ دانش اور شعیب کی اصلیت اس کے سامنے آگئی تھی۔ اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا اور روشنی کی کمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

''روشنی تم نے میرے ساتھ بالکل ٹھیک کیا میں اسی سزا کے قابل ہوں جو تم مجھے چھوڑ کر چلی گئیں، مگر میرا تمہارے بنا گزارا نہیں۔ پلیز لوٹ آؤ روشنی آئی رئیلی لو یو۔'' وہ دل ہی دل میں مخاطب تھا۔ کمرے میں چار سو روشنی کی یادیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی جا کر اپنی روشنی کو واپس لے آئے کیونکہ ذوالحجہ کا چاند نظر آگیا تھا۔ روشنی کے گھر میں آنے کے بعد انہوں نے ہر چھوٹی بڑی عید ہر تہوار مل کر منایا تھا۔ وہ یہ بڑی عید بھی اسی کے سنگ منانا چاہتا تھا اور اس کو روشنی پر لگائی سبھی پابندیوں کو ہٹا کر اس کو بتانا تھا کہ وہ اپنے دل و جان سے اپنی روشنی کو اس کی خواہش کے ساتھ اپنانا چاہتا ہے۔

☆.....☆

وہ روشنی کے لیے شاپنگ کرنے مارکیٹ آگیا، اور شاپنگ کے بعد اس نے روشنی کے لیے ایک اسپیشل گفٹ پیک کروایا اور پھر گاڑی روشنی کے بابا کے گھر کی طرف موڑ دی۔ مغرب کی نماز اس نے راستے میں ادا کی۔ وہ جلد سے جلد روشنی کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ روشنی کے گھر تھا۔ اس کی فیملی سے ملنے کے بعد وہ روشنی کے کمرے میں آگیا۔ اس کے کمرے کی لائٹ آف تھی اور وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بہت اداس بیٹھی تھی۔

''روشنی! تو اندھیرا دور کرتی ہے پھر آج یہ اندھیرا کیوں؟'' فیضان کی آواز پر روشنی نے چونک کر دیکھا تبھی فیضان نے لائٹ آن کر دی۔

''فیضان آپ یہاں؟''

''ہاں روشنی میں یہاں تمہیں لینے آیا ہوں کہ ہم اپنے گھر جا کر مل کر عید منائیں۔ بقر عید کا چاند مبارک ہو، مائی ڈیئر وائف۔''

''مگر آپ تو۔'' روشنی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا۔

فیضان نے اس کے لبوں پر اپنی انگلی رکھ دی۔

''ابھی کچھ مت پوچھو۔ تمہیں تمہارے سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے، پہلے اپنا یہ گفٹ تو کھولو۔''

روشنی نے گفٹ کا کور ہٹایا تو ایک خوب صورت سلور کلر قلم جگمگا رہا تھا۔

''مجھے اس سے بہترین تحفہ سمجھ نہیں آیا تمہارے لیے۔ جانتی ہو کیوں کیونکہ یہ تمہارے بہت قریب رہے گا تم جب بھی اس سے اپنی تحریر لکھو گی تو تمہیں میری محبت کا یقین دلائے گا اور تمہاری تحریریں مزید خوب صورت ہو جائیں گی تمہیں یہ پین دیکھ کر احساس ہوگا کہ میں نے اپنی خوشی سے تم کو اجازت دی ہے کہ تم لکھو۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں فیضان؟''

''ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے معاف کر دو روشنی میں غلط تھا اور مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں تم سے پرامس کرتا ہوں کبھی تم کو ہرٹ نہیں کروں گا۔ تمہاری ذات پر کوئی پابندی نہیں لگاؤں گا کیونکہ تمہاری ذات پر میری محبت کا پہرہ ہی کافی ہے۔ باقی سب پابندیاں تو بے جا ہیں اور ہاں اب سے تمہاری ساری کہانیاں بھی پڑھوں گا، اور یہ میں دل سے کہہ رہا ہوں۔'' فیضان نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا تو وہ پرسکون ہو کر مسکرا دی کیونکہ فیضان کے لفظوں کا سچ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا اور دل ہی دل میں اس نے فیضان کے فیصلے اور واپسی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اسے لگا اس کی زندگی آج پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گئی ہے۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ایقان علی

میں مسیحا

کھٹی میٹھی زندگی

ستارہ کے لیے آج کا دن ہی خراب تھا۔ صبح وہ دیر سے ۔۔۔ اٹھی۔ پہلے لیکچر میں صرف دس منٹ رہتے تھے جیسے تیسے تیار ہوئی، الٹے سیدھے بال بنائے اور کالج کے لیے نکل آئی۔ اماں اور آنٹی ناشتے کے لیے آوازیں دیتی رہ گئیں۔ اب لیکچر شروع ہوئے بمشکل دس منٹ گزرے تھے کہ آنتوں میں گرہیں پڑنے لگیں۔ اناٹومی کی

Iqbal Azeem
Pakistanipoint.com

میم بکواس پہ بکواس کر رہی تھیں (کم از کم اسے یہی لگ رہا تھا) اور اسے غش آ رہے تھے۔ ویسے بھی ہمارے طلباء اپنی مرضی سے چاہے چار ماہ روٹی کی شکل نہ دیکھیں لیکن جب بھی ایمرجنسی میں کھانا پینا رہ جائے تو مانو قیامت صغریٰ آ جاتی ہے۔ جیسے اسے اب دو کے چار چار نظر آ رہے تھے اور چار کے سولہ۔ اللہ اللہ کر کے Thank you کی سلائیڈ آئی اور اس نے عائشہ کی کلائی دبوچی۔

"چل چلیں! اللہ کا واسطہ مجھے اس جہنم سے لے چل اور کچھ کھلا لا، شالا جوانیاں ماریں، اللہ کا کے ہی کا کے دیوے۔"

کیفے آئیں تو کیفے بند تھا۔ اس نے سر پیٹ لیا۔

"چل باہر چلتے ہیں۔" کالج کے سامنے گپ شپ کیفے تھا۔ عائشہ متذبذب تھی۔

"یار ستارہ! اگلا لیکچر شروع ہو جائے گا، میم زوبیہ پھر کلاس میں آنے نہیں دیں گی۔"

قسط نمبر 14

''بھاڑ میں جائے کلاس۔ تجھے پتا ہے میں صبح صبح جب تک چائے کا کپ نہ چڑھالوں مجھے Morning blindness ہوتی رہتی ہے۔ اب تو اپنی اندھی دوست کو یوں بیچ منجدھار میں چھوڑ کے جائے گی؟ بس یہی دوستی ہے تیری۔'' اس نے سسکی بھری تھی جواباً عائشہ سے دھموکا کھایا۔ اس کی سات پشتوں پہ احسان دھرتی وہ اس کے ساتھ باہر آئی۔ ناشتا ہوا تو ستارہ بی بی کو گویا ہوش آیا۔ اب لیکچر کی فکر ہوئی۔ دونوں بھاگم بھاگ سڑک پار کر کے گیٹ کی طرف بھاگیں اور اسی مارا ماری اور نفسا نفسی میں ستارہ سامنے سے آتے امان کو دیکھ نہ پائی۔ وہ غریب کا بچہ اس سے ٹکرا کر ٹپہ کھاتا ہوا آہنی گیٹ سے ٹکرایا اور وہیں سڑک پر لیٹ گیا۔ حلق سے وہ آہ و پکار نکلی کہ سڑک پر جاتی ایمبولینس نے بھی اسٹاپ کرنے کا سوچا۔ وہ تو سنبھل گئی پر وہ بے چارہ ہڑکیاں دے دے کے رونے لگا۔

''سوری یار، سوسوری، زیادہ تو نہیں لگی؟''

''زیادہ؟ تم نے غریب کی تہہ لگا دی اور پوچھتی ہو زیادہ؟؟'' بمشکل گارڈ نے سہارا دے کے اسے اٹھایا۔ گھٹنا چھل چکا تھا اور نیچے ٹخنے تک پائنچہ پھٹ چکا تھا۔ خون ہی خون، ستارہ کو غش آ گیا کہ وہ مرور گیا تو.....؟

''چلو تمہیں ڈسپنسری لے چلوں، پٹی وغیرہ کروالو بلکہ یہ سامنے لائف کیئر میں چلتے ہیں۔'' ستارہ اس کے قریب آئی اور وہ بدکا۔

''میں خود چلا جاؤں گا۔''

''ارے ایسے کیسے، کل کلاں کو کوئی بات ہوئی تو میں ایویں گلٹ میں مر جاؤں گی کہ زخمی کو چھوڑ چھاڑ چلی آئی تھی۔ چلو اٹھو۔'' اس نے مضبوطی سے اس کا بازو پکڑا اور عائشہ کو سہارا دینے کو بلایا۔

''گارڈ بھائی! آپ ادھر ہی رکیں۔ ایویں کوئی دہشت گرد اندر گھس کے سب کو مار وار گیا تو سارا الزام مجھ بے چاری پر آئے گا۔''

اس کے لاکھ ناں ناں کرنے کے باوجود وہ دونوں اسے جکڑ کے ڈسپنسری لے آئیں۔ وہ باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ عائشہ کے دانت اندر نہیں جا رہے تھے۔

''اے تے بڑا خطرناک ایکسیڈنٹ تھی گیا اے۔ ہائے امان تمہاری ٹانگ نہ کاٹنی پڑ جائے۔'' زخموں پر نمک چھڑکنا تو سنا تھا پر یہاں تو پوری کھیوڑہ کان چھڑکی جا رہی تھی۔

''سسٹر اسے tatnus کا ٹیکہ بھی لگائیں۔'' ستارہ نے نرس کو مشورہ دیا۔ امان کا رنگ اڑا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ بدکا۔

''کیوں نہیں۔'' وہ آنکھیں پھیلا کے بولی۔ ''اتنی گندی سڑک پر گرے ہو۔ کوئی انفیکشن ہو گیا تو کل کو میرا نام آئے گا نا، سسٹر آپ بھروا انجکشن بلکہ ٹھہرو میں لگا دیتی ہوں۔''

وہ روں روں سوں سوں رونے لگا اور وہ قہقہے لگانے لگیں۔

☆.....☆

وہ زینوں سے واپس آیا تو حویلی سے آتی رونے کی آوازیں سن کر اسے کچھ غیر معمولی ہونے کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے اندر آیا۔ چودھری صاحب کی بیوی کے بین ساری حویلی میں گونج رہے تھے۔ سینے پر دوہتڑ مار کے وہ بین کناں تھی۔

''ہائے تمہارا کھکھ نہ رہے، کیڑے پڑیں، تمہاری سات نسلیں خراب نکلیں، میری دھی رانی کو روگ لگا دیا، ہائے.....''

اس نے دروازے سے لگی ملازمہ سے پوچھا۔ ''کیا ہوا یہ کیوں رو رہی ہیں ایسے؟''

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''چھوٹی مالکن زینب بی بی کو طلاق ہوگئی ہے۔''
وہ دھک سے رہ گیا۔ اندر لاؤنج میں چودھری جہانداد سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چہرے پر شکنوں کا جال تھا۔
''کیوں؟ ابھی کل تک تو سب ٹھیک تھا؟'' وہ الجھ گیا۔
''آپ کو نہیں پتا؟ بڑے لالچی لوگ تھے بی بی کے سسرال والے، چودھری صاحب سے زمینیں مانگ رہے تھے بی بی کو رکھنے کے بدلے، چودھری صاحب نے انکار کیا تو طلاق دے دی۔''
وہ سانس بھر کے رہ گیا۔
''زمین کے ٹوٹے آپ کو زیادہ پیارے ہیں اولاد سے؟ میں پوچھتی ہوں قبر میں لے کے جانی ہیں آپ نے زمینیں؟''
''نیک بخت چپ کر جا، جن باتوں پر پردے پڑے ہیں انہیں پڑے رہنے دے۔'' وہ زور سے چلائے تھے اور وہ جس پر بظاہر قیامت ٹوٹ پڑی تھی بڑے مزے سے ایک کونے میں بیٹھی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔
نعمان پر بہت دنوں بعد عقدہ کھلا کہ ہوا کیا تھا۔ ان لوگوں نے شادی کی ہی لالچ میں تھی۔ زینب کا شوہر ہمیشہ سے شادی کے لیے راضی نہیں تھا۔ اس کے باپ نے زمین کا جھانسا دے کر اسے منالیا تھا۔ اب شادی تو ہوگئی پر وہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے محروم لڑکی شادی کے تعلق میں کوئی بھی تعلق استوار نہ کرسکی۔ اس کے شوہر نے جب جب کوشش کی جواباً وہ قابو سے باہر ہو جاتی۔ مار پیٹ، گالم گلوچ، فرسٹریشن بڑھتی گئی۔ نہ کوئی جسمانی راحت ملی، نہ ذہنی اور نہ ہی مالی۔ انہوں نے طلاق کا پرچہ ٹکے ٹکے کی باتوں کے پلندے کے ساتھ ان کے منہ پر دے مارا۔
''پاگل لڑکی منڈ دی ہمارے گلے۔''
''اس پاگل کا پاگل پن پہلے نظر نہیں آیا تھا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

''کیسا ہے برو؟'' عثمان لیب کے لیے لیکچر تھیٹر سے نکل رہا تھا جب اس سے دو قدم آگے چلتے حسن نے رک کے پوچھا اور داہنی ہاتھ کا مکا بنا کر ہاتھ آگے کیا۔ جواباً عثمان نے بھی بائیں ہاتھ کے مکے سے اس کا مکا ٹکرایا اور ہولے سے مسکرایا۔
''فٹ! تو سنا؟'' اس کے کندھے کے گرد اپنا بازو لپیٹ کے وہ اس کے برابر میں چلنے لگا۔
''بھائی! تو نے مکا بڑا شدید مارا کل، سچی جبڑہ ہل رہا ہے میرا۔''
''اور تو نے جو میرے پیٹ میں ٹانگ ماری، غریب کے پیٹ پر لات مارتا ہے؟'' دونوں ہنستے چلے گئے۔
''وہ ہماری بٹر فلائی (امان) کدھر ہے آج؟''
''صبح ناشتا کر کے گپ شپ گیا تو اوور آل وہاں بھول آیا۔ دوسرے لیکچر میں لینے گیا تھا اب شاید خود کو ادھر بھول گیا۔''
دونوں ساتھ ساتھ لیب میں داخل ہوئے۔ ''اور ریکنگ کی سنا؟ دبا کے ہو رہی ہے؟''
عثمان چپ رہ گیا۔ دبا کے ہو رہی تھی۔

☆.....☆

وہ پھر امید سے تھی۔ پہلے مس کیرج کے محض تین ماہ بعد۔

''اب تمہیں زیادہ ریسٹ کی ضرورت ہے۔ اپنی حالت دیکھو، پہلے ہی تمہارے ساتھ یہ سب ہو چکا ہے۔ اب کی بار بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔''

احتیاط گئی تیل لینے، دوسرے ہی دن اماں نے کسی بات پر اسے چٹیا سے پکڑ کر ایسا گھمایا کہ ناک اور منہ سے خون بہہ نکلا۔ دوسری بار بچہ پھر سے ضائع ہو گیا۔ روٹین کی بات تھی ناں یہ تو۔ کوئی بات نہیں اللہ اور دے گا۔

''ارے ایسی بھی کیا کانچ کی گڑیا ہے یہ کہ ہاتھ لگایا اور چھنا کے سے کرچی کرچی ہو گئی۔ توبہ کیا لچھن ہیں، ارے نہیں ہوتے بچے۔'' پھوپھو سارا دن صلواتیں سناتیں۔

''اس بدذات میں ہی نقص ہے، ہم نے بھی بچے جنے ہیں، زچگی میں ایسی ایسی مشقتیں اٹھائیں اور اولادیں بھی جنیں۔ یہ موم کی گڑیا رانی تو تیز آندھی سے چکرا جائے اور سب تلپٹ، ہونہہ نگوڑ ماری۔''

اب کی بار تو اسے میکے بھی نہ جانے دیا۔ ایسا کون سا تمغہ جیت لیا تھا جو بھاگ بھاگ کے باوا کو دکھانے جاتی تھی۔

☆.....☆

ایمن کالج سے نکلی اور ہوسٹل کی طرف بڑھ گئی۔ جب سامنے سے آتے اذرق نے اسے حیرانی سے دیکھا اور یہ تیسری بار تھا جب اس نے اذرق کو نظر انداز کیا تھا۔ پہلی بار جب وہ اپنی سوسائٹی کی پروموشن کے لیے ان کی کلاس میں گیا تھا تب بھی اس نے ایک بار بھی نظر بھر کے اسے نہیں دیکھا تھا۔ تب وہ ٹھٹھ کا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی لڑکی اسے دیکھ کے دیکھتی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ تو سب کو اپنی طرف کھینچنے کا ماہر تھا۔ کسی مقناطیس کے ایسے۔ لڑکیاں آپوں آپ اس کی اور آتی تھیں پھر وہ کیوں نہیں آئی؟ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ خود کوئی پری تھی۔ خوب صورتی کی بات آتی تو وہ اپنی کلاس کی 55 لڑکیوں میں بمشکل 40 ویں نمبر پر آتی۔ پر وہ پھر بھی اسے دیکھتا رہا کہ شاید کن انکھیوں سے ہی سہی وہ اسے دیکھ لے۔ بس ایک بار۔ پر وہ اپنے جرنل پر جھکی رہی۔ دوسری بار کیفے میں وہ اسے دیکھ کر چونکا پر وہ نہیں۔ خاموشی سے وہ ناشتا کرتی رہی۔ اس کے ساتھ بیٹھی عائشہ جو دلکشی میں اس سے کئی درجے آگے تھی اسے بار بار آنے بہانے دیکھتی رہی پر وہ نہیں اور آج پھر وہی ہوا۔ اذرق ولی اللہ کی انا پر سیدھا وار تھا۔ اس کا چارم اس کی پرسنالٹی، اس کی وجاہت سب دھرے کے دھرے رہ گئے جب وہ معمولی سی لڑکی اسے بھاؤ دیے بنا آگے بڑھ گئی۔ وہ تین بار کھنکارا، دو بار سڑک پر بوٹ مارا پر وہ نہیں پلٹی۔

سرد آنکھوں سے، سگریٹ ہونٹوں میں دبائے، جبڑے بھینچے وہ اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆.....☆

ستارہ ٹھٹھے مار کے ہنس رہی تھی۔ آنکھیں بھنچی جا رہی تھی اور پانی سے بھری تھیں۔

''اللہ! آنٹی اتنا چھوٹی موٹی لڑکا۔ رو رو کے برا حال کر لیا اس نے، میں اور عائشہ اتنی مشکل سے سنبھال کے اسے ہوسٹل تک چھوڑ کے آئے۔'' آنٹی بھی ہنس دیں۔

''ہوتے ہیں کچھ بچے حساس! اب سب ایک سے فطرت کے تو نہیں ہوتے ناں۔''

ایک کونے میں ماوراء ارد گرد سے ماورا اپنے فون میں گھسی ہوئی تھی۔

''ویسے ہے وہ بڑا کیوٹ سا۔ روتے روتے ناک لال ہو گئی اس کی، میرا دل کیا پکڑ کے موٹو توڑ دوں۔'' وہ کھلکھلائی۔ امی کی آنکھیں ابل پڑیں۔

''کیوں بے شرموں والی باتیں کر رہی ہے ستارہ، چپ کر۔''

''ارے کیوں؟'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''مجھے حق کیوں نہیں ہے کسی کیوٹ سے لڑکے کو کیوٹ کہنے

کا۔ میں یونہی کسی ڈیشنگ سے بندے کو دیکھ کے کیوں نہیں مچل سکتی؟ یونہی بلاوجہ میں کسی کو دیکھ کے معنی خیز سیٹی کیوں نہیں بجا سکتی؟''

دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں ہوا میں لہراتی، آنکھیں موندے زور و شور سے تقریر کر رہی تھی۔

دروازے میں کھڑے ابا نے ایک ایک لفظ سنا تھا اور اب ان کی ثقیل اردو سے مزین تقریر سننے کی باری اس کی تھی۔

☆.....☆

ریگنگ اور فولنگ دبا کے جاری تھی۔ وقت بے وقت سینئر ان جونیئرز کو بلوا لیتے اور طوفان بدتمیزی شروع۔ جسمانی اور ذہنی ہر قسم کی ہلڑ بازی۔ ہمارے لیے پتا نہیں کیوں دوسروں کا مذاق اڑانا ایک تفریح بن گیا ہے۔ وہ سب بھی ان کے لیے اپنی اپنی بھڑاس نکالنے کا ذریعہ تھے۔ جس کا دل چاہتا راہ چلتوں کو مرغا بنوا لیتا۔ جہاں دل کرتا گالیوں سے مالا مال کر دیتا، جس کا بھی دل کرتا مار پیٹ شروع کر دیتا۔ جوتے، بیلٹ، ڈنڈے، راڈ، ریمانڈ پر آئے مجرم کے ساتھ بھی قدرے بہتر سلوک ہوتا ہوگا۔ کئی ایک نے تو انہیں برہنہ بھی کروا ڈالا۔

سردیوں کی کڑکڑاتی راتوں میں چھت پر یخ پانی سے نہانے پر مجبور کیا گیا۔ گلاس بھر بھر صابن اور شیمپو ملا پانی پلوایا گیا۔ کسی رات وہ کمرے سے نکال دیئے جاتے اور ٹھنڈے کوریڈور میں رات گزرتی۔

اور اس سب کا کیا جواز پیش کیا جاتا تھا؟

''ہم ایسے جونیئرز سے intrection کر رہے ہیں۔ یہ فولنگ نہیں ہے، اس سے آپ لوگ گھل مل سکو گے۔''

لعنت ایسی انٹریکشن اور ایسے گھلنے ملنے پہ۔ اور پھر جونیئرز کے ساتھ غلاموں والا سلوک۔ سارے کمروں کی صفائیاں، پانی کی بوتلیں بھروانا، اپنی پریکٹیکل کی کاپیاں بنوانا، کھانا لانا، برتن دھونا، کپڑے استری کرنا، دھونا، جوتے پالش کرنا مطلب ہر چھوٹا بڑا کام۔

وہ ان سب کے لیے ایک نادر جگہ تھا۔ وہ پڑھائی مشکل تھی اور بہت مختلف تھی۔ وہاں شروع سے ہی ساتھ ساتھ پڑھنا اور توجہ کی ضرورت تھی۔ ذہنی آسودگی کی ضرورت تھی۔ ماں باپ بہن بھائی ساتھ نہیں تھے تو ان کا متبادل چاہیے تھا۔ اب ایسی نازک صورت حال میں اس درجہ کی ragging کیا کیا تباہی لا سکتی تھی؟

وہ واش روم میں چھپ چھپ کے پڑھتے تھے کہ اگر جو کسی سینئر نے دیکھ لیا تو کتاب پھٹ جائے گی اور کچھ بھی پڑھنے نہیں دے گا۔ لڑکے ساری ساری رات مسجد میں گزارتے، وہیں پڑھتے، وہیں سو جاتے۔

میں نے اس ساری صورت حال میں کئی بچوں کو ڈپریشن سے بچنے کے لیے دوائیاں کھاتے دیکھا ہے اور لال لال آنکھوں سے تکیوں میں منہ دے دے کے روتے دیکھا ہے۔ اچھی خاصی لائق فائق پڑھنے والی بچیاں سپلی لے آتی ہیں۔ ٹیسٹ پر فیل، sub stages زیرو۔ اور ان سب مظالم کو سہنے کے بعد جو قوم پروان چڑھتی ہے اس کے دماغ میں بس ایک بات فکس ہوتی ہے، ہمیں بھی اپنے جونیئرز سے ایسے ہی بدلے لینے ہیں۔

آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان لیکن بہتر ہے معاف کر دو۔ لیکن معاف کون کرتا ہے؟؟

☆.....☆

گندم کے ننھے پودے سر اٹھانے لگے تھے۔ مالٹوں کے بوٹے ہرے ہرے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ ہوا اب بھیگنے لگی تھی۔ وہ اب آہستہ آہستہ اس ماحول کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ صبح منہ اندھیرے وہ اٹھتا، نماز کے بعد کھیتوں پر آ جاتا، اپنے حصے کے کام نمٹاتا، کھاد ڈالنا، پانی لگانا، چارا کاٹنا، جانوروں کو ڈالنا وغیرہ۔ دوپہر تک وہ فارغ ہو کے حویلی واپس آ جاتا۔ تھکن اور بھوک سے چور سو جاتا۔ کھانا کبھی مل جاتا کبھی نہیں۔ شام میں پھر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ڈیرے جاتا، دودھ دھونا، اکٹھا کرنا، جانور باڑوں میں پہنچانے اور کسی کسی رات وہاں پہرہ بھی دینا۔
وہ مطمئن ہونے لگا تھا۔ زندگی نے اس کے ذمے یہ سب لکھا ہے تو یہی سہی، ساری عمر واویلا کرتے تو نہیں کاٹی جاسکتی ناں۔
دو ماہ بعد ٹھیکیدار اسلم کا انتقال ہو گیا اور زمینوں پر اس کا بھائی شوکت آ گیا۔ وہ کرخت اور کڑوا انسان تھا۔ کبھی کسی کے کام سے خوش نہیں ہوتا تھا۔ دن رات مزارعوں کو گالیاں بکتا اور سختی کرتا۔ ٹھیکیدار اسلم نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی تھی پر اب اسے گالیاں بھی پڑنے لگی تھیں۔ وہ زندگی کی اور تلخیوں کی طرح اسے بھی نگلنے لگا۔

☆.....☆

آج ماوراء کی منگنی تھی۔ ستارہ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ جب آنٹی اندر آئیں۔ اسے دیکھ کے ان کی آنکھیں ابل پڑیں۔
''ہائے ستارہ! یہ کیا پہنا ہوا ہے؟ آدھا بلاؤز کہاں گیا تیرا؟''
وہ ان کی حیرانی پر کھلکھلائی۔ ''ایکچوئلی آنٹی یہ ہے ہی اتنا۔''
''نی شرم کر، یہ اپنی ننگی کمر کسے دکھانی ہے تو نے؟''
''آنٹی کیوں جل رہی ہیں میرے حسن سے؟'' وہ زور سے ہنس پڑی۔
''حسن؟ ہاہاہا! یہ دو ڈنڈے جیسے باز و اور ناڑا ڈالنے والی سلائی جیسی تیری کمر۔''
وہ برا مان گئی۔ آنٹی بس ہنسے جا رہی تھیں۔
اگلی کلاس اس کی اماں نے لی۔
''شریف گھروں کی لڑکیوں کے ایسے لچھن نہیں ہوتے ستارہ۔ چل اتار یہ واہیات ساڑھی۔''
''میں کون سا کسی کلب میں جا رہی ہوں ناچنے، چار دیواری کے اندر ہی ہوں ناں۔''
سارا وقت وہ گھوریاں ہی سہتی رہی تھی۔
عائشہ اور ایمن نہیں آسکی تھیں۔ شام چھ بجے کے بعد ہوسٹل سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکیوں کو۔ اللہ اللہ کر کے ماوراء کی سسرال والے آئے اور منگنی کی رسم ادا ہوئی۔ وہ منگنی کے بعد آنٹی کی کسی دوست کے لیے کھانا نکال رہی تھی جب وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اسے دیکھ کر بشاشت سے مسکرایا۔
''ہیلو، آپ ستارہ ہیں ناں، ماوراء بھابی کی بہن؟'' وہ ماوراء کا دیور تھا۔
''جی۔''
''میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔'' ستارہ سوچ میں پڑی تو وہ ہنسا۔
''ہم ایک ہی کالج میں تو ہیں۔ GKMC تھرڈ ایئر۔ ماوراء بھابی نے بتایا نہیں؟''
''نہیں اسے اتنی فرصت کہاں۔''
''یقیناً میرے بھائی نے بھابی کو میرا نام بھی نہیں بتایا ہوگا۔ یہ سب بڑے بہن بھائی ایک جیسے ہوتے ہیں کیا؟''
''شاید!'' وہ کندھے اچکا گئی۔
"By the way you are looking gorgeous in this saari."

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

یا خدا!!! اس شام اس کی اور اس کی ساڑھی کی تعریف کرنے والا وہ پہلا اور آخری انسان تھا۔
''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''
وہ کھانا نکال کے آگے بڑھ گئی اور وہ دلچسپی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس شام وہ ستارہ آسمان کا راستہ بھٹک کے زمین کی اور آنکلا تھا۔

☆.....☆

امان لنگڑاتا ہوا اپنے کمرے سے میس ہال کی طرف جا رہا تھا۔ جب اذرق نے اسے جالیا۔
''اوئے (گالی) یہ کیا ہوا ٹانگ کو؟''
وہ ستم رسیدہ بے چارہ کیا بتاتا کہ کس بلا سے سامنا ہو گیا تھا۔ مری مری آواز میں بولا۔ ''بھائی گر گیا تھا۔''
کیا کیوں کیسے میں وہ بھی انٹرسٹڈ نہیں تھا، فوراً مطلب کی بات پر آیا۔
''وہ تمہاری کلاس میں لڑکی ہے ناں جو عبایا لیتی ہے، کیا نام ہے اس کا؟''
وہ چکرا گیا۔ ''آدھی لڑکیاں عبایا لیتی ہیں کلاس میں۔''
''یار وہ سانولی سی، چپ چپ سی رہتی ہے۔''
وہ کیسے سمجھ پاتا اس کے سامنے تو سب چپ چپ ہی رہتی تھیں۔ اذرق کا پارہ چڑھ گیا۔
''(گالی) میں کیا بھونک رہا ہوں اتنی دیر سے۔'' اس کے کان کے نیچے ایک بجایا۔
''کل کالج میں ملنا مجھ سے، ادھر وہ لڑکی تجھے دکھا کے نام پوچھوں گا، چل اب دفع ہو۔''

☆.....☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

عالیہ کے سسرال کی ہمسائی کا فون آیا تھا شمائلہ بھابی کو۔
''اپنی لڑکی کی خبر لو کچھ۔ کل تیمور اور اس کی ماں نے بے چاری کو بہت مارا ہے۔ خونم خون وہ کمرے میں بند ہے۔ اللہ توبہ میں نے تو سرسری سی نظر ڈالی ہے اس پر جھری سے۔ ہوش کرو تم لوگ۔''
ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ علینہ کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ ابو اور آصف بھائی ترنت گھر سے نکلے اور گھنٹے بعد زخموں سے چور حال سے بے حال عالیہ کا ادھ مرا لاشہ لیے گھر آئے۔ وہ تو حیران رہ گئی۔
''تیمور کا کسی کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ مجھے کسی محلے والی نے بتایا۔ وہ جب بتا رہی تھی تو پھوپھو نے سن لیا۔ تیمور کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا دی۔''
علینہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے چلے جا رہی تھی۔
''سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے ابو! میں اس کتے کو اندر کروا دوں گا۔''
''بہنوئی ہے وہ۔'' ابو دہاڑے۔
''لعنت ایسے بہنوئی پر۔ اسے خیال ہے آپ کا؟ آپ کی بیٹی کا۔'' وہ چپ رہ گئے۔
''میں ابھی تھانے میں پرچا کروا کے آؤں گا۔ ان کے اگلے پچھلے سارے اندر جائیں گے۔''
آصف بھائی بپھرے ہوئے تھے۔ ابو نے غصے میں اٹھ کے ان کے تھپڑ دے مارا۔
''پھوپی ہے وہ تیری۔ اسے جیل کرائے گا؟ اپنے خاندان کی عورت کے بارے میں ایسے بکواس کر رہا ہے۔'' وہ ششدر رہ گئے۔
''شمائلہ اسے اندر لے جا اور علینہ بہن کی مرہم پٹی کر۔ میں دوا لے کے آتا ہوں اور خبردار جو میں نے کسی

کے منہ سے اس بارے میں ایک لفظ بھی سنا۔ میری بیٹی اور میری بہن کا معاملہ ہے میں خود نمٹا لوں گا۔ تم خوامخواہ ثالثی مت بنو۔'' وہ کہہ کے چلے گئے۔

☆.....☆

عثمان اور امان کالج کے لیے ہوسٹل سے نکلے تھے۔ وہ ابھی اندر داخل ہوئے ہی تھے کہ ان کو ایڈمن بلاک سے حسن آتا دکھائی دیا۔ سینئرز سے بچتے جونیئرز مین داخلی دروازے کے بجائے ایسے ہی کسی چور دروازے سے اندر آتے تھے۔ کسی اسٹور روم کے تنگ دروازے سے، چھپتے چھپاتے ایڈمن بلاک سے خاص طور پر ڈے اسکالرز اور ہوسٹل سے باہر رہنے والے طلباء۔ کون صبح ہی صبح ان کے منہ لگ کے اپنا دن خراب کرے۔ اِدھر اُدھر دیکھے بنا، جل تو جلال تو کا ورد کرتے سیدھے ناک کی سیدھ میں اناٹومی ڈپارٹمنٹ میں گھس جاؤ۔

''اوہ بٹر فلائی کدھر تھا کل؟ اور یہ ٹانگ پر کیا ہوا؟''

امان جھنجھلایا۔ ''گلے میں سلیٹ ڈال لوں یا ماتھے پر ٹیٹو کروالوں کہ کل کیا ہوا۔ ہو گیا بس کچھ۔ ایک ہی بات، ایک ہی بات۔''

حسن دم بخود رہ گیا اور عثمان سے پوچھا۔ ''اس نے کیا کھالیا صبح ہی صبح؟''

وہ ہنستے ہوئے ڈی ایچ (di sectin hall) پہنچے جب وہاں پہلے سے موجود ستارہ ان کی طرف آئی۔

''کیسے ہو امان؟ چوٹ کیسی ہے؟ ٹھیک ہے نا سب؟''

وہ دونوں ہمہ تن گوش، آنکھیں پھاڑے، ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

امان اٹکا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔''

''میں نے کہا بھی تھا ٹیٹنس کا انجکشن لگوالو۔ دیکھو ابھی بھی لنگڑا رہے ہو۔'' وہ پورا معائنہ کر رہی تھی۔

خیر کر تو وہ دونوں بھی یہی رہے تھے اور وہ تیسرا دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ آخر کن الفاظ میں ان کو پورا قصہ سنائے کہ اس کی اپنی کم سے کم بے عزتی ہو۔

☆.....☆

دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر آئی۔

آپی اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''آؤ ایمن بچے! کیسی ہو؟''

وہ کتاب لیے ان کے پاس آ بیٹھی۔ ''آپ سے کام ہے آپی، کل سب اسٹیج ہے اور مجھے کچھ بھی نہیں آتا آپ مجھے bones پڑھا دیں گی؟''

''بس اتنی سی بات، آؤ۔''

وہ اس ہوسٹل میں چمکتے ٹاواں ٹاواں تاروں میں سے ایک تھی۔ جب بھی جو بھی پڑھنا ہو ان کے پاس آجاؤ۔ وہ سب اتنے اچھے سے سمجھاتی اور پڑھاتی تھیں کہ ساری ٹینشن اور اسٹریس دور ہو جاتا تھا۔

تھے..... اچھے سینئرز بھی تھے جو سب سچ میں ان کو چھوٹے بہن بھائیوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے، بے شک آٹے میں نمک کے برابر تھے لیکن تھے۔

☆.....☆

فاطمہ کو دورے پڑنے لگے۔ اچھی خاصی بیٹھی بیٹھی چیخیں مار مار کے رونے لگتی اور قابو سے باہر ہو جاتی۔ ماں

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

باپ نوکر سب سنبھالتے سنبھالتے ہانپ جاتے۔ چودھری صاحب ملتان تک لے گئے پر سب نے کہا کوئی جسمانی مسئلہ نہیں ہے۔ ذہنی دباؤ تھا جو نکل رہا تھا۔ جب دورہ شدید ہوتا تو سنبھالنے والے کو نوچ کھسوٹ کے رکھ دیتی۔ اس دن بھی جب دورہ پڑا تو وہ گھر میں ہی تھا۔ اس کی چیخیں ساری حویلی میں گونج رہی تھیں۔ وہ جلدی جلدی نیچے آیا۔ چودھری صاحب اور ان کی بیوی شہر گئے ہوئے تھے۔ اب ملازمہ اسے سنبھالنے کی کوششوں میں ہلکان ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے آگے آیا اور اس کے پاس پنجوں کے بل آ بیٹھا۔ وہ چیخ چیخ کے رو رہی تھی اور ملازمہ پر تھپڑ برسا رہی تھی۔

''فاطمہ! بچے کیا ہوا؟ فاطمہ.....!'' وہ اس کو پچکارتا ہوا اس کے نزدیک آتا جا رہا تھا۔ نرمی سے اس نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ ملازمہ پیچھے ہٹنے لگی۔

''ایسے نہیں روتے بچے! مجھے بتاؤ کیا ہوا؟''

وہ اور شدت سے روئی اور اس کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا آپ چھڑوانا چاہا لیکن نعمان کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ ہذیان کے عالم میں اور سختی سے خود کو چھڑوانے لگی۔

''فاطمہ بیٹا! نہیں روتے، بس.....بس.....''

اس کے ناخن اسے لہولہان کر چکے تھے پر وہ ویسے ہی اسے جکڑے بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کی مزاحمت دم توڑنے لگی۔ وہ ہولے سے اور پاس ہوا اور اس کے بہتے آنسو پونچھنے لگا۔

''میری بات سنو، ادھر دیکھو۔''

انسان کا بس تو وحشی جانوروں کو رام کر لیتا ہے وہ تو پھر کمزور اور معصوم سی لڑکی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

عائشہ کلاس سے نکل رہی تھی جب وہ تیر کی طرح پیچھے آیا۔

''اوہ ہیلو میڈم! سن بھی لیا کرو آدھے گھنٹے سے آوازیں دے رہا ہوں پیچھے سے۔''

''جی؟'' وہ سبز آنکھوں سے اسے گھورنے لگی۔ حسن جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

''کل رات کوئی پچاس کالز کی تھیں تمہیں، ایڈمن نے آج میٹنگ کے لیے بلوایا ہے کچھ documents لے آئے تھے پر آپ مادام نے فون سننے کی بھی زحمت نہیں کی۔''

''میں بزی تھی نہیں پتا چلا۔''

وہ طنزیہ ہنسا۔ ''اتنی بزی تھیں تو GR نہیں بننا تھا محترمہ! اب ہر بار میں تمہیں فون کر کر کے پاگل ہو جایا کروں گا؟ اب ذرا ذرا سے کاموں کے لیے میں اتنی دور سے آیا کروں کالج؟''

عائشہ کو تپ چڑھ گئی۔ ''کیوں تمہارے پیروں میں مہندی لگی ہوئی ہے؟ اور اگر اتنی ہی مصیبت تھی تو CR نہ بنتے۔''

"Mind your Language."

وہ استہزائیہ ہنسنے لگی۔ ''پہلے ڈرپوکوں کی طرح ہاسٹل چھوڑ کر بھاگ گئے اور اب دوسروں پر دھونس جما رہے ہو۔''

وہ انگلی اٹھا کے زور سے دہاڑا۔ "Just shut up."

اردگرد سے گزرتے طلبا نے حیرت سے ان کو دیکھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری GR ship۔ لعنت بھیجتا ہوں میں سب پر۔ اکیلے کر لوں گا میں سب۔ مت

آؤ تم۔'' بکتا جھکتا وہ آگے بڑھ گیا اور وہ خجل سی کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆

تن فن کرتا وہ نکلا اور کیفے سے آتے اذرق کے ہتھے چڑھ گیا۔ سارا غصہ اڑن چھو ہو گیا۔

''اوئے (گالی) تو تو کالج سے ایسا بھاگا کہ اپنا نشان تک نہیں چھوڑا۔ (گالی) سینئرز سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تجھے؟''

''بھائی مجھے جانا ہے۔''

وہ آگے بڑھنے کو تھا جب اذرق نے اسے بیگ سے پکڑ کر کھینچا۔

''او (گالی) تو چاہے سال بعد ہوسٹل آ، ہو گی تیرے ساتھ کتوں والی، تیرا بھلائی اسی میں ہے کہ اب ادھر آنے کا سوچنا بھی مت۔''

اس کے کندھے پر زور دے کر وہ اس پر جھکا۔ ''بلکہ ایک کام کر ایک برقع خرید لے، وہ پہن کر آیا کر کالج تاکہ کسی کی نظر میں نہ آسکے۔''

وہ ایسے ہی سر جھکائے کھڑا تھا جب سامنے سے آتی عائشہ نے اسے کینہ پرور نظروں سے دیکھا۔

(اچھا ہے اس بدتمیز کے ساتھ تو اور کتوں والی فولنگ ہو)

کیفے سے نکلتے امان اور عثمان نے اذرق کو دیکھا تو نظریں جھکا کے وہیں سے مڑنا چاہا پر وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔

''اوئے (گالی) ادھر دفع ہو۔''

سر جھکائے وہ اس کی طرف بڑھے۔

''اب اس کتے کو کیا چاہیے ہم سے؟'' عثمان زیر لب بولا تھا۔ اتنے میں وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

''اوئے چھوٹی موٹی! تجھے ایک کام کہا تھا۔ پتا کیا اس لڑکی کا نام؟''

امان نے نفی میں گردن ہلائی۔

''کسی کام کے نہیں ہو تم سب (گالی) دفع ہو جاؤ سب۔''

☆.....☆

تیمور ماں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ آج تو پھوپھو شہد بنی ہوئی تھیں اور ایسے ہی وہ ابو کو رام کر لیتی تھیں۔

''بھائی صاحب! غلطی ہو گئی بس، کیا کریں۔ آپ کو تو پتا ہے آدمیوں کے دماغ کا، ذرا سی دیر میں غصہ چڑھ آتا ہے، اب اس کی جورو کو بھی کچھ خیال کرنا چاہیے، ذرا جو کسی ہمسائی نے کان بھرے اور یہ لگی سوال جواب کرنے، وہ مرد ذات ہے گھوم گیا سر۔''

علینہ کو ابال آ رہا تھا۔ تیمور سا معصوم اس سے دو جہان میں کوئی نہ تھا۔

''محلے والوں کو تو ویسے بھی مجھ سے اور میرے بچوں سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔ کن سوئیاں ہی لیے رکھتے ہیں۔''

''پر ہو تو کو ابنتا ہے بہن۔'' ابو بولے تو وہ سٹپٹا گئیں۔

''بس آپ پردہ ڈالیں سب پر۔ بچے سے غلطی ہوئی بھی ہے تو یہ معافی مانگتا ہے، میں معافی مانگتی ہوں۔ آپ عالیہ کو بلائیں، میں اس کے پیر پکڑ لوں گی۔ بس آپ صلح صفائی کریں۔''

وہ عالیہ کے پاس آ بیٹھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

ان کی stage (اناٹومی کا تحریری ٹیسٹ) آنے والی تھی۔ ہوسٹل میں تو پڑھنا محال تھا سو عثمان اور امان اس کے پاس آئے ہوئے تھے۔

پڑھتے پڑھتے امان کو خیال آیا۔

''تیرا اور عائشہ کا کیا معاملہ ہے؟ لڑائی ہوئی ہے؟'' حسن چپ رہا۔ عثمان نے بغور اسے دیکھا۔

''تجھے دوست سمجھ کے ایک بات کہوں، مائنڈ نہ کرنا، تجھے اس سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تو نے زیادتی کی ہے۔''

"Please change the topic." وہ سرد مہری سے بولا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔

''چل چائے پینے چلتے ہیں۔'' عثمان نے ہی خاموشی کو توڑا۔

رات کے ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ سارا شہر خاموش تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ تینوں یونہی چہل قدمی کرنے لگی تھے جب وہ کتوں کا غول کہیں سے آنکلا اور ان پر بھونکنے لگا۔ امان کی چیخیں اس کے گھر تک ضرور گئی ہوں گی۔

''بھاگو یارو۔''

میراتھن شروع ہوئی۔ آگے آگے دو پاؤں والے پیچھے پیچھے چار پاؤں والے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ روشن لائٹوں نے ساری دوڑ دیکھی۔ کتے بس جیتنے والے تھے جب عثمان کو ATM نظر آئی۔ تینوں آگے پیچھے اندر گھسے تھے۔ پہلے خوف سے برا حال تھا اور اب ہنس ہنس کے دہرے ہو رہے تھے۔ ATM کے glass door سے منہ چپکائے حسن کتوں کو منہ چڑا رہا تھا۔

''کوئی بھوکا رہے گا ہا ہا بھوکا رہے گا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

پانی کی باری نعمان کی تھی۔ وہ جگہ جگہ لگے ناکے کھولتا جا رہا تھا۔ سارا کھیت پانی سے بھرنے لگا۔ نہ جانے کیسے وہ ایک بند رہ گیا اور اس کھیت کو پانی نہ لگ سکا۔ اپنی تئیں اپنا کام نمٹا کے وہ حویلی آ گیا۔ اگلے دن جب وہ کھیتوں پر پہنچا تو شوکت ٹھیکیدار کڑے تیوروں سے اس کے انتظار میں تھا۔

''کل پانی کی باری تیری تھی؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو (گالی) اس کھیت کو پانی تیرے باپ نے آ کے دینا تھا؟''

وہ ہتک کے احساس سے لال پڑ گیا۔

''شوکت بھائی باپ پر مت جاؤ۔'' شوکت نے غصے سے اسے دیکھا۔

''ورنہ؟ کیا کر لے گا؟ (گالی) مجھے آنکھیں دکھا رہا ہے؟ میں تیری آنکھیں نوچ ڈالوں گا۔'' وہ اس پر پل پڑا اور تھپڑوں کی بارش کر دی۔ نزدیک کے کھیت سے ایک ادھیڑ عمر آدمی بھاگتا آیا اور بیچ بچاؤ کرایا۔

''شوکت بس کر، اوہ ٹھنڈا ہو جا۔''

☆.....☆

''اتنی شرمندگی ہوئی اماں مجھے اس کے دیور کے سامنے، کیا سوچتا ہو گا کہ کیسی وقت سے اڑھائی ماہ پیچھے کی لڑکی ہوں میں جو مجھے اپنی بہن کے ہونے والے سسرال کا بھی نہیں پتا۔''

ماوراء اکتا گئی۔ ''اب بس بھی کر، ایسے کون سے تیرے لعل اتر گئے اگر تو گھڑی دو گھڑی شرمندہ ہو گئی۔ اب

پتا چل گیا ناں۔"

ستارہ نے افسردگی سے اسے دیکھا۔"کوئی نرالا ہی رشتہ ہوا ہے تیرا کمینی! تیرے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے، پتا نہیں نظر کیا آیا تجھے اس گنجے میں۔"

"شٹ اپ! اب اس سے آگے ایک لفظ بھی نہیں۔" ماوراء چلائی تو ستارہ نے منہ چڑایا۔ حالات خراب دیکھ کے اماں نے مداخلت کی۔

"چپ کر جا ستارہ۔ بس چپ! پتا نہیں کون سا کتا بندھا ہوا ہے زبان کے ساتھ۔"

"ہاں ہاں بس مجھے کہنا اس چنڈال کو نہ کہنا۔" وہ حلق پھاڑ کے چلائی۔

"سارا دن کالج میں ذلیل ہو پھر گھر آ کے بھی آنے ٹکے کی لڑکی کے ہاتھوں ذلیل ہو۔"

ماوراء کی بس ہو گئی۔ فون ایک طرف رکھ کر وہ اس پر ٹوٹ پڑی۔ غدر مچ چکا تھا۔ اب جس کے ہاتھ جو آ رہا تھا وہ دوسری پر اچھال رہی تھی۔

☆.....☆

وہ پھر سے سینئرز کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔

"اوئے دیکھو کیفے کی سیڑھیاں کتنی گندی ہو رہی ہیں۔ نکالو اپنے اپنے اوور آل اور شروع ہو جاؤ۔ جس کو میں نے دیکھ لیا کہ کام چوری کر رہا ہے، اسے یہیں دستی سو جوتے ماروں گا۔"

اب وہ چھ لڑکے اوور آل لیے سیڑھیاں رگڑنے میں مصروف تھے۔ سینئرز کا ٹولہ ہلڑ مچا رہا تھا۔ تبھی باہر سے آتے اذرق کو ایمن آتی دکھائی دی۔ وہ اور عائشہ ہنستی ہوئی کالج کی طرف جا رہی تھیں۔ آج ایک بار پھر اس نے اذرق ولی اللہ کو نظر بھر کے بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس کی انا کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ اس نے فوراً اوور آل سے سیڑھیاں رگڑتے عثمان کو آواز دی۔

"اوئے وہ تیری کلاس فیلو ہے ناں؟ نام بتا اس کا جلدی۔"

وہ جان گیا کہ وہ ایمن کی بابت پوچھ رہا ہے۔

"کیا اذرق جانی! فرسٹ ایئر تو چھوڑ دے، ہمارے لیے بھی کچھ بچے۔" کسی نے ٹھٹھہ اڑایا۔ عثمان کی نسیں ابھر آئیں۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ وہ دونوں اب نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔

"اوئے (گالی) نام بول اس کا۔"

"مجھے نہیں پتا بھائی۔"

"جھوٹ بول رہا ہے۔ (گالی)۔ اوئے ارسل ادھر آ۔" اس نے ایک لڑکے کو بلایا اور نفرت سے عثمان کو دیکھا۔

"تجھے کیا لگتا ہے..... تو نہیں بتائے گا تو کوئی بھی نہیں بتائے گا؟ (گالی) میں چاہوں تو وہ خود آ کے اپنا نام بتائے مجھے، چل دفع ہو۔"

تقدیر نے ان دھاگوں کو الجھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ تین دھاگے جن میں سے ایک پر اس کا اپنا نام لکھا تھا اور دوسرے پر اذرق ولی اللہ کا۔ تیسرا دھاگا اس سانولی لڑکی کے نام کا تھا جس کا نام ابھی ابھی ارسل نے اسے بتایا تھا۔

"ایمن رحیم۔"

☆.....☆

عالیہ کو ابو نے ایک بار پھر تیمور کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''زندگی ہمیشہ من چاہی نہیں رہتی عالیہ بیٹی۔ یہ کھٹاس، مٹھاس یہ کڑواہٹ سب ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ ان سب کو ساتھ لے کر چلنا کمپرومائز ہے اور یہ کمپرومائز زندگی ہے۔''

اس دن وہ آصف بھائی اور شائلہ بھابی کے ساتھ شاپنگ پر آئی تھی جب اس نے تیمور کو دیکھا۔ کسی اور لڑکی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ مگن سا دکان میں گھس رہا تھا۔ اس نے بھابی کو دکھایا اور انہوں نے بھائی کو۔ وہ مٹھیاں بھینچے ادھر کو بڑھے پر بھابی نے روک لیا۔

''اللہ کا واسطہ، یہاں تماشا بن جائے گا۔ یہاں نہیں۔''

وہ جیسے تیسے ان کو لے کر گھر آئے تھے اور بپھرے ہوئے ابو کے کمرے میں آئے۔

''وہ آپ کا بھتیجا کسی حرافہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا پھر رہا ہے۔ یہ سمجھایا اس کو آپ نے یا پھوپھو نے؟ سارے وعدے قسمیں سب جھوٹ بکواس کر کے گیا ہے وہ۔''

''آصف آواز نیچی رکھو، باپ سے بات کر رہے ہو۔''

''بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ روز روز کی چخ چخ سے جان چھوٹے گی۔ میں اپنی بہن کو خلع دلواؤں گا۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ دہاڑے۔

''زبان نہیں کاٹتی تیری طلاق کا لفظ بولتے ہوئے۔ ہمارے خاندان میں نہیں ہوتا ایسا گھٹیا کام۔''

''آپ کے خاندان میں تو وہ بھی نہیں ہوتا جو وہ خبیث کرتا پھر رہا ہے۔'' وہ ذرا کی ذرا چپ رہے۔

''میں بات کروں گا اس سے، جاؤ تم۔''

''نہیں ابو اب اس سے میں بات کروں گا۔ وہ میری بہن ہے۔ اب میں فیصلہ کروں گا اس کے لیے۔ اب آپ اس کی زندگی اور برباد نہیں کر سکتے۔''

انہوں نے ابو کو دوٹوک جواب دیا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆.....☆

''ہائے کیا حال کیا ہے کنجر نے معصوم جان کا، کیڑے پڑیں منحوس کو۔'' وہ ادھیڑ عمر آدمی اس کے لاکھ ناں ناں کرنے کے باوجود اسے اپنے ڈیرے لے آیا تھا۔ اب اس کی بیوی اپنے دوپٹے کا پلو پھاڑ پھاڑ اس کے زخم صاف کر رہی تھی۔

''بڑا ظلم کیا ہے چودھری جہانداد نے تجھ معصوم پر۔ اچھا بھلا شہری بچہ لا کر زمینوں میں رول دیا۔ لے بھلا تم تو افسر بابو بنے اچھے لگتے، تمہارا کیا کام وائی بیجی میں۔''

وہ آدمی گلاس بھر دودھ لے آیا تھا۔

''میں کرتا ہوں چودھری سے اس مشٹنڈے کی شکایت۔ یہ بڑا پہلوان بنا پھرتا ہے، سارے کس بل نکل جائیں گے اس کے۔'' وہ دودھ کا گلاس اسے تھما کر بولا۔

''میرا نام دین محمد ہے اور یہ میری گھر والی ہے فقیراں۔ بیبا تجھے کبھی بھی کسی بھی شے کی لوڑ (ضرورت) ہو تو سیدھا میرے پاس آنا۔''

تقدیر مسکرائی۔ اس شہری لڑکے کے انجان پن پر مسکرائی کہ وہ جن سبز آنکھوں سے شفا پاتا تھا، وہ اسی مسیحا کے ماں باپ تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ریما نور رضوان

بن تیرے

Waqar Azeem
Pakistanipoint

عالم محبت میں
اک کمال وحشت میں
بے سبب رفاقت میں
دکھ اٹھانا پڑتا ہے
تتلیاں پکڑنے کو
دور جانا پڑتا ہے

رات کا آخری پہر تھا۔ چار سو خاموشی کا راج تھا۔ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیے وہ ڈائری میں نظم لکھ رہی تھی، من ہی من میں وہ اک کرب سے گزر رہی تھی۔ جب ہم کسی کی چاہت کا مان نہیں رکھ پاتے تو اندر ہی اندر ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ بھی بظاہر ہنستی مسکراتی لڑکی تھی لیکن اندر سے وہ لڑکی بکھری ہوئی تھی۔ وہ ماضی کے دریچوں میں اترنے لگی تھی۔

☆.....☆

''دعا! دیکھ آج پھر وہ مجنوں کا نواسہ تجھے دن دہاڑے تاکے نہیں تاڑے جا رہا ہے۔'' وہ دونوں کلاس ختم ہونے کے بعد کینٹین میں بیٹھی پیزا کھا رہی تھیں کہ عروج نے اس سے کہا۔

''عروج! یار جانے دے۔ یہ سڑک چھاپ عاشق بھی ناں۔'' دعا نے سر جھٹک کر لاپروائی سے کہا حالانکہ وہ بھی من ہی من میں اسے چاہنے لگی تھی۔ یہ چاہت وہ چاہنے کے باوجود ظاہر نہ کر پائی تھی۔ اس کے پیروں میں رسم و رواج کی زنجیر تھی۔

''مس دعا عبدالجبار۔''

شاہنواز نے گھمبیر آواز میں اسے پکارا دونوں اسے اپنے سامنے دیکھ کر سٹپٹا گئیں۔

''ج.....جی.....!!'' دعا ہکلاتے ہوئے بولی۔

''مس دعا! مسز شاہنواز حیدر خان بننا پسند کریں گی کیونکہ میں آپ کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ میں آپ سے شدید محبت بھی کرتا ہوں۔''

بلیک پینٹ پر رائل بلیو ٹی شرٹ پہنے سرخ و سفید رنگت ہلکی ہلکی سی شیو گہری ہری آنکھوں والا لمبی پلکوں والا خوب صورت سا ہیئر اسٹائل بنائے دھیمے سے لہجے میں سرِ عام اقرارِ محبت کر رہا تھا۔

دعا کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

دعا من ہی من اسے چاہتی تھی لیکن کبھی یہ بات زبان پر نہ لائی تھی۔ اسے معلوم تھا یہ بات بات زبان پر آ گئی تو حاصل کچھ نہیں ہونا بلکہ عزت بھی لمحوں میں رخصت ہو جانی ہے دعا بوکھلاہٹ میں اچھے بھلے حجاب کو دوبارہ سیٹ کرنے لگی تھی۔ عروج بغور دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''دعا! مجھے جواب چاہیے، مجھے ٹائم پاس نہیں کرنا تمہاری سنگت میں مجھے زندگی کو مزید خوب صورت انداز میں گزارنا ہے۔'' جواب نہ پا کر دوبارہ آہستگی سے بولا تھا۔ دعا کے لبوں پر قفل پڑا تھا

''پلیز بی سیٹڈ۔'' عروج کو کھڑا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ موسم بھی گرم ہی تھا۔ اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ تبھی اسے بیٹھنے کو کہہ دیا۔

''مسٹر! آپ کی بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔'' دعا نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' اسے اچھنبا سا ہوا۔

''مسٹر! جب میں آپ کا ساتھ نہیں نبھا سکتی تو آپ کو ان راہوں پر کیوں لے کر آؤں؟'' اس کے مدلل لب و لہجے و دوٹوک انداز پر اس نے بغور دیکھا۔

''ساتھ نہیں نبھا سکتی مطلب؟'' شاہنواز کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے ابرو سکیڑ کر پوچھا۔

''کیا آپ کی زندگی میں کوئی اور موجود ہے جسے آپ چاہتی ہو، جو آپ کو چاہتا ہو۔'' دعا کی جانب سے جواب نہ پا کر کافی لمحے گزارنے کے بعد شاہنواز بے قراری سے بولا۔

''نہیں۔'' دعا نے جھٹ نفی میں گردن ہلا دی۔

نجانے کیوں اس کا دل جھوٹ بولنے کا نہ چاہا۔

''دعا! دنیا میں ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہمسفر اسے چاہے۔ میں تاحیات آپ کا وفادار

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

رہوں گا۔'' شاہنواز محبت سے لبریز لہجے میں گویا ہوا۔

''میری کوئی خواہش نہیں۔'' وہ یکدم ہی چلائی۔

''دعا! خیریت تو ہے ناں۔'' عروج یکدم فکرمند ہوئی۔ عروج کو معلوم تھا اسے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دعا شاہنواز سے محبت کرتی ہے مگر اس وقت دعا کا سرد لہجہ اسے سلگا رہا تھا۔

''عروج ہماری برادری میں برادری سے باہر شادی نہیں ہوتی اور برادری میں میرا جوڑ نہیں۔ باہر شادی نہیں ہوتی تو تمام عمر مجھے بابل کی دہلیز پر ہی گزارنی ہے۔'' دعا کے چہرے پر شدت ضبط سے سرخی آ گئی تھی۔ وہ یہ کہتے ہوئے ایک کرب سے گزر رہی تھی۔

''دعا! یہ..... یہ تو غلط ہے۔ تمہاری برادری کی یہ رسم غلط ہے۔ جوڑ نہیں تو، تو تم تمام عمر کنواری رہو گی؟ یار ایسا دنیا کی کس کتاب میں لکھا ہے؟'' عروج یکلخت بولی۔

''عروج! میری برادری میں یہ پہلی بار نہیں ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''دعا! تم باشعور ہو، غلط کا ساتھ دینا اپنی زندگی تیاگ دینا، کہاں کی دانشمندی ہے؟'' عروج جھنجھلا اٹھی۔

تم پلیز میرا ساتھ دو ہم شادی کے بعد کہیں دور جا کر اپنا گھر بسائیں گے۔''

دعا کی اسکارف پن کھلی تو نقاب چہرے سے ہٹ گیا جیسے وہ فوراً لگانے لگی۔ شاہنواز اس کے کسی بھی قسم کے کاسمیٹکس سے مبرا صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے پر اعتماد سا کہہ رہا تھا۔

''یہ ممکن نہیں۔ میں نے گھر سے بھاگ کر شادی کر لی تو برادری والے میرے گھر والوں سے ناطہ توڑ دیں گے اور گھر والے مجھے ایک نہ ایک دن ڈھونڈ کر قتل کر دیں گے۔'' دعا کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''دعا! میں تم سے جدا ہو کر پل پل مروں گا، تم سنگ زندگی جی کر مر گیا تو غم نہیں۔''

''شاہنواز! سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے بوڑھے ماں باپ کی طرف دیکھو۔ میرے ساتھ رہ کر کچھ نہیں ملنے والا۔'' دعا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''دعا یہ دل تمہیں چاہتا ہے، تم بن نہیں رہ سکتا۔'' شاہنواز بے چینی سے بولا۔

''شاہنواز ہماری برادری میں لڑکیوں کے پڑھنے پر پابندی ہے، میں ایسا کر نہیں سکتی جس سے آنے والی نسل پر علم کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ میں اپنی خوشی کی خاطر سب کو غم نہیں دینا چاہتی۔'' دعا کا لہجہ حتمی و دوٹوک تھا جبکہ دل اسے ہی پکار رہا تھا۔

اس نے دل کی اک نہ سنی تھی دنیا میں کون چاہتا ہے کہ وہ چاہنے والوں سے دور رہے لیکن وقت و حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ بھی کٹھور بن رہی تھی۔ وہ شاہنواز کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شاہنواز لب بھینچے ہوئے مایوس سا اسے دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆

''شاہنواز! تم نے میرے من کی سرزمین پر محبت کا پرچم بلند کیا ہے۔ یہ دل تمہاری محبت میں دھڑکتا ہے۔ میرا روم روم تمہیں پکارتا ہے۔ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی ہوں کہ میری خاموش محبت نے تمہارے دل میں محبت کے دیپ روشن کر دیے ہیں۔ محبت یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہے۔ میں تمہارا محبت و چاہت بھرا ہاتھ تھام کر محبت کی شاہراہ پر چلنا چاہتی ہوں لیکن میں رسم و رواج سے بغاوت نہیں کر سکتی۔ میری برادری میں آج تک کسی لڑکی نے رسموں سے بغاوت نہیں کی ہے تو میں بھی نہیں کر سکتی۔

میں چاہتے ہوئے بھی تمہیں اپنا نہیں سکتی۔

رات کے پچھلے پہر وہ گھر کے تمام کام نمٹا کر سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو آنکھ بند کرتے ہی شاہنواز کا سراپا نظر آیا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور سوچوں میں گم ہو گئی۔

☆.....☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اگلے دن اتوار تھا۔ دعا کھانے بنانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ مونگ مسور کی دال میں بگھار لگا کر چاول ابال رہی تھی کہ بڑی بھابی آئیں۔

''دعا! آخر تم نے گل کھلا دیے ناں۔'' نجمہ بھابی کے طنزیہ لہجے پر وہ حیران تھی۔

''بھابی کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ نہ سمجھی سے بولی۔

''ہائے بھولی بھالی دعا کی معصومیت تو دیکھو ذرا۔'' انہوں نے مسخرا اڑایا۔

''بھابی میری سمجھ میں نہیں آرہا۔'' دعا کا دل زور سے دھڑک رہا تھا، وہ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ شاہنواز کی محبت کا نجمہ بھابی کو علم ہوگیا ہے۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

''دعا بی بی! تمہاری یونیورسٹی فیلو شاہنواز شاہنواز حیدر خان آیا ہے اپنی ماں کے ساتھ تمہارا رشتہ مانگنے۔''

اس پر بیک وقت حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا وہ ششدر رہ گئی۔

''کک..... کیا..... کہہ رہی ہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ سے بے ربط بولی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ خطرے کا سائرن تیز آواز میں بج رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں حد سے سوا تھیں۔

''میری بھولی دعا! تمہاری مرضی کے بنا یہ کام ممکن نہیں، عشق و عاشقی کے پیچ لڑانے سے قبل اس گھر کی ریت و رواج کا ذرہ برابر خیال نہ آیا۔ اپنے انجام کی فکر نہ تھی۔ کیا کمی ہے تمہیں، اچھا کھانا، پینا، ضرورت کی ہر چیز مل رہی ہے پھر بھی میری تربیت پر لے کر کالک مل دی۔'' نجمہ بھابی غم و غصہ سے بولیں۔

''بھابی! یقین کیجیے میں نے کچھ نہیں کیا۔'' دعا نجمہ بھابی کا ہاتھ تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''دعا! میں کیسے یقین کرلوں۔'' نجمہ بھابی نے اس کے ہاتھ جھٹک کر تنفر سے کہا۔

''بھابی! میں امی کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''دعا! مرے ہوئے کی قسم کھا کر اس کی روح کو اذیت نہ دو۔'' نجمہ بھابی طیش میں چلائیں۔

''بھابی! آپ جو کہیں گی میں کرنے کو تیار ہوں لیکن یقین کریں کہ میں نے یہ نہیں کیا۔''

دعا کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔ اس کے ساتھ جارحانہ رویہ اختیار ہونے والا تھا۔ شاہنواز اور اس کی ماں کو تو بے عزت کر کے نکال دیا گیا تھا، دعا کے اوپر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے والے تھے، وہ خوفزدہ تھی۔ بانو خالہ کا حشر اسے یاد تھا۔ وہ سترہ سال کی عمر میں قید خانے میں گئی تھیں۔ حسین دوشیزہ کا حسن قید خانے میں مقید رہنے کی وجہ سے مانند پڑ گیا تھا۔ تیس سال کی عمر میں قید خانے سے ان کی لاش نکلی تھی۔

وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ نجمہ بھابی کے دل میں رحم آگیا، وہ اس کی پھوپھی زاد تھیں اور انہوں نے اسے قید خانے میں جانے سے بچالیا تھا۔ اپنے شوہر سے جھوٹ بول کر کہ وہ لڑکا آوارہ لفنگا ہے۔ خواہ مخواہ دعا کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ہمیں ہراساں کر رہا ہے۔ نجمہ بھابی نے رحمدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قید خانے میں جانے سے بچالیا تھا لیکن سب کی نظروں میں حقارت دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رویا تھا۔ وہ گھر میں قید رہتی اور کاموں میں جتی رہتی۔ رات کی تنہائیوں میں شاہنواز کی محبت اسے مضطرب کر دیتی تھی۔

☆.....☆

دن ایسے ہی بے کیف و بے نور گزر رہے تھے۔ دعا کے دل میں کوئی خواہش نہ تھی بس وہ شاہنواز کی صحت، سلامتی، خوشگوار، پرسکون زندگی کے لیے ہمہ وقت دعا گو رہتی تھی۔ محبت تو ہر انسان کے دل میں بستی ہے۔ کوئی عیاں کرتا ہے کوئی نہاں رکھتا ہے۔ آج شام سے ہی وہ مضطرب سی تھی۔ رات کے کھانے میں قیمہ کریلے بنانے تھے۔ وہ تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

آج دو ماہ بعد عروج دعا کے گھر آئی۔ نہایت قابل و ذہین لڑکی کو یوں گم صم اجڑا سا دیکھ کر اس کا دل مزید غمگین ہوا تھا۔ وہ آئی تو ایک روح فرسا خبر کے ہمراہ۔

شاہنواز کی موت کی خبر کے ہمراہ۔ شاہنواز کو وہ نہ ملی تو دل کو ایسا روگ لگا کہ اس کی جان ہی لے لی۔ ایک رات وہ معمول کے مطابق محو استراحت تھا کہ حرکت قلب بند ہوگئی۔ اس کے گھر میں دو ماہ سے صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ ہنستا بستا گھر ماتم کدہ بن چکا تھا۔ دعا بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ عروج کو اس کی زندگی و حالات کا علم تھا تبھی اس کے کمرے میں موقع مناسب پا کر اسے بتا دیا تھا۔

دعا نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا تھا۔ بھابی دیکھ لیتیں تو گھر میں قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ دعا دل میں رو رہی تھی۔

بعض اوقات انسان اتنا بے بس ہوتا ہے کہ اپنی تکلیف و غم کا کھل کر اظہار بھی نہیں کر سکتا، رونا تو بہت دور کی بات ہے۔

☆.....☆

دعا نماز روزہ کی تو پابند پہلے ہی تھی، اب مزید اہتمام کرتی۔ شاہنواز کی مغفرت کی دعائیں کرتی۔ صبح و شام ماہ و سال گزرتے رہے۔ دعا کے بالوں میں چاندنی اتر آئی تھی۔ بھتیجیاں اور بھانجیاں جوان ہو چکی تھیں۔ سبھی پوچھتی کہ دعا پھوپھو، دعا آنی کی شادی کیوں نہیں کی اور سب یہی کہتے ان کا جوڑ نہیں۔ دعا کا دل درد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا، دل دہائی دیتا کہ جوڑ تھا، بے جوڑ ظالم سماج نے کر دیا، دنیا کی کون سی لڑکی ہے کہ جس کے من میں شریک حیات کا خیال نہ بستا ہو۔ بچپن سے ہی لڑکی کے من کے نہاں خانوں میں کسی لڑکے کی محبت جاں گزیں ہوتی ہے۔

عید کا دن ہو یا نئے سال کے لمحات سبھی کے چہرے پر خوشیاں رقصاں ہوتیں اور وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔ طبیعت ناساز ہونے کے باوجود بھی کئی طرح کے کھانوں سے ٹیبل سجی ہوتی تھی۔ عید الفطر ہو عید الاضحیٰ نیا سال ہو یا کوئی بھی ایونٹ ہر تہوار کی اصل خوشیاں ماں، باپ، بہن، بھائی، شوہر اور اولاد کے ساتھ منسوب ہوتی ہیں۔ دعا کی زندگی میں کوئی سگا نہ تھا۔ اس کے سارے خوشی کے تہوار گھر کی دیگر ملازماؤں کی طرح گزارتے تھے۔ بھائی بہن سب اپنی زندگیوں میں مصروف و مشغول تھے۔ کسی کو اس کی تنہائی کا خیال نہ تھا۔ زندگی کا سفر بنا ہمسفر کے کتنا کٹھن ہوتا ہے۔

زندگی کا سفر ہمسفر کے چاہت بھری سنگت کے بنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ درد بھرا ہوتا ہے۔

یہ کوئی دعا سے پوچھتا۔ شاہنواز کی یادوں کے ہمراہ یہ اس کی اکیسویں بڑی عید تھی جو وہ اداسی و سوگواری سے گزار رہی تھی، جن کے اپنے ان کے سنگ نہیں ہوتے ان کی عید ہو یا نیا سال اداسی بھرا ہی گزرتا ہے، اپنوں کی یاد مزید دل کے زخموں پر نمک پاشی کرتی ہے۔

☆.....☆

دور کہیں بہت زیادہ آتش بازی ہو رہی تھی۔ پٹاخوں کی آواز اسے سخت بری لگ رہی تھی۔ اس نے غصے سے کھڑکی کے پٹ بند کر دیے تھے۔ دنیا اپنی خوشیوں میں مگن و مست رہتی ہے۔ کسی کی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا یہاں کسی کو۔ کافی گھنٹے گزار جانے کے بعد اس نے حبس زدہ کمرے کی کھڑکی کھول دی۔ فضا میں خنکی رچی بسی ہوئی تھی۔ گلی میں اکثر برات لے جاتے وقت خوب آتش بازی ہوا کرتی تھی۔ دعا کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ اس کی حسرت ہی رہی کہ اس کی بھی برات آئے۔

وہ آسمان کی وسعتوں پر چمکتے چاند کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ زندگی ہر کسی کی خوشیوں بھری نہیں گزرتی نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو میری طرح اداس رہتے ہیں۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

MOVEETA®

The Touch of Softness

Quality Tissue No More An Issue

نفاست اور سہولت موویٹا ٹشو کی بدولت

VIRGIN PLUS سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹیڈ ٹشو پیپر

ایکسٹرا ملایم، ایکسٹرا حفظان صحت، ایکسٹرا سہولت!

جذب کرے آسانی سے صاف کرے روانی سے

Super Soft

زیادہ سہولت ... زیادہ نفاست

Perfumed Sandwich

دلآویز خشبو سے بھرپور ٹشو پیپر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Super Soft Roll
& Kitchen Roll

ضرورت بھی ... سہولت بھی

حفصہ کنول

تیرے عشق میں

شاہ پیلس میں گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سناٹا اس قدر تھا کہ سوئی بھی گرتی تو اس کی بھی آواز سنائی دیتی۔ وہاں موجود سب کی نگاہیں ادب واحترام سے جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن صرف ایک شخص ایسا تھا جس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں رقم تھیں۔ کچھ ساعت کی خاموشی کے بعد ہاتھ میں پکڑی چھڑی پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے آغا شاہ کے کھنکارنے کی آواز پر ہادی کا دل جیسے اچھل کے حلق میں آ گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint

"ہاں برخوردار! کیا چاہتے ہو تم؟" آغا جی کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔

"آغا جی..... وہ..... مم.....

"یہ، وہ، اگر، مگر سننے کے لیے نہیں بلایا ہم نے تمہیں۔" آغا شاہ کرخت لہجے میں گویا ہوئے تو ایک طرف کھڑے شاہ زمان کو اس پر رج کے ترس آیا۔

"آغا جی میں نے آپ کو بتایا....." روشانہ چچی نے آگے بڑھ کے بیٹے کی وکالت کرنا چاہی تو درمیان میں ہی آغا شاہ نے انہیں ہاتھ اٹھا کے بولنے سے روک دیا۔

"منجلی بہو! بہتر ہے جس کا معاملہ ہے وہی بولے۔"

"آغا جی میں نے بس ایک بات کی تھی۔" ہادی کی پھنسی پھنسی آواز پر شاہ زمان کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی جسے ہونٹوں پر ہونٹ جما کے وہ روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اگر آغا جی دیکھ

ناولٹ

لیتے تو.....؟

''کیا کرو گے باہر جا کے۔ چند کاغذ کے ٹکڑوں کے پیچھے غیر مسلموں کی غلامی کرو گے۔ یہاں کی بادشاہت راس نہیں آرہی جو وہاں جا کے نوکر بننے کا سوچ لیا تم نے؟'' ان کی آواز کا رعب ہی مقابل کو سہم جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ہادی کا بس چلتا تو سر پر پاؤں رکھ کے بھاگ جاتا۔

''بتاؤ یہاں کسی چیز کی کمی ہے تمہیں؟'' اس نے ذہن کے گھوڑوں کو جھٹ پٹ دوڑایا مگر لاکھ سوچنے پر بھی اسے کوئی کمی یاد نہیں آئی تھی۔

''آغا جی آپ چاہیں گے تو میں نہیں جاؤں گا۔'' وہ بس رونے کو تیار کھڑا تھا۔ اس مرتبہ شاہ زمان اپنے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ کو روک نہیں پایا۔

''شاہ زمان کو دیکھا ہے کبھی ایسی فرمائشیں کرتے ہوئے۔ وہ بھی تم لوگوں کے ساتھ رہ کے بڑا ہوا ہے لیکن مجال ہے جو کبھی شکایت کا موقع دیا ہو۔'' اپنے نام پر اس نے فوراً نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کے مسکراہٹ کو بریک لگائی تھی۔

''آغا جی، چلیں اب جانے بھی دیں۔ بچہ ہے، غلطی سے سوچ لیا ایسا۔'' چھوٹے چاچو نے ڈرتے ڈرتے بظاہر مسکرا کر بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔ ہادی نے فوراً اثبات میں سر ہلا کے خلاصی چاہی تھی۔ آغا شاہ کے اشارے پر ینگ پارٹی نے فوراً بھاگنے کے انداز میں کمرے کو خیر باد کہا اور انکی سانسوں کو کھلی فضا کے سپرد کیا۔

ہادی کو اچانک باہر جانے کا شوق چڑھا تھا اور روشانہ شاہ نے بنا سوچے آغا شاہ کے دربار میں حاضری دے دی تھی۔ آغا شاہ کبھی کسی پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرتے تھے۔ اگر بات غلط ہو تو پھر ان کے عتاب سے کوئی بچ نہیں پاتا تھا۔ اگلے چند منٹوں میں ہادی کے ساتھ آغا شاہ نے سب کو اپنی عدالت میں گھسیٹ لیا تھا۔ جب کسی کی عزت افزائی ہوتی تو سب کے سامنے ہوتی تھی تاکہ باقی سب کو بھی سبق حاصل ہو۔

''یہ کیسی بادشاہت ہے جہاں بادشاہ کی اپنی مرضی نہیں چلتی۔'' باہر نکلتے ہی وہ اپنے اندر کی بھڑاس نکالنے لگا تھا۔

''اس سے اچھا ہے دوسروں کی غلامی کر لو تاکہ کھل کے خود کو غلام تو کہہ سکیں۔

''میں تو سوچ رہی تھی ہادی بھائی باہر جائیں گے تو چند سالوں بعد میں بھی ان کے پاس چلی جاؤں گی۔'' بھائی کی دیکھا دیکھی فالحہ نے بھی دہائی دی تھی۔

''ہاں جہاز کی پونچھ پکڑ کے آجاتی، آئی بڑی۔'' ہادی کا سارا نزلہ اس پر ہی گرا تھا۔

''مجھے لگتا ہے ہم معصوم سے پرندے شاہ پیلس نامی پنجرے میں قید ہو کے رہ گئے ہیں۔'' رامین کی آہ وزاری بھی شروع ہو گئی تھی۔

''سونے کا پنجرہ۔'' عماد نے دانت نکالتے ہوئے بہن کو یہاں کی آسائشات یاد دلائی تھیں۔

''بیٹا تو رہ اس سونے کے پنجرے میں، پر یہ دیکھ، میں ہاتھ جوڑتا ہوں تیرے آگے، مجھے اس پنجرے کی کسی سلاخ سے دھکا دے کے باہر پھینک دے۔'' ہادی نے ہاتھ جوڑ کے ماتھے سے لگاتے ہوئے اندر کا لاوا باہر نکالا تھا۔ پیچھے چلتا شاہ زمان جو کب سے ان کے مکالمے سن رہا تھا، ہادی کے انداز پر اپنا قہقہہ روک نہیں پایا۔

''دشمن بھی پیچھے آرہے تھے، مجھے بتایا کیوں نہیں۔'' منہ بنا کے وہ پھر سے چلنے لگا تھا۔

''خبردار میرے سوئیٹ برادر کو کچھ کہا تو۔'' علشبہ نے انگلی اٹھا کے اسے وارن کیا تھا۔

''سر پر بٹھا لو اپنے بھائی کو۔''

''تو آغا جی کا غصہ مجھ پر کیوں نکال رہا ہے؟'' شاہ زمان نے اس کے برابر آتے ہوئے اپنے دائیں بازو کو اس کے کندھے کے گرد پھیلا کے اسے اپنے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

قریب کیا تھا۔ انداز بالکل بڑے بھائیوں جیسا تھا۔
''چھوڑیں، مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔''
''مطلب آج کچھ زیادہ ہی فیل کر لیا تم نے۔''
شاہ زمان کو ہنسی آ گئی۔ ہادی رک کے اسے گھورنے لگا۔
''بھائی! آئی وش آپ سے بھی کوئی ایسی غلطی ہو جو شاہ پیلس میں تو کیا ہماری پچھلی سات پشتوں میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ تب میری جگہ آپ اور آپ کی جگہ میں کھڑا بالکل آپ کی طرح دانت نکال رہا ہوں۔''
''تمہاری باہر جانے والی خواہش کی طرح یہ خواہش بھی کبھی پوری نہیں ہو گی۔'' اس نے بڑے ٹھنڈے میٹھے لہجے میں بولتے ہوئے اسے سلگا دیا۔
''دعائیں پوری بھی ہو جایا کرتی ہیں۔''
''یہ مجھے کسی اینگل سے دعا تو لگ نہیں رہی۔''
''شاہ بھائی! اس کا منہ ہی ٹیڑھا ہے آپ فکر نہ کریں۔'' علشبہ کی بات پر ہادی کی گھوری کا رخ علشبہ کی طرف ہو گیا۔ سب کی دبی دبی ہنسی میں شاہ زمان کی ہنسی بھی شامل تھی۔

☆.....☆

رات یوں دل میں تیری بھولی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے باد نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

سیاہ آسمان پر نظریں جمائے اردگرد پھیلے ہوئے سکوت کی طرح اس کے اندر بھی خاموشیاں سائیں سائیں کر رہی تھیں۔
''شاہ زمان۔'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز حرکت کی تھی۔ تڑپ ایسی تھی کہ آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اس شخص کے نام کے آنسو تو جیسے اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ وہ اسے بھلانا چاہتی تھی لیکن وہ اتنی ہی شدت سے اسے یاد آ کر اس کی روح کھینچ لیتا تھا۔

یونیورسٹی کے کوریڈور میں دائیں بازو میں بیگ ڈالے، ہاتھ میں موبائل پکڑے، پروقار چال چلتا وہ ایشال حیدر کے پاس سے گزرتا اس کے اندر جیسے ادھم مچا گیا تھا۔ گھر آ کے وہ کتنا روئی تھی اور کیوں روئی تھی وہ خود نہیں جانتی تھی۔ اسے ماں یاد آئی تھی جو چند ماہ قبل اسے بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ گئی تھی۔
وہ بہت چھوٹی تھی جب حیدر فاروق خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ ایک پانچ سال بڑی بہن تھی جو شادی کے بعد امریکہ میں مقیم تھیں۔ شاید عمر کا فرق تھا جو وہ شروع سے ہی دعا آپی کے ساتھ فرینک نہیں ہو پائی تھی اور انہوں نے بھی تو کبھی پیار سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ عجیب کھنچا کھنچا رویہ ہوتا جس کا گراف شادی کے بعد کچھ زیادہ ہی اونچا ہو گیا تھا۔ مدیحہ بیگم زندہ تھیں تو کبھی بھولے سے بھی بات نہیں کی تھی۔ اور مدیحہ بیگم کی وفات کے اگلے ہفتے انہوں نے واپسی کے لیے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔
دعا آپی کے نزدیک پانچ مرلے کے بند گھر میں ایشال کے لیے رہنا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ وہاں امریکہ میں تو لڑکیاں ہوش سنبھالتے ہی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنے اخراجات اٹھانے لگ جاتی ہیں۔ حالات کو شکست دے کر قسمت کو اپنی مٹھی میں قید کر لیتی ہیں۔ پھر اکیلے رہنا تو بڑی بات تھی ہی نہیں۔ انہوں نے جانا چاہا تھا اور ایشال نے جانے دیا۔
مگر شاہ زمان کو دیکھ کے اس کا شدت سے جی چاہا تھا اپنے اندر اٹھتے اس درد کو کسی کے سامنے کھل کے بیان کرے۔ ساری رات تکیہ بھگتا رہا تھا اور پھر شاہ زمان کو دیکھنا اس کا معمول بن گیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی تو نگاہیں اس کے چہرے پر چپک کے رہ جاتی تھیں۔
پانچ ماہ اور دس دن تک اس کی خاموش محبت کی جڑیں اس کے جسم کی رگ رگ میں مضبوطی سے پھیل چکی تھیں۔ اور اب یوں تڑپ تڑپ کے زندگی گزارنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

شاہ زمان ایم فل کے لاسٹ سمسٹر میں تھا۔ ایشال پہلے دور سے اسے دیکھا کرتی تھی اب اس کی نگاہوں کی زد میں آنے لگی تھی۔ شاہ زمان کی بے ساختہ اٹھنے والی ایک نگاہ اس کی رگوں میں خون کی گردش کو بڑھا دیتی تھی۔ وہ اس پر دوسری نگاہ نہیں ڈالتا تھا اور ایشال کا بس نہیں چلتا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کو گریبان سے پکڑ کے جھنجوڑ ڈالے۔

اور پھر ایک دن وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور لڑکھڑاتے لہجے میں اپنے دل کی حالت بیان کرتی وہ اسے سرتاپیر سلگا گئی تھی۔ چند سال پہلے بھی شاہ زمان کو اس کی محبت کی ضرورت نہیں تھی اور آج بھی وہ اس کے لیے تنہا ہی تڑپ رہی تھی۔

☆.....☆

''یہ کون سا ٹائم ہے ٹی وی دیکھنے کا؟'' رات کے بارہ بجے ہادی، عماد، فائزہ اور رامین کو ٹی وی پر انگلش مووی سے لطف اندوز ہوتے دیکھ کر اسے حقیقی معنوں میں حیرت ہوئی تھی۔

''لو جی آگئے آغا جی نمبر ٹو۔'' ہادی کے منہ کے زاویے بگڑے تھے۔

''بیٹا اگر میری جگہ آغا جی نمبر ون آگئے ہوتے ناں تو یقیناً اب تک عزرائیل صاحب تمہاری جان نکال چکے ہوتے۔'' ان کے پاس ہی ایک صوفے پر ٹکتے ہوئے اس نے آرام سے جواب دیا۔

''اگر گھروں میں بھی ریٹائرمنٹ کی پالیسی نافذ ہوتی تو آغا جی کے بعد یقیناً یہ عہدہ آپ کو ہی ملتا۔'' ٹرے میں کافی مگ رکھے علشبہ کچن سے نمودار ہوئی۔

''اب اتنا بھی بزرگ ٹائپ نہ بناؤ مجھے، صرف پچیس کا ہوں ابھی تو۔'' انداز دہائی دینے والا تھا۔

''چلو اٹھو تم لوگ بھی۔ آغا جی آگئے تو آدھی رات کو گرج چمک اسٹارٹ ہو جائے گی۔''

''مما نے بتایا ہے کہ آغا جی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تو وہ نیند کی گولی لے کے سو رہے ہیں۔ اس لیے آج کی رات ہم کھل کے سانس لینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔'' اب کی بار عماد کی طرف سے جواب آیا۔

''میں کہتا ہوں آغا جی سے کہ آپ کے پوتے پوتیوں کو سانس کا مسئلہ درپیش ہے اس لیے ان کے لیے آکسیجن سلنڈر کا انتظام کیا جائے۔'' کافی کا مگ اٹھاتا وہ بھی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے یہ سب برا لگتا تھا مگر باقیوں کی نسبت اس کی ذات میں ٹھہراؤ تھا۔ وہ آغا جی کے سب سے بڑے بیٹے جبران شاہ کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ چھ سال کا تھا جب جبران شاہ اور میمونہ شاہ حج کی ادائیگی پر شہادت کے رتبے پر فائز ہو کر اس دنیا سے ناتا توڑ چکے تھے۔ تب آغا جی نے اسے اپنی پناہ میں لے کر کسی بھی دکھ و تکلیف کو اس کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا تھا۔ پھر شاہ زیب چاچا اور روشانہ چچی تھے جن کی فیملی ہادی اور فائزہ سے مکمل تھی۔

اس کے بعد مہران شاہ اور سبغہ شاہ تھے۔ علشبہ، رامین اور عماد نے جن کے گلشن کو مہکا دیا تھا۔

ماں باپ جیسے انمول رشتوں کی محرومی نے اسے کافی حد تک سنجیدہ مزاج بنا دیا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی وہ بہت سوچ سمجھ کے کرتا۔ ذہین بھی بہت تھا۔ اس لیے اسکول میں ہی کئی بار ٹاپ کر چکا تھا۔ شاہ زیب چچا اور مہران چاچو کے ساتھ ساتھ روشانہ اور سبغہ چچی نے بھی ہمیشہ اسے اپنے بچوں جیسا ہی پیار دیا تھا مگر آغا جی کے تو بڑے بیٹے کی وہ آخری نشانی تھا۔ اس لیے ان کے دل میں شاہ زمان کے لیے بے پناہ محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے یہ چھوٹے کزن جو بالترتیب دو، تین اور چار سال کے فرق سے ہی چھوٹے تھے اسے آغا جی کا چہیتا ہونے پر مختلف القابات سے نوازتے رہتے تھے۔ وہ بھی ان کی اس نوک جھونک کو دل سے انجوائے کرتا تھا۔

ٹی وی پر چلتی مووی اپنے آخری مراحل میں تھی۔

WaqarAzeem.com
Pakistanipoint.com

عماد اور رامین دیکھتے دیکھتے نیند کی وادیوں میں پہنچ چکے تھے۔ جب کہ ہادی اور علشبہ سرگوشیوں میں نجانے کون سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔ اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تو گہرا سانس لیتے ہوئے وہ موبائل کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

میکدے کے سبھی پینے والے
لڑکھڑا کر سنبھلتے ہیں لیکن
تیری نظروں کا جو جام پی لے
عمر بھر وہ سنبھلتا نہیں ہے

میسج پڑھتے ہی اس کے ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

☆.....☆

محبت اختیار سے باہر کی چیز ہے اور ایشال حیدر اس جملے کے ایک ایک حرف پر آنکھیں بند کر کے یقین کر چکی تھی۔ وہ ایسی راہوں کی مسافر تھی جن کی کوئی منزل نہیں تھی اور وہ ان راہوں پر چلتے چلتے جیسے تھکنے لگی تھی۔ پاؤں شل ہو گئے تھے مگر وہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اسے ضد ہو چکی تھی کہ چلتے چلتے مر جائے گی پر واپس نہیں مڑے گی۔

صرف محبت ہوتی تو شاید اسے اتنا فرق نہ پڑتا۔ لیکن یہ محبت میں شدت اسے رج کے خوار کروا رہی تھی۔ کئی بار وہ آخری بار روئی تھی۔ کئی بار خود کو سمجھایا تھا مگر ہر بار شاہ زمان اس کے ارادوں کو بھری بھری مٹی کی طرح ڈھیر کر دیتا۔ کچھ تو تھا اس میں ایسا کہ وہ بار بار اس کی طرف کھنچی چلی جاتی۔ ایشال حیدر کا دل چاہتا وہ اس کے سامنے چیخ چیخ کے روئے۔ اسے بتائے کہ کیسے ایک ایک لمحہ وہ اذیت میں گزارتی ہے۔ لگاتار سوچوں نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ وہ ڈپریشن کی گولیاں کھانے لگی تھی۔ جتنی دیر وہ بے سدھ پڑی رہتی سکون میں رہتی۔ جیسے ہی حواس بیدار ہوتے محبت بھی زور و شور سے جاگ اٹھتی۔ کتنی راتیں بغیر سوئے گزر جاتیں۔ وہ بے بس ہو کے رو پڑتی۔ رونے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

اس دن وہ اپنے ڈپارٹمنٹ کے باہر کھڑی کلاس میڈ صوفیہ کا انتظار کر رہی تھی جب شاہ زمان کو آتے ہوئے دیکھا۔ بلیک شلوار قمیص، گوری رنگت، دراز قد اور چمکتی سیاہ آنکھیں۔ وہ بت بنی اسے دیکھتی رہی۔

''شاہ زمان۔'' وہ پاس سے گزرا تو بے اختیار اسے پکار بیٹھی۔ وہ رکا تھا مگر ایشال پر نگاہ پڑتے ہی دنیا جہاں کی بیزاری اس کے خوب صورت چہرے پر سمٹ آئی تھی۔

''اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔''

''میں غرور نہیں کرتا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''کسی بھی چیز کو ہمیشہ غرور میں ہی آ کے ٹھکرایا جاتا ہے۔''

''اچھا!! یہاں پچاسیوں لڑکیاں تمہاری طرح مجھ سے محبت کی دعویدار ہیں۔ کیا سب کے بڑھے ہاتھوں کو تھام لوں؟''

''میری محبت کے ساتھ نہ ملائیں کسی کو۔ کوئی میری طرح آپ سے محبت نہیں کر سکتا۔'' وہ جیسے تڑپ کے بولی تھی۔

''ہر کسی کو ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''جان دے سکتی ہوں آپ کے لیے۔ بولیں! دے کے دکھاؤں۔'' مضبوط لہجے میں بولتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بس اس کے ایک اشارے کی منتظر تھی۔ شاہ زمان کچھ بول نہیں پایا تھا۔

''ہر چیز مل جاتی ہے۔ میں سوچتی ہوں جس دن آپ کو پا لیا اس دن کیا کریں گے آپ؟'' اس کے چہرے کو دیکھتی وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ چند ثانیے وہ بھی چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر دو قدم اس کی طرف بڑھا۔ وہ ڈر کے مارے دو قدم پیچھے کو ہٹی۔

''چیزیں مل جاتی ہوں گی لیکن شاہ زمان کوئی چیز نہیں ہے۔'' وہ دھڑکنوں کو سنبھالتی اسے دیکھتی رہی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھی اور وہ شان بے نیازی سے مڑتا اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اس کا یہی انداز تو ایشال حیدر کو لے ڈوبا تھا۔ تبھی ہوا چلنے پر اسے اپنا دوپٹا کہیں اٹکا ہوا محسوس ہوا تھا۔ شاہ زمان کی پشت سے نگاہیں ہٹا کے اپنے دوپٹے کی سمت دیکھا۔ اس کے بالکل پیچھے گلاب کا پودا تھا جس کے کانٹوں میں اس کا دوپٹا پھنس گیا تھا۔ شاہ زمان نے مڑنے سے پہلے ایک نظر پلٹ کے دیکھا تھا۔ ذرا سا جھکی وہ احتیاط سے دوپٹا نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کیا سنبھالو گے تم میرے دل کو
جب یہ آنچل سنبھلتا نہیں ہے

☆.....☆

ڈور بیل کی آواز پر دروازہ کھولتے ہی نعیم انصاری صاحب کو سامنے دیکھ کر وہ اپنے چہرے پر آئی ناگواری کو چھپا نہیں پائی تھی۔ وہ ذرا بھی برا منائے بغیر چہرے پر مسکراہٹ سجائے کھڑے تھے۔

''یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا آپ سے ملتا جاؤں۔'' وہ ہونٹ بھینچے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کے کچن میں چلی آئی تھی۔

وہ جس کمپنی میں جاب کر رہی تھی نعیم صاحب وہاں اچھی پوسٹ پر ملازمت کر رہے تھے۔ چالیس سالہ نعیم انصاری تقریباً پہلے دن سے ہی اس کی راہوں میں اپنا دل بچھائے کھڑے تھے۔ وہ کمپنی کے اوپر سے ان کی شکایت کر سکتی تھی لیکن اس سے صرف اس کی عزت پر ہی انگلیاں اٹھائی جاتیں۔ مرد کو کہاں فرق پڑتا ہے ہمیشہ عورت ہی نشانے پر آتی ہے۔

چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لیے ڈرائنگ روم میں آئی تو اس کے چہرے پر حد درجہ سنجیدگی تھی۔

''تو پھر کیا سوچا آپ نے؟'' طویل ہوتی خاموشی کو بالآخر نعیم صاحب نے ہی توڑا تھا۔

''کس سلسلے میں؟'' سرد لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''آپ جانتی ہیں؟'' چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے وہ بغور اسے دیکھنے لگے تھے۔

''آپ کی اور میری عمر میں بہت فرق ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کمزور سا جواز پیش کیا۔

''عمروں میں کیا رکھا ہے اور ویسے بھی مرد کی عمر کو بھلا کون دیکھتا ہے۔'' وہ بیٹھی زمین کو کھورتی رہی۔

''مس ایشال! میں دل و جان سے آپ سے شادی کا خواہش مند ہوں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔

''سر پلیز.....!'' اسے حقیقتاً بہت برا لگا۔

''ٹھیک ہے آپ اپنے انکار کی کوئی معقول وجہ بتا دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں دوبارہ کبھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔''

وہ جیسے جانتے تھے سوائے عمر کے فرق کے اس کے پاس انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

''میں شادی شدہ ہوں۔'' اس کے جواب پر وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کے ہنس پڑے۔

''مجھ سے جان چھڑانے کا اچھا بہانہ ہے۔''

اب نعیم صاحب کے قدموں کو روکنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ وہ کمرے میں آئی۔ الماری سے کچھ نکالا اور واپس آ کے نعیم صاحب کے سامنے میز پر ایک کاغذ رکھ دیا۔ انہوں نے سامنے پڑا نکاح نامہ اٹھا کے دیکھا۔ جہاں ایشال حیدر کے ساتھ شاہ زمان کے نام نے ان کے اندر بھڑکی محبت کی چنگاری کو ایک ہی پل میں بجھا کے رکھ دیا۔

☆.....☆

ایم فل کے بعد وہ شاہ زیب اور مہران شاہ کے ساتھ آغا جی کا بزنس سنبھالنے لگا تھا۔ تبھی شاہ پیلس میں ایک دھماکا ہوا۔ شاہ زمان اور علشبہ کی منگنی۔

علشبہ نے سنا تو رو رو کے برا حال کر لیا۔

''شاہ بھائی کو میں نے ہمیشہ اپنا بڑا بھائی مانا ہے۔''

ادھر شاہ زمان کی حالت بھی اس سے کم نہیں تھی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مگر ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا بھی تھا جس کی دنیا ہل کے رہ گئی تھی۔

''آغا جی کو ہمیشہ آپ ہی کیوں نظر آتے ہیں۔''

شاہ زمان کے سر پر کھڑا ہادی انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

''آپ کچھ نہ بولنا۔ ہمیشہ اپنی فرمانبرداری کا جھنڈا بلند رکھنا۔ چاہے جتنی مرضی زندگیاں برباد ہو جائیں۔''

''ہادی چپ کر جاؤ ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔'' دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ سختی سے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

''آپ کا تو صرف سر پھٹ رہا ہے۔ میرے دل پر جو بیت رہی ہے وہ آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' ہر کوئی اپنے اپنے دکھڑے رو رہا تھا۔ خود کو سنبھالتا وہ شاہ زمان کے برابر بیڈ پر آ بیٹھا۔

''علشبہ کی کوئی نہیں سنے گا۔ آپ پہلی اور آخری بار آغا جی کو انکار کرنے کی غلطی کر لیں۔ ورنہ سب ختم ہو جائے گا۔'' بایاں ہاتھ اس کے بازو اور دایاں ہاتھ اس کے شانے پر رکھے وہ منت بھرے لہجے میں التجا کر رہا تھا۔

''ہادی! آغا جی کی کسی بات سے انکار کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔'' دکھتے سر کو مسلتے وہ بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

''شاہ بھائی میں نے ہمیشہ آپ کو اپنا سگا بھائی مانا ہے اگر یہ شادی ہو گئی تو میں کبھی آپ سے نظریں ملا کے بات نہیں کر سکوں گا۔ محبت تو جائے گی ہی میں آپ کو بھی کھو دوں گا۔'' وہ اس کے شانے سے لگا رو پڑا۔

پھر اس نے کتنی بار کوشش کی تھی آغا جی سے بات کرنے کی۔ کتنی بار ان کے سامنے بھی گیا لیکن ہر دفعہ الفاظ ساتھ چھوڑ جاتے، ہمت جواب دے جاتی۔ سبغہ چچی تو اس کے لاڈ اٹھائے نہیں تھکتی تھیں۔ ایسا ہیرے جیسا داماد مل رہا تھا وہ تو ساری زندگی شکرانے کے نوافل پڑھتی رہتیں تو وہ بھی کم تھا

مگر جب ہادی اور علشبہ کا سوچتا تو جی چاہتا ایک سیکنڈ کی دیر نہ لگائے اور سب ختم کر دے۔ علشبہ نے تو باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''شاہ بھائی اللہ کے بعد بس آپ ہی کچھ کر سکتے ہیں۔'' وہ رو پڑی۔

''اللہ.....!'' (سارے مل کے مجھے چڑھا دو سولی پہ) اس کا جی چاہا تھا کہہ دے مگر.....!!

''اللہ کو مانو بہنا۔ بہترین کو چھوڑ کے بدترین مانگ رہی ہو۔ ہیرے کو چھوڑ کے چمکتے شیشے کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ پچھتاؤ گی بہنا، پچھتاؤ گی۔''

عماد کی بات ختم ہوتے ہی ہادی نے ہاتھ میں پکڑا موبائل ہی اسے کھینچ مارا تھا جو خوش قسمتی سے اس کے کندھے سے ٹکراتا دور جا گرا تھا۔

''شادی سے واپس آ کے میں بات کروں گا آغا جی سے۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔'' وہ ان لوگوں سے زیادہ خود کو تسلیاں دے رہا تھا۔

''ایسا نہ ہو کہیں آغا جی اسی شادی میں آپ کا نکاح پڑھوا دیں۔'' عماد کی زبان پھر پھسلی تھی۔ شاہ زمان کی گھوری کا اثر ہی تھا جو وہ فوراً شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھ گیا تھا۔

☆.....☆

شاہ زمان کیا گیا جیسے ساری رونقیں بھی ساتھ لے گیا۔ پہلے اسے دیکھ کے کچھ صبر آ جاتا تھا اب تو یونی کا چپہ چپہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ وہ کہاں سے آیا تھا، کہاں گیا، وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھی۔ جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا تب کوئی پوسٹری بھیج کر اسے اپنے ہونے کا احساس دلا دیتی کہ اس دنیا میں کوئی ہے ایسا جس کی زندگی سے وہ جا کے بھی نہیں گیا۔

وہ تقریباً پچھلے دس دن سے چھٹی پر تھی۔ اس دن صوفیہ چلی آئی۔

''کہاں مر گئی ہو۔ کوئی اتا پتا ہی نہیں تمہارا۔''

''فی الحال ابھی تو زندہ ہی ہوں۔ پر دعا ہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تمہاری یہ خواہش جلدی پوری ہو جائے۔'' اسے تو بس بہانہ چاہیے تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔

''کیا ہوا، کیوں مرچیں چبا رہی ہو؟''

''کچھ نہیں ہوا، تم بتاؤ آج کیسے یاد کر لیا مجھے؟''

''تمہیں انوائیٹ کرنے آئی ہوں۔ اگلے ہفتے مابدولت کی رخصتی ہو رہی ہے۔'' ایک خوب صورت سا کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بے حد خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''اچھا۔'' اس کا وہی عام سا انداز تھا۔

''کیا اچھا، تم ہر حال میں آ رہی ہو سمجھیں۔'' اس نے آنکھیں نکالی اور پھر سچ میں صوفیہ نے اسے بلا کے ہی دم لیا۔

☆.....☆

وہ دن اس کے لیے عام دن سے زیادہ بھاری تھا۔ بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر لکھے اپنے نام کے ساتھ شاہ زمان کے نام کو نجانے کتنی دیر سے بت بنی دیکھے جا رہی تھی۔ پوری دنیا میں ایک ہی کاغذ کا ٹکڑا تو تھا جو شاہ زمان کو اس کے نام کے ساتھ جوڑے ہوئے تھا۔ ورنہ باقی تو ہر چیز چیخ چیخ کے گواہی دے رہی تھی کہ شاہ زمان زندگی میں کبھی اس کا نہیں ہو سکتا۔

ایک صرف شاہ زمان کے نام نے نعیم صاحب جیسے انسان سے اسے چھٹکارا دلا دیا تھا، اگر وہ خود اس کے ساتھ ہوتا پھر تو وہ مٹی سے سونا بن گئی ہوتی۔ تھوڑی دیر بعد صوفیہ اپنے چند ماہ کے بیٹے کے ساتھ چلی آئی۔

''ایشال ایسے زندگی نہیں گزرتی، کولڈ ڈرنک کا سپ لیتی وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے لگی تھی۔

''میں گزار لوں گی۔'' ہاتھ میں پکڑے گلاس کی سطح پر انگلی پھیرتی وہ خود سے ضد باندھ رہی تھی۔

''شاہ زمان کے بغیر خوش نہیں رہا جاتا مجھ سے۔'' بھرائی آواز میں بولتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''جانتی ہوں، شاہ پیلس سے نکلنے کے بعد گھر پہنچنے سے پہلے وہاں طلاق پہنچ گئی ہوگی۔ اسی لیے تو گھر جانے کے بجائے تمہارے پاس چلی آئی۔ صوفیہ میں اپنے کانوں تک یہ خبر نہیں پہنچنے دینا چاہتی کہ شاہ زمان نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ ورنہ یقین کرو میرا دل دھڑکنا چھوڑ دے گا۔'' آنسو بے آواز بہنے لگے۔ شاہ زمان کے معاملے میں وہ آج بھی خود کو اتنا ہی بے بس محسوس کرتی جتنا اسے پہلی بار دیکھنے کے بعد ہوئی تھی۔

☆.....☆

صوفیہ کا دو سال پہلے اپنے ماموں زاد احمد سے نکاح ہو چکا تھا۔ احمد پچھلے کئی سالوں سے بیرون ملک مقیم تھا۔ اچانک اس کا پاکستان چکر لگا تو فوراً رخصتی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ صوفیہ کے شاندار گھر میں باہر لان میں روشنیوں سے جگمگ کرتے اسٹیج سے قدرے فاصلے پر وہ بیزار سی کھڑی تھی۔ صوفیہ کے پاپا کافی اثر و رسوخ رکھتے تھے تبھی وہاں کافی معتبر ہستیاں موجود تھیں۔ صوفیہ کی چھوٹی بہن اسے کمپنی دے رہی تھی، پھر بھی وہ سب سے کٹ کر الگ تھلگ کھڑی تھی۔ تبھی اس کی نظریں ایک جگہ پر جم گئیں، سانس روکے وہ جیسے پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی۔ ہنس کے صوفیہ کے بھائی سے مصافحہ کرتا وہ شخص حقیقتاً شاہ زمان ہی تھا۔ وہ کبھی یوں اچانک اس کے سامنے آ سکتا تھا ایشال حیدر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کتنی دیر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی۔ جس کے دوبارہ ملنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی وہ حقیقت بنا اس کے سامنے تھا۔

صوفیہ کی کتنی منتیں کر کے وہ اسے اسٹیج سے اٹھا کے لائی تھی۔ عجلت میں واش روم جانے کا بہانہ کرتی اس کے یوں حواس باختہ ہونے پر اس کے ساتھ کمرے میں چلی آئی تھی۔

''شاہ زمان یہاں کیا کر رہا ہے؟'' اس کی بے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

دقوفی عروج پر تھی۔

''کون شاہ زمان؟'' دلہن بنی صوفیہ کا ذہن تو اس وقت بالکل خالی ہوا پڑا تھا۔

''صوفیہ میں نے ابھی شاہ زمان کو دیکھا ہے۔ پلیز بتاؤ وہ یہاں کیسے آیا؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے صوفیہ کے دماغ میں شاہ زمان کا عکس واضح کرے۔

''ایک منٹ۔'' صوفیہ کا انداز پُرسوچ تھا۔

''اوہ تم شاہ زمان بھائی کا پوچھ رہی ہو۔'' ایشال نے فوراً ہاں میں سر ہلایا۔ اب ایک سیکنڈ کا انتظار بھی اس پر بھاری تھا۔

''آغا جی آئی مین شاہ زمان کے گرینڈ فادر میرے گرینڈ فادر کے بہت اچھے دوست تھے۔ پھر جبران انکل شاہ زمان کے پاپا میرے پاپا کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ ان کی ڈیتھ کے سالوں گزر گئے لیکن پاپا آج بھی شاہ فیملی کو اپنوں سے بڑھ کے پروٹوکول دیتے ہیں۔ لیکن شاہ بھائی کے بارے میں تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''صوفیہ.....'' بات مکمل ہوتے ہی وہ صوفیہ کے پیروں میں جا بیٹھی۔ روتے ہوئے صوفیہ کو سب کچھ بتانے کے بعد اس نے جو بات کہی صوفیہ بدک کے چار پانچ قدم پیچھے کو ہٹی۔ اس کا دل چاہا کہ سامنے بیٹھی ایشال کا قتل نہ سہی تو کم از کم تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کردے۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔''

''اگر آج تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں سمجھوں گی کہ اس بار قسمت نے نہیں تم نے شاہ زمان کو مجھ سے چھینا ہے۔'' ہر نفع و نقصان کو پس پشت ڈالے وہ کسی بھی قیمت پر شاہ زمان کو پانا چاہتی تھی۔

''ایشال اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری اس گھٹیا پلاننگ میں، میں تمہارا ساتھ دوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔'' صوفیہ کا لہجہ اٹل تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' آنسوؤں کو صاف کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا مرا ہوا منہ دیکھنے تم آئیں تو قیامت کے دن تمہیں معاف نہیں کروں گی میں، اور اسے میری دھمکی مت سمجھنا۔'' وہ ضدی لہجے میں بولتی صوفیہ کو بے بسی کے دوراہے پر کھڑا کر گئی۔ اس کا ساتھ دینے کے سوا صوفیہ کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ پھر صوفیہ کی بہن ماہ نور کو بھی انہیں اپنے ساتھ ملانا پڑا تھا۔

''سر کولڈ رنک.....'' وہ صوفیہ کے بھائی کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا جب ٹرے میں صرف ایک گلاس رکھے ویٹر اس کے پاس آیا۔ دور کھڑی ان تینوں نے اس منظر کو دیکھا۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو..... ان تینوں کے دل اچھل کے اس وقت حلق میں آئے تھے۔ جب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گلاس اٹھاتے ہوئے اس نے خرم کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں یار صبح سے یہ ہی سب چل رہا ہے۔ اب تو ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔'' خرم کے انکار پر ان کی رکی سانسیں پھر سے بحال ہوئیں۔

''پانچ دس منٹ بعد اسے زور کا چکر آیا اور وہ ہلکا سا لڑکھڑایا تھا۔

''کیا ہوا؟'' خرم متفکر سا پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے سر جھٹک کے آنکھوں میں چھا جانے والے اندھیرے کو دور کرنا چاہا۔

''ماہ نور دھیان سے جانا پلیز۔'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے ہدایت دیتے ہوئے صوفیہ نے اسے روانہ کیا۔

شاہ زمان کے دائیں جانب سے آتی وہ اچانک اس سے ٹکرائی پھر ہاتھ میں پکڑی آدھی سے زیادہ کولڈ رنک اس کے کپڑوں پر گرا دی۔

''شاہ بھائی آپ..... آئی ایم سوری۔ پتا نہیں کیسے میرا پاؤں پھسل گیا۔'' ماہ نور کسی اچھے ایکٹر کی

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

طرح بھرپور ایکٹنگ کر رہی تھی۔

''جب اپنے سے اونچی ہیل پہنو گی تو یہ سب ہوگا ہی۔'' خرم نے بنا لحاظ کیے اسے ڈانٹ دیا۔

''کوئی بات نہیں اٹس اوکے۔'' شاہ زمان نرمی سے گویا ہوا۔

''شاہ بھائی آجائیں میں آپ کو واش روم تک لے جاتی ہوں۔'' شاہ زمان کو واش روم کی طرف لے جاتے ہوئے جہاں ماہ نور کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں وہیں دور کھڑی ایشال اور صوفیہ کے دل بھی لرز رہے تھے۔ ابھی تک تو جو سوچا تھا ویسا ہی ہو رہا تھا اگر آگے بھی جو سوچا ویسا ہی ہوا تو..... یہ سوچ ہی ان تینوں کے ماتھے پر پسینہ لے آئی تھی۔

''میں کسی کو بھیجتی ہوں آپ کے کپڑے دے کر۔'' اسے ایک کمرے میں چھوڑ کر فوراً نکل آئی۔

اگلے چند منٹوں بعد ہی ایشال اور صوفیہ نے کمرے میں جھانکا تو وہ ہوش و حواس سے بے گانہ بیڈ پر اوندھے منہ گرا پڑا تھا۔ انہوں نے اندر آتے ہی فوراً دروازہ بند کیا۔

''ایشال ایک بار پھر سوچ لو۔'' شاہ زمان کو سیدھا کرنے کے بعد صوفیہ نے اسے سمجھانے کی ناکام سی کوشش کی۔

''منزل کے اتنے قریب آکے تم مجھے کمزور نہ کرو۔''

''میں تمہیں کمزور نہیں کر رہی، تمہیں سمجھا رہی ہوں۔''

''شاہ زمان میری زندگی کی آخری خواہش ہے۔ میں نے بہت کچھ کھویا ہے زندگی میں، شاہ زمان کو کھونے کی ہمت نہیں ہے۔ اگر اس ایک طریقے کے علاوہ شاہ زمان کو پانے کا کوئی اور طریقہ ہوتا تو یقین کرو میں مر کر بھی کبھی ایسا کوئی قدم نہ اٹھاتی۔ نہ دوبارہ یہ موقع مل سکتا ہے اور نہ شاہ زمان۔ میں اس موقع کو گنوا کے شاہ زمان کو ہمیشہ کے لیے کھونا نہیں چاہتی۔''

صوفیہ اسے چھوڑ کے چلی گئی۔

سر میں شدید ٹیسوں سے اس کی آنکھ کھلی۔ اتنا درد تھا کہ اس کے لبوں سے بے ساختہ ہلکی سی آہ نکلی۔ دونوں ہاتھ خود بخود کنپٹیوں تک پہنچ گئے۔ آنکھوں کے آگے ابھی تک اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دماغ کچھ بیدار ہوا تو اس نے خود کو نرم بستر پر موجود پایا۔ اس سے پہلے اسے کچھ یاد آتا بیڈ کے دائیں جانب دیوار سے ٹیک لگائے وجود پر اس کی نظر پڑی اور وہ کسی اسپرنگ کی مانند اچھل کے بیٹھ گیا۔

''کون ہو تم؟'' شاہ زمان کی کرخت آواز پر ایشال حیدر نے گھٹنوں پر سے چہرہ اوپر اٹھایا اور وہ ایک جھٹکے سے اچھل کے بیڈ سے اترا۔

''تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کے چہرے پر غصہ اور ناگواری عود آئی۔

''آنے والے وقت کا سوچ کر ہی ایشال حیدر کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ جتنا آسان سمجھا تھا اتنا آسان تھا نہیں۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' وہ کسی تیر کی مانند اس کے سر پر پہنچ کر اسے بازو سے پکڑ کے کھڑا کرتا ہوا غرایا۔

ٹھیک اسی پل دروازہ کھلا تھا۔ ایشال کے رونے میں شدت آگئی اور شاہ زمان کسی پتھر کی طرح جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

کمرے میں آتے اتنے لوگوں میں اس کی نظریں صرف آغا جی پر رہی تھیں اور اگلے ہی پل آغا جی کے تھپڑوں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔

☆.....☆

رات کے ایک بجے وہ لوگ شاہ پیلس پہنچے۔ ایک دھماکے سے گاڑی کا دروازہ کھول کے وہ فوراً اتر گیا۔ شاہ زمان اور اس کے نکاح کی خبر سن کے بڑے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تو بڑے چھوٹوں کو بھی بجلی کے نجانے کتنے جھٹکے لگے تھے اور وہ شرمندہ سی چہرہ جھکائے معصومیت کی تمام حدیں توڑ چکی تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح چلتا سیدھا ٹیرس پر جا پہنچا۔ اس میں کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ابھی چند گھنٹے پہلے جو کچھ ہوا سوچ سوچ کے اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا زمین آسمان ایک کر کے رکھ دے یا ایشال حیدر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دے۔ اپنے اندر کے اشتعال کو دبانے کی کوشش میں اس کے ماتھے کی رگیں ابھر آئی۔ دونوں مٹھیوں کو بھینچے ٹیرس پر ایک طرف رکھے تخت پر بیٹھا اپنے اندر ابلتے لاوے کو بمشکل کنٹرول کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ جب وہ پانچوں ڈرتے ڈرتے اس کے پاس چلے آئے۔

''شاہ بھائی آپ نے سچ میں شادی کر لی؟''

اس کے چہرے کی کرختگی پر نگاہ ڈالے علشبہ کی ڈری سہمی آواز نکلی۔

''چلیں شاہ بھائی جو ہونا تھا ہو گیا اب غصہ تھوک دیں۔ اتنی بری بھی نہیں ہیں وہ۔'' کن انھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے عماد نے بھی لب کشائی کی۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ضبط کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

''کالی زبان والے! تو نے ہی بکواس کی تھی کہ کہیں آغا جی اسی شادی میں نکاح نہ پڑھوا دیں۔ وہی ہوا ناں۔'' ہادی نے سارا قصور اس کے کھاتے میں ڈال دیا۔

''ارے میں نے تو علشبہ کے ساتھ کہا تھا۔ اب یہ دلہن کیسے چینج ہو گئی۔ اس کا مجھے نہیں پتا۔''

''تم لوگ جاؤ گے یہاں سے یا میں دفع ہو جاؤں؟'' وہ بولا نہیں گرجا تھا۔ ان پانچوں نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔

''شاہ بھائی غصے میں بھی تہذیب نہیں بھولتے۔ ہمارے لیے جانے اور اپنے لیے دفع کا لفظ بول کے انہوں نے میرے دل میں مزید اپنی عزت کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔'' جاتے ہوئے عماد کی آواز اسے بخوبی سنائی دی۔ ایک پل کے لیے تو اس کا جی چاہا کہ عماد کی ہی اچھی سی ٹھکائی کر کے اپنا سارا غصہ نکال دے۔

''ایشال حیدر کو تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے شاہ زمان کو پالیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد بڑی چچی اسے شاہ زمان کے کمرے میں چھوڑ گئیں۔ اتنا سکون تو اسے کبھی اپنے گھر میں محسوس نہیں ہوا تھا جتنا سکون اس کمرے کی چار دیواری میں محسوس ہوا تھا۔ پورا کمرہ شاہ زمان کی نفاست کی گواہی دے رہا تھا۔ ہر چیز ترتیب سے اپنی جگہ پر موجود تھی پھر وہ کیسے اس کی زندگی میں اتنی بڑی بے ترتیبی کی مرتکب ہو گئی۔ خوف کی ایک تیز لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ نجانے شاہ زمان اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ اتنا خوف تو شاید کسی کو عزرائیل سے بھی نہ لگا ہو گا جتنا خوف اسے شاہ زمان کی آمد سے لگ رہا تھا۔

ہلکی سی آہٹ پر وہ پوری جان سے کانپ اٹھی۔ اس رات شاہ زمان اپنے کمرے میں آیا ہی نہیں۔ بلکہ اگلے پانچ دنوں میں سوائے دن کے وقت کپڑے نکالنے کے علاوہ اس نے اپنے کمرے میں جھانک کے بھی نہیں دیکھا۔

گھر میں کسی نے بھی اسے دیکھ کے ماتھے پر بل نہیں ڈالے۔ زیادہ نہ سہی مگر جتنی وہ بات کرتی اس کا خوش دلی سے جواب دیا جاتا۔ گھر کی تینوں لڑکیوں کو تو وہ بالکل اپنے جیسے لگی۔ چھوٹی چچی کے ساتھ بیٹھی سبزی بناتی، بڑی چچی کے ہاتھ سے پیڑا پکڑ کے روٹیاں بناتی۔ وہ ایک شخص کی خاطر سب کے دل جیتنے میں لگی ہوئی تھی۔ مگر وہ شخص تو دور سے ہی اس کی پرچھائیں محسوس کرتا راستہ بدل لیتا۔ یہاں تک کہ اس نے گھر میں کھانا کھانا تک چھوڑ دیا۔ آغا جی کے ساتھ ساتھ باقی گھر والوں سے بھی اس کی بات

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

چیت بس برائے نام ہی رہ گئی تھی۔

شاہ زمان کی ناراضی کی پرواہ کیے بغیر آغا جی نے اسے اپنے کمرے میں طلب کرلیا تھا اور یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے آتے ہی نہ تو سلام کیا تھا اور نہ ان کی طرف دیکھا تھا۔ بس چپ چاپ آ کے ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا اور یہ آغا جی کی پہلی عدالت تھی جس میں صرف شاہ زمان کو ہی حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ بند کمرے میں کیا مذاکرات ہوئے کسی کو کان و کا ن خبر نہ ہوئی۔

اسی رات وہ سونے کے لیے لیٹی، نہ جانے کب سے چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ جب وہ خوف ناک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا۔

''کیا ڈراما لگا رکھا ہے تم نے یہاں۔ جو حقیقت ہے سب کو بتا دو۔ ورنہ جان سے مار دوں گا تمہیں۔''

آغا جی کے قہر اور سینکڑوں لوگوں کی شعلہ بار نگاہوں کا مرکز بنا وہ کسی لاوے کی طرح ابلتا اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تو آغا جی نے اسے بازو سے کھینچ کر اپنے سامنے کرلیا۔ آج بھی اس کا وہ جارحانہ انداز سوچ کے وہ لرز کے رہ جاتی۔

ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتا وہ کمرے میں داخل ہوا۔ ایشال چونکی اور پھر اس کی سانسیں جیسے سینے میں ہی اٹک گئی تھیں۔ دل جیسے پسلیاں توڑ کے باہر آنے لگا۔ بنا اس کی طرف دیکھے اس نے جیب سے والٹ اور چابیاں نکال کے دراز میں پھینکیں۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل سائیڈ ٹیبل پر پٹخا، بیڈ سے تکیہ اٹھا کے نائٹ بلب جلا کے لائٹ آف کر کے صوفے پر لیٹ کے آنکھوں پر بازو رکھ گیا اور وہ کتنی دیر مدھم روشنی میں نظر آتے اس کے سراپے کو دیکھتی رہی۔

پھر وہ ایسا ہی کرتا۔ اس کی طرف دیکھے بنا آ کے خاموشی سے صوفے پر لیٹ جاتا اور صبح ایشال کے اٹھنے سے پہلے غائب ہوتا۔ اکثر رات کو بھی لیٹ آتا۔

اس دن ایشال کمرے میں آئی تو اسے بیڈ پر براجمان دیکھ کے ٹھٹھک کے رک گئی۔ یعنی اگر بیڈ پر ایشال حیدر موجود نہ ہوتی تو وہ بیڈ پر ہی لیٹتا۔ وہ ڈرتے ڈرتے چند قدم آگے بڑھی تھی۔ شاہ زمان کی طرح ہی بیڈ سے تکیہ اٹھایا اور صوفے پر جا کے لیٹ گئی۔ صوفے پر رات گزارنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ ساری رات وہ کروٹیں ہی بدلتی رہی۔ وہ تو پھر بھی ایڈجسٹ کر گئی تھی مگر تمام رات شاہ زمان کے چہرے پر پھیلی بے سکونی اس کی بے آرامی کا پتا دے رہی تھی اور وہ شاہ زمان کو بھلا تکلیف میں کہاں دیکھ سکتی تھی۔ سو اس نے چپ چاپ بیڈ چھوڑ دیا۔

''آ..... آپ..... کچھ کہیں گے نہیں؟'' وہ بیڈ پر تکیے پر کہنی ٹکائے موبائل میں بزی تھا جب ایشال حیدر نے پہلی مرتبہ ڈرتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔ ناگواری کے گہرے تاثرات اس کے چہرے پر نمودار ہوئے۔ جواب خاموشی کی صورت ملا تھا۔

''کچھ تو بولیں پلیز۔'' اس نے التجا کی۔ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوتا کمرے سے ہی نکل گیا۔ وہ شخص اسے جواب دینے کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔

☆.....☆

آغا جی نے اس پر یقین نہ کر کے اس کے دل کو کرچی کرچی کر دیا تھا۔ کہاں اور کس جگہ اس نے یقین توڑا تھا ان کا جو انہوں نے بے اعتبار ہونے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔

اس دن آغا جی کے تھپڑوں نے اس کی روح کو گھائل کر دیا تھا۔ وہ کتنا چیخا تھا، کتنا احتجاج کیا تھا مگر ایک طرف کھڑی ہچکیوں سے روتی ایشال حیدر پوری دنیا کی نظر میں مظلوم بن گئی تھی۔ وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ پوری دنیا کے سامنے ڈٹ کے کھڑا ہو سکتا تھا مگر اس کے سامنے پوری دنیا نہیں صرف ایک آغا جی تھے۔

''اگر تم نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو میں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ابھی اور اسی وقت اپنی جان دے دوں گا اور وصیت کر کے مروں گا کہ تمہیں میرا جنازہ بھی نہ پڑھنے دیا جائے۔"

اصل بے بسی کیا ہوتی ہے اس پل اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا۔

آغا جی اگر اس پر غصہ تھے تو وہ بھی ان سے حد درجہ بدگمان ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں آغا جی کو لے کے بہت بڑا شکوہ در آیا تھا۔ وہ ایک بار تو کہتے۔ شاہ زمان مجھے تجھ پر بھروسا ہے۔ تو نے کچھ نہیں کیا مگر پھر بھی میں کہتا ہوں اس لڑکی سے شادی کر لو تو وہ ہمیشہ کی طرح ان کے حکم پر سر جھکا دیتا۔ ان کی کسی بات سے انکار کیا تھا کبھی جواب کرتا۔ دکھ تو اسی بات کا تھا کہ انہوں نے اس کے کردار پر انگلی اٹھا کے اپنی مرضی چلائی تھی۔ اس نے اپنی ذات کے گرد بہت بڑا دائرہ کھینچ لیا تھا جس کے اندر آنے کی اجازت شاید اب وہ کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ ایشال اگر کبھی کبھار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتی تو اس کی ایک سرد گھوری پر سہم کر اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھ جاتی۔

☆.....☆

سر پر تولیہ لپیٹے وہ شاور لے کے نکلی تو اسے بیڈ پر بیٹھے لیپ ٹاپ پر مصروف دیکھ کے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بالکل ایک غیر ارادی نگاہ اس پر ڈال کے وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا۔

ایشال کا دل اس ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں دھڑکتا کانوں میں سنائی دینے لگا۔ خفت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ کے بیڈ پر پڑا دوپٹا اٹھا کے کندھوں پر ڈال لیا۔ وہ جانتی تھی وہ اس پر دوسری نگاہ نہیں ڈالے گا مگر پھر بھی آئینے کے سامنے کھڑی بال بناتی وہ بے اختیاری میں اسے کتنی بار دیکھ کے رہ گئی۔ وہ اٹھ کے باہر جانے لگا جب وہ بے ساختہ اس کے سامنے آ گئی۔

"مجھے برا بھلا کہہ لیں لیکن خدا کے لیے یوں چپ کی مار نہ ماریں مجھے۔" آنکھوں میں نمی لیے وہ بے بسی سے بولی۔

وہ کتنی دیر خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے پھر آغا جی کو جا کے سب سچ بتا دو۔" وہ آرام سے بولتا اس کا سکون غارت کر گیا۔

"نہیں کبھی نہیں۔" وہ جیسے ڈر کے دو قدم پیچھے کو ہٹی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ حقیقت شاہ زمان کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین لے گی۔ اسے کھونے کا حوصلہ ہی تو نہیں تھا اب۔

"اس کے علاوہ آپ جو بولیں گے میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔" شکستہ لہجے میں بولتی اس کی بے بسی عروج پر تھی۔

"جس دن میرا دماغ گھوم گیا نا تو تمہیں اٹھا کے اس گھر سے باہر پھینک دوں گا اور دیکھوں گا کون روکتا ہے مجھے۔" اس کا طیش یکدم عود کے آیا۔

"آپ..... آپ اتنی نفرت کرتے ہیں مجھ سے؟" آنسوؤں بھری آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"وہاں چار، پانچ سو سے زیادہ لوگ تھے جن کی نظروں میں گرا کے تم نے میرے کردار کو داغدار کیا مجھے آغا جی کی نظروں سے گرایا، گھر والوں کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ اس کے بعد بھی اگر تم یہ امید رکھتی ہو کہ میں تم سے نفرت نہیں کروں گا تو تم دنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی ہو۔" وہ بولتا اسے پاتال کی گہرائیوں میں اتارتا چلا گیا۔

"آپ مجھ سے محبت نہ کریں پر خدا کے لیے مجھ سے نفرت بھی نہ کریں۔ آپ کی محبت کے بغیر شاید رہ لوں، آپ کی نفرت نہیں سہہ پاؤں گی۔"

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے نفرت نہ کروں تو جا کے آغا جی کو بتا دو اس دن کیا ہوا تھا۔"

اور وہ جانتی تھی آغا جی جس طرح اسے شاہ زمان

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کی زندگی میں لے آئے تھے حقیقت جان کے اسے شاہ زمان کی زندگی سے نکال بھی دیں گے وہ ایسی غلطی مر کے بھی نہیں کر سکتی تھی۔

☆.....☆

''بس آغا جی یہ آخری ہے۔'' سوپ کا آخری چمچ ان کے منہ میں ڈالتے ہوئے وہ انہیں بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے ان کی طبیعت ناساز تھی جس کی وجہ سے ان کے لیے مکمل پرہیزی کھانا پکنے کے ساتھ ساتھ ہر لمحہ ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی موجود رہتا اور رات کو سونے سے پہلے سب بڑے چھوٹے تقریباً ایک گھنٹہ ان کے پاس بیٹھ کے یہاں وہاں کی باتیں کر کے ان کا دھیان بٹاتے۔ آغا جی صرف اصولوں کی حد تک سخت تھے ورنہ اپنے بچوں کی ہر چھوٹی بڑی جائز خواہشات کو ہر حال میں پورا کر کے اپنی محبت کا ثبوت دینے میں لمحہ بھر کی دیر نہیں لگاتے تھے۔ اس گھر کے ہر فرد کے دل میں آغا جی کے لیے عزت، احترام اور محبت کہیں بڑھ کر تھی۔

اب بھی ہادی ان کے پاس بیٹھا ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ چچا جی بزنس کے لین دین سے انہیں آگاہ کر رہے تھے۔ عماد اور رامین ڈرتے ڈرتے انہیں کئی لطیفے سنا کے ہنسا چکے تھے مگر پھر بھی اس بھرے کمرے میں کوئی کمی ضرور تھی جو آغا شاہ کو شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کئی مرتبہ ان کی آس بھری کمزور نگاہیں بند دروازے کی طرف اٹھی تھیں۔ سب اٹھ کے چلے گئے۔ ایشال ان کے سونے کے بعد اٹھ کے آئی تو لاؤنج میں ینگ پارٹی کو اپنا منتظر پایا۔

''آغا جی سو گئے؟'' عماد کی سرگوشی ابھری۔

''ہاں ابھی سوئے ہیں۔''

چلیں پھر۔'' فالحہ کا جوش دیدنی تھا۔

''کہاں؟'' وہ حیرت کی مورت بنی سب کو دیکھنے لگی۔

''آئس کریم کھانے۔'' ہادی نے فوراً اسے اطلاع فراہم کی۔

''اس ٹائم؟'' کلاک کی گیارہ بجاتی سوئیوں پر نظریں جمائے اسے ان سب کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

''آدھی سے زیادہ دنیا جاگ رہی ہوتی ہے اس ٹائم۔'' ہادی نے جیسے اس کی انفارمیشن میں اضافہ کیا۔

''آغا جی کو پتا چل گیا تو جان سے مار دیں گے۔'' اس نے ڈرانا چاہا۔

''آغا جی تہجد سے پہلے نہیں اٹھنے والے اب۔ آجائیں آپ۔'' اس کے ہاتھ میں پکڑے پاؤل کو پاس پڑی میز پر رکھتے ہوئے علشبہ اس کا ہاتھ پکڑے اپنے ساتھ گھسیٹ لائی تھی۔ وہ سب چوروں کی طرح دبے پاؤں شاہ پیلس سے نکل کے آہستہ آہستہ سڑک پر چہل قدمی کرتے قریب بنے آئس کریم بار کی طرف جا رہے تھے۔

''آغا جی کو پتا چل گیا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ تم لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ کڈنیپ کر کے لے گئے تھے۔'' وہ ابھی بھی خوفزدہ تھی۔

باہر نکلتے ہی ان سب کا خوف تو جیسے ہوا میں اڑ گیا تھا۔ ان کے ساتھ چلتے ہوئے اسے شاہ زمان کی یاد آئی۔ کاش وہ بھی ساتھ ہوتا۔ تبھی چلتے چلتے سرگوشی میں علشبہ سے کچھ کہتے ہوئے ہادی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ پوری آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ گھر میں یہ سب کتنے معصوم بن کے گھومتے تھے اور اب..... اس نے زور سے ہادی کے ہاتھ پر چپت رسید کی۔

''میں بھی ساتھ ہوں بے شرمو۔ تھوڑا بہت لحاظ کر لو میرا۔'' اس اچانک حملے پر ہادی تو گڑبڑاتا فوراً آگے بڑھ گیا جب کہ علشبہ شرم سے نظریں جھکائے اس کی طرف دیکھ نہیں پائی تھی۔ اس سناٹے میں باقی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

سب کا قہقہہ کتنی دیر تک گونجتا رہا۔

''یہ ہیں شاہ زمان بھائی ٹو۔'' عماد نے فوراً اسے خطاب دے ڈالا۔ اس کے دل میں عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔

آئس کریم کھا کے جب وہ لوگ بار سے باہر آئے تو شاہ زمان کا خیال آتے ہی وہ ان سب کو باہر روک کے اس کے لیے آئس کریم لینے دوبارہ بار کے اندر چلی گئی تھی۔ وہ سب سڑک کے کنارے کھڑے اس کا انتظار کرتے ایک دوسرے پر نقطہ چینی کر رہے تھے جب شاہ زمان کی گاڑی ان کے پاس آ کے رکی۔

''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟'' گاڑی کے اندر بیٹھا وہ ان سب کو رات کے اس پہر سڑک کے کنارے دیکھ کے حیران رہ گیا۔

''سوچ رہے تھے کوئی گاڑی والا مل جائے تو اسے لوٹ کر تھوڑا مال اکٹھا کرلیں۔ اب یہ آپ کی قسمت کہ آپ آ گئے۔'' اسے دیکھتے ہی ہادی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ چاہے ان لوگوں کے ساتھ اس کی پہلے جیسی بے تکلفی نہیں رہی تھی لیکن ان سب کو تو وہ پہلے کی طرح ہی عزیز تھا۔

''چلو بیٹھو سب گاڑی میں اور.....'' اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی جب ان سب کے ساتھ آ کے کھڑی ہوئی ایشال حیدر پر اس کی نظر پڑی۔ بس ایک پل کو نظروں کا تصادم ہوا تھا۔ دروازے کی طرف بڑھا ہادی کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا اور وہ ہوا کو مات دیتا گاڑی بھگا لے گیا۔ ایشال کے دل پر چھریاں چلنے لگیں۔

''آپ تھوڑا ایلٹ نہیں آسکتی تھیں یا کم از کم ہمیں تو گاڑی میں بیٹھنے دیتیں تاکہ اگر آپ کو دیکھ کے بھائی نے گاڑی بھگانی بھی ہوتی تو ہم گاڑی میں موجود ہوتے۔'' اس کی حالت سے انجان ہادی اپنی عادت کے مطابق شروع ہو گیا۔ ایشال کی نگاہیں دور جاتی گاڑی کی لائٹوں کے ساتھ ہی چپکی رہ گئیں۔

ایشال پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک سیکنڈ بھی رکنا گوارا نہیں کیا تھا تو اپنے کمرے میں اسے کیسے برداشت کرتا ہوگا۔ اسے اپنے دل پر عجیب سا بوجھ پڑتا محسوس ہوا۔ وہ صرف کہتا نہیں تھا وہ سچ میں اس سے نفرت کرتا تھا۔

''یہ اگلی گلی میں گھر ہے۔ تھوڑا سا چل لو گے تو ٹانگیں نہیں ٹوٹ جائیں گی تمہاری۔'' فالحہ نے بھائی کو گھورا تھا۔

''ویسے بھی وہ گاڑی تھی ہوائی جہاز نہیں جو ہم سب اس میں گھس جاتے۔'' سب سے زیادہ عقلمندی کی بات تو علشبہ نے کی تھی۔

راستے بھر ان سب کی نوک جھونک پر وہ چاہ کے بھی مسکرا نہیں پائی۔

کمرے میں آئی تو وہ شاور لے کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ اس نے خاموشی سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر آئس کریم کا ڈبہ رکھ دیا۔

''چیزیں مل جاتی ہیں لیکن شاہ زمان کوئی چیز نہیں ہے۔''

بیڈ کی طرف بڑھتا وہ ٹھٹھک کے رکا۔ ایشال حیدر کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنے دل کا بوجھ بھی تو کسی طرح ہلکا کرنا ہی تھا۔ شاہ زمان نے مڑ کے اسے سر سے پاؤں تک ایک نظر دیکھا۔

''یہیں پر تم غلط ہو۔ تمہیں شاہ زمان ہی تو نہیں ملا۔'' اس کے لفظ ایشال حیدر پر ہنسنے لگے۔

''مجھے شاہ زمان جتنا چاہیے تھا اتنا مل گیا۔'' گہری نگاہیں اس کے چہرے پر جمائے وہ بھی اسی لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے بس آپ کی زندگی میں شامل ہونا تھا۔ ایک ایسا تعلق چاہیے تھا جو ہمیشہ کے لیے آپ کے ساتھ بندھا رہے۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ چاہیے بھی نہیں۔''

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"تم.....!" اس کا جواب شاہ زمان کو تپا ہی تو گیا۔ غصے سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے اس نے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر بہ مشکل قابو پایا۔

"جس ساتھ کی تم بات کر رہی ہو ناں یہ میرے تین لفظوں کی مار ہے۔" بہت اونچائی سے وہ بہت گہرائی میں جا کے گری تھی۔

"ایک بار تو قسمت نے تمہارا ساتھ دے دیا لیکن جس دن میں نے یہ رشتہ توڑ دیا ناں تو قیامت تک روتی بھی رہو گی ناں تو دوبارہ میرے ساتھ کوئی رشتہ جوڑ نہیں پاؤ گی۔" ایک دھماکے سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

اس کا فق ہوتا چہرہ اس کے اندر اٹھتے طوفانوں کا آئینہ دار بن گیا تھا۔

☆.....☆

شاہ زمان کا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں گونجتا رہا تھا۔ اس نے تو بس شاہ زمان کو پانے کے بارے میں سوچا تھا۔ یہ خیال تو کبھی بھول کے بھی نہیں آیا تھا کہ وہ اسے چھوڑنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ شاہ زمان کو پانے سے پہلے بھی اسے کھونے کا خوف اس کی سانسیں روک دیتا تھا تو آج بھی یہ خوف اسے سانس لینے نہیں دے رہا تھا۔

ابھی چند دن پہلے کی تو بات ہے وہ مہران شاہ اور سبغہ شاہ کے کمرے میں دودھ دینے جا رہی تھی جب سبغہ شاہ کی آواز پر باہر ہی رک گئی تھی۔

"میرا دل نہیں مانتا کہ شاہ زمان ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے۔" ان کی آواز میں عجیب سی کشمکش پنہاں تھی۔

"دل تو میرا بھی نہیں مانتا مگر....." مہران شاہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

یہ علشبہ شاہ کے ماں باپ تھے جنہیں سب سے زیادہ بدگمان ہونا چاہیے تھا۔ شاہ زمان کے ساتھ ان کا پچیس سال کا ساتھ تھا بھلا کوئی چند دنوں میں آ کے اس اعتبار کو کیسے توڑ سکتا تھا۔ شاہ فیملی کی خاموشی میں نجانے کتنے بھرم چھپے تھے اور جس دن یہ خاموشی ٹوٹ گئی تو.....اور اگر کسی دن آغا جی کی آنکھوں سے بے اعتباری کی پٹی اتر گئی تو.....اس نے فوراً اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ تو ایشال حیدر کو چھوڑنے میں ایک پل کی دیر نہ لگاتا اور وہ بھلا اس کے بغیر جی پاتی؟

اور اس دن وہ عشاء کی نماز پڑھ کے دعا مانگ رہی تھی جب وہ کمرے میں آیا تھا۔

"جتنی مرضی معافیاں مانگ لو۔ جب تک انسان معاف نہ کرے خدا بھی معاف نہیں کرتا اور میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" سنگدلی سے بولتا وہ اس کا دل ہی تو دہلا گیا تھا اور ایشال حیدر کے ہاتھ دعا سے گر کے سوال و جواب بھول گئے۔

شاہ زمان کو پانے کے لیے اس نے اپنی عزت تک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ صرف شاہ زمان ہی بدنام نہیں ہوا تھا وہ بھی اتنی ہی بدنام ہوئی تھی اگر شاہ زمان اس کے ساتھ ہوتا تو اسے اس بدنامی کی رتی بھر بھی پرواہ نہ ہوتی لیکن اگر وہی چھوڑ گیا تو پھر بھلا اس کے پاس بچتا ہی کیا۔

اس کے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے۔ شاہ کو کھونے کے خیال سے ہی اس کا جی گھبرانے لگتا تھا۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اسے اپنے پیروں پر نمی کا احساس ہوا تھا۔ اپنے نرم ہاتھوں میں اس کے پیروں کو تھامے ان پر ماتھا رکھے وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

"ایشال!" سرعت سے اپنے پاؤں کھینچتا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی تھی اور فوراً اٹھ کے اس کے برابر نیچے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں بھی وہ اس کے چہرے پر پھیلے کرب اور آنسوؤں کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔

"پلیز ایک بار کہہ دیں۔ آپ نے مجھے معاف

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کردیا۔ میرے دل کو سکون مل جائے گا۔'' اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ پکڑے وہ منت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے لگتا ہے جیسے قیامت آنے والی ہے۔ سب ختم ہونے والا ہے۔'' آنسوؤں کی روانی میں رندھے گلے کے ساتھ اس سے بولنا محال ہو رہا تھا۔

''آپ چاہتے ہیں ناں میں آغا جی کو جا کے سب سچ سچ بتا دوں۔ میں بتا دوں گی۔ بس ایک بار مجھے یقین دلا دیں اس کے بعد آپ مجھے چھوڑیں گے نہیں۔ مجھے اپنے پاس رہنے دیں گے۔''

میرے نالوں کی سن کر زبانیں
ہو گئیں موم کتنی چٹانیں

''شاہ زمان میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں آپ کے بغیر جی نہیں پاؤں گی۔'' اس کے ہاتھ پر پیشانی ٹکاتی وہ اپنی ہچکیاں روک نہیں پا رہی تھی۔ وہ پتھر نہیں تھا لیکن اس لڑکی نے اسے پتھر بنا دیا تھا۔ خاموشی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچتا وہ سر تک کمبل اوڑھ کے لیٹ گیا۔ وہ سسکیاں بھرتی بیڈ کے کنارے سرٹکا گئی۔

میں نے پگھلا دیا پتھروں کو
اِک تیرا دل پگھلتا نہیں ہے

☆.....☆

ساری رات اس کے پاس زمین پر بیٹھ کے گزار دی تھی اور شاہ زمان نے دوبارہ اٹھ کے اسے دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔ وہ اسے کھونے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے مرنے جیسے تڑپنے رونے سے شاہ زمان کو ذرا بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہی سوچ اس کی تڑپ کو کئی گنا بڑھا دیتی۔ وہ اپنی غلطی مانتی تھی مگر وہ تو ہر حال میں اسے سزا دینے پر مائل تھا۔

اگلے دن وہ بخار میں سلگتی گھر کے کام نمٹاتی رہی اور پھر شام کو بخار کے ساتھ کتنی دیر شاور بھی لیتی رہی مگر دل کی جلن تھی کہ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جب نہا کے نکلی تو اسے اپنے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں اور اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ شدید بیمار ہو جائے اور کبھی ٹھیک نہ ہو۔ وہ شاہ زمان کے ساتھ پوری زندگی جینا چاہتی تھی اور وہ اس کے ساتھ ایک ایک پل کسی عذاب کی طرح کاٹ رہا تھا۔ وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یہی بات اس کے گرد قبر جیسی گھٹن بھر دیتی۔ اسے سانس لینے میں بھی اذیت محسوس ہوتی۔ وہ جانتی تھی اسے ذرا بھی موقع ملا تو وہ ترکِ تعلق کے سارے مراحل طے کر جائے گا اور وہ دیکھتی رہ جائے گی۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے کانپ اٹھتا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی وہ کب ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔

رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ جب تکلیف سے کراہتی وہ غنودگی سے باہر آئی۔ گلے میں نوکیلے کانٹے اگ آئے تھے۔ اس نے ہلنے کی کوشش کی جب درد کی ایک تیز لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ اس کے ہونٹ پیاس کی شدت سے خشک ہو گئے تھے۔ اس نے بمشکل اپنی بھاری آنکھوں کو کھولنے کی سعی کی تھی۔ قبر سے بھی گہرا اندھیرا اس کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ چند سیکنڈ بعد اس کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو پہلی نگاہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے شاہ زمان پڑی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں بھی وہ اس کی بند آنکھوں کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے کیوں سو رہا تھا؟ سب سے بڑی بات ایشال حیدر کی موجودگی میں اس شخص نے بیڈ پر بیٹھنا گوارہ کیسے کر لیا۔

وہ اسے ہلانا چاہتی تھی۔ اسے پکارنا چاہتی تھی۔ اسے منانا چاہتی تھی مگر آواز گلے میں ہی دب گئی تھی۔ ہونٹ کپکپا کے رہ گئے تھے۔ تبھی اسے اپنے سر پر کسی چیز کا احساس ہوا۔ وہ اپنا کانپتا ہاتھ ماتھے تک لے گئی۔ وہ ٹھنڈے پانی کی پٹی تھی اور اس کے اوپر رکھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شاہ زمان کا ہاتھ۔

آپ بیٹھے ہیں بالی پہ میری
موت کا زور چلتا نہیں ہے

''شاہ زمان!' آواز کے ساتھ آنسو بھی جیسے ٹوٹ کے گرے تھے۔

''میں سچ میں مر جاؤں گی۔'' وہ اپنے لرزتے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام گئی۔

موت مجھ کو گوارہ ہے لیکن
کیا کروں دم نکلتا نہیں ہے

وہ اس کے تڑپنے سے بے خبر نہیں تھا۔ شاہ زمان کی بند آنکھوں میں ہوتی ہلکی سی جنبش اس بات کی گواہ تھی۔

☆.....☆

پہلے شاہ زمان کے ساتھ علشبہ کے رشتے کی بات چلی تھی۔ کہیں ہادی کے دل میں علشبہ کو لے کے کوئی شک یا غلط خیال نہ رہ جائے یہی سوچ کے آغا جی نے ہادی کے ساتھ رامین کی نسبت طے کرنے کی بات چھیڑ دی اور شاہ پیلس میں ایک مرتبہ پھر بھونچال آ گیا۔

''یہ آغا جی بڑے کب ہوں گے۔ انہیں کب سمجھ آئے گی کہ کس کے ساتھ کس کا رشتہ جوڑنا ہے۔'' ہادی تو جیسے دہکتے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا معجزے بار بار نہیں ہوتے۔ اب کی بار اسے خود کچھ کرنا تھا اور اس نے تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے آغا جی کے سامنے ساری حقیقت کھول کے رکھ دی تھی۔ وہاں موجود سبھی افراد ساکت کھڑے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ طویل ہوتی خاموشی کو آغا جی کے تھپڑ کی گونج نے توڑا تھا۔ خوف سے سبھی کے رنگ اڑ گئے۔ علشبہ تو باقاعدہ رونے لگی۔

''ایک کی دیکھا دیکھی تم سب پٹڑی سے اترتے چلے گئے اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔'' شاہ زمان نے چونک کر آغا جی کے سرخ پڑتے چہرے کی طرف دیکھا۔

''اس بچی کی زندگی اور عزت کا سوال نہ ہوتا تو بڑے کے ساتھ بھی ہرگز رعایت نہ برتتا۔ تم لوگوں نے کیا سمجھ لیا۔ سب کو کھلی چھوٹ مل گئی جس کا جو دل چاہے گا کرتے پھرو گے۔'' ہاتھ میں پکڑی لاٹھی سے ایشال کی طرف اشارہ کرتے وہ سامنے کھڑی ہادی پر اپنا جلال برسا رہے تھے۔ شاہ زمان کے چہرے پر تناؤ پھیل گیا۔ ایشال نے ایک نظر شاہ زمان کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی۔ وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم ٹھہرا دیا گیا۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''دیکھ لیا تم نے۔ ایک صرف تمہاری وجہ سے یہ دو گز کے بچے میرے منہ کو آنے لگے ہیں۔'' شاہ زمان کا گریبان پکڑے وہ اب اس پر چلا رہے تھے۔ ایشال کی سانسیں رک گئیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ کچھ نہیں بولا۔

''شاہ زمان وہ دن دکھانے سے پہلے تم مر کیوں نہیں گئے۔''

''آغا جی۔'' اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کے بھینچ دیا۔ تڑپ کے انہیں خاموش کرواتی آنکھوں میں آنسو لیے فوراً آگے بڑھی۔

''آغا جی آپ نے کیسے اتنی بڑی بات کہہ دی۔ آپ کا دل نہیں کانپا۔'' لرزتی آواز میں بولتی، اس کے آنسوؤں نے پلکوں پر ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔

''سچ سننا ہے آپ کو؟'' ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو مسلتی وہ ایک سیکنڈ میں کسی فیصلے پہ پہنچتی سب بتاتی چلی گئی۔ کچھ بھی نہیں چھپایا۔ وہاں موجود ہر کوئی حیرت سے گنگ کھڑا رہ گیا۔ آغا جی بے جان وجود لیے بیڈ پر ڈھے گئے۔ اپنے جرم کی داستان سنانا آسان نہیں ہوتا۔ اسے اس لمحے احساس ہو گیا۔ وہ ان کے پاس آ کے زمین پہ بیٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں میرا جرم معافی کے قابل نہیں ہے۔ میں چلی جاؤں گی یہاں سے اور وعدہ کرتی ہوں کبھی نظر نہیں آؤں گی آپ لوگوں کو۔ آغا جی میرا

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

بڑا کوئی نہیں ہے۔ مگر اس لمحے میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر آپ کو اپنا بڑا مانتے ہوئے بس اتنی التجا کرتی ہوں میرے نام کے ساتھ ہمیشہ ان کا نام جڑا رہنے دیجیے گا۔ میرے جینے کے لیے ان کا نام کافی ہوگا۔" سر جھکائے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھی وہ کسی بھکارن کی طرح شاہ زمان کے نام کی بھیک مانگ رہی تھی۔

"بہت پیار کیا ہے میں نے ان سے۔ آغا جی ان کے نام کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ مجھ سے میرا آخری سہارا مت چھینیے گا۔" اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کسی طور بھی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں۔

کتنی دیر بعد آغا جی اپنی جگہ سے اٹھنے کے قابل ہوئے۔ شاہ زمان کے سامنے جا کے سر سے پگڑی اتار کے اس کے پیروں میں جھکے تھے۔ جب وہ تڑپ کے انہیں سیدھا کرتا ان کے سینے سے جا لگا۔

☆.....☆

وہ صرف کمرے سے نہیں شاہ پیلس سے بھی نکل آئی۔ گھر بھی نہیں گئی بس میں بیٹھ کے سیدھی صوفیہ کے پاس چلی آئی جو شادی کے بعد دوسرے شہر آباد ہو چکی تھی۔ چند دن رونے کے بعد اس نے ایک جگہ جاب اسٹارٹ کر لی۔ پھر ایک کرائے کے فلیٹ میں رہائش اختیار کر لی۔ اس کے لیے تنہا رہنا مشکل نہیں تھا وہ کئی برسوں سے تنہا ہی تو رہ رہی تھی مگر اپنے گھر اپنے شہر جانے کا سوچ کے ہی وہ سر تا پیر لرز جاتی۔ وہ جانتی تھی وہاں اس کی آزادی کا پروانہ موجود ہوگا۔ آغا جی اتنے بڑے جھوٹ اور دھوکے کو ہرگز معاف نہیں کریں گے اور شاہ زمان تو اب ہر فیصلے پر با اختیار تھا اور اس سے جان چھڑانے میں تو اس نے لمحہ نہیں لگایا ہوگا اور وہ اس جان لیوا خبر کو اپنے کانوں تک پہنچنے ہی تو نہیں دینا چاہتی تھی۔

فون کی گھنٹی اسے بہت دور سے کھینچ کے لائی تھی۔

"ہیلو۔" بند آنکھوں کے ساتھ ہی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے کال ریسیو کی۔

"ایشال کچھ خبر بھی ہے تمہیں۔ کسی نے تمہارے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔"

"کیا؟" اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ یہ صوفیہ کیا کہہ رہی تھی۔

"تمہارے محلے میں جو میری ممانی کی خالہ رہتی ہیں کل امی ان کی عیادت کو گئی تھیں۔ تمہارا گھر کھلا پڑا تھا۔" صحیح معنوں میں اس کا سر چکرا کے رہ گیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ مم..... میرا مطلب....." اسے لگا وہ بولنا بھول گئی ہے۔

"جب کسی بھی چیز کے پاس اس کا مالک موجود نہ ہو تو اس پر کوئی بھی اپنی ملکیت ظاہر کر سکتا ہے۔ تمہارے پاس گھر کے کاغذات تو ہیں ناں؟"

"نہیں..... نہیں وہ تو ادھر گھر کی الماری میں ہی پڑے ہوئے تھے۔" وہ اٹکتے ہوئے اب باقاعدہ گھبراہٹ کا شکار ہونے لگی تھی۔

"اچھا احمد کو آنے دو، میں ان سے بات کرتی ہوں پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

ایک دو مزید باتوں کے بعد جب کال بند ہوئی تو اس کے اندر کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ گھر اس کے ماں، باپ کی آخری نشانی تھا۔ ان کے عمر بھر کی کمائی سے بنے اس گھر سے دستبردار ہونا اس کے لیے بالکل ممکن نہیں تھا۔ اس نے ٹائم دیکھا، شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہاں پہنچنے میں اسے دو گھنٹے لگنے تھے۔

☆.....☆

رات نے ہر سو اپنے پر پھیلا لیے تھے جب وہ اپنے گھر کے باہر موجود تھی۔ راستے بھر وہ یہی دعا مانگتی آئی تھی کہ وہ تحریر اس کے ہاتھ نہ لگے۔ آندھی سے کہیں اڑ گئی ہو یا پھر سال بھر کی بارشوں نے اسے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اتنا خراب کر دیا ہو کہ اس کے لفظ تک مٹ گئے ہوں مگر سامنے کھلے دروازے نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔ سب کچھ فراموش کیے وہ آندھی طوفان کی طرح گھر میں داخل ہوئی۔ صرف ایک کمرے اور باہر کی لائٹ کے علاوہ باقی ساری لائٹس آف تھیں۔ وہ برق رفتاری سے اندر داخل ہوئی مگر خالی کمرا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ایکدم خوف محسوس ہوا لیکن یہ وقت ڈرنے کا نہیں تھا۔ دل ہی دل میں خود کو حوصلہ دیتی وہ اب سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

چھت کی منڈیر کی طرف منہ کیے وہ شخص جو کوئی بھی تھا اسے دیکھتے ہی ایشال کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''اے مسٹر! تم ہوتے کون ہو میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں گھسنے والے۔ میں زندہ ہوں مری نہیں ہوں ابھی۔ تمہیں اپنے گھر پر یوں قبضہ جمانے نہیں دوں گی، سمجھے تم۔'' وہ سوچے سمجھے بغیر ایکدم بھڑک اٹھی۔

''کیوں؟'' بہت سرد لہجے میں پوچھا گیا۔

''کیوں کا کیا مطلب؟'' اس کی پشت کو گھورتے ہوئے بولی۔

''مطلب تم میری اجازت کے بغیر میری زندگی میں گھس سکتی ہو۔ میری اجازت کے بغیر میرے دل پر قبضہ کر سکتی ہو تو میں تمہارے گھر پر قبضہ کیوں نہیں کر سکتا؟'' پلٹ کے بولتا وہ ایشال حیدر کو ساکت ہی تو کر گیا تھا۔ سانس روکے سامنے کھڑے شخص کو دیکھتی وہ پلک جھپکنا بھول گئی۔

''شاہ زمان!'' اس کے ہونٹ بس ہل کے رہ گئے۔

''تم ہوتی کون ہو میری اجازت کے بغیر میری زندگی سے جانے والی۔'' ہوا کی تیزی سے اس کے قریب آ کے اس کے بازو کو سختی سے دبوچے وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

شاہ زمان کے چہرے پر نظریں جمائے اس کے آنسوؤں نے آج بھی پلکوں پر ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔ ایک سسکی اس کے لبوں پر آ کے دم توڑ گئی۔ اپنے ہاتھ کے شکنجے سے اس کا بازو آزاد کرتا وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''آغا جی پر فیصلہ چھوڑا تھا ناں تم نے۔ پھر ان کے فیصلے کا انتظار تو کیا ہوتا۔'' اس کا لہجہ ابھی بھی کرختگی سے پر تھا۔

''آغا جی کا فیصلہ بھی تو یہی ہوتا۔'' آنسوؤں سے بھیگی آواز میں جواب دیا۔

''اپنا بڑا مان کے ان کے ہاتھ میں فیصلہ تھمایا تھا ناں تم نے۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ بڑے کبھی اپنے بچوں کو بے گھر نہیں کرتے اور نہ کبھی جڑے رشتوں کو توڑتے ہیں۔'' بات جیسی بھی تھی پر اس کا لہجہ ہرگز نرم نہیں تھا۔

''آپ بھی تو نفرت کرتے تھے مجھ سے۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی۔

''میں نے یہ بھی تو بکواس کی تھی کہ جس دن تم سب کو سچ سچ بتا دوں گی۔ اس دن میں تم سے نفرت کرنا چھوڑ دوں گا اور اگر وہ نفرت ہوتی تو آج میں تمہارے سامنے نہ کھڑا ہوتا۔'' وہ اس کے دماغ کی ایک ایک گرہ کھولتا جا رہا تھا۔ ایشال کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''میں نے سوچا میرا وہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔''

''کیا بہتر تھا ہاں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اس کی بے وقوفی پر کھول کے رہ گیا۔ ''مجھ سے محبت کرنے سے پہلے سوچا تھا تم نے؟ اس دن شادی میں جو تماشا لگایا تھا اس سے پہلے سوچا تھا تم نے؟ میری زندگی میں زبردستی داخل ہونے سے پہلے سوچا تھا تم نے؟ پھر شاہ زمان کی زندگی سے نکلنے سے پہلے تم سوچنے کی حماقت

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کیسے کرسکتی تھیں۔'' دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچے شہادت کی انگلی کو ہوا میں لہراتے ہوئے وہ اس کی غلطیاں گنوا رہا تھا۔

ہمیشہ سب ٹھیک کرنے کے چکر میں وہ اسے نقصان ہی پہنچاتی آئی تھی۔ وہ سب یہی سمجھے تھے کہ حقیقت بتانے کے بعد سب کا سامنا کرنے سے کترانی وہ کمرے سے نکل گئی ہے لیکن اس کے شاہ پیلس سے نکلنے کی کسی کو خبر تک نہیں ہوئی۔

''مجھے آج یہ کہتے ہوئے نہایت افسوس ہو رہا ہے کہ تم ایک خود غرض لڑکی ہو جو صرف اپنے مفاد کی حد تک سوچ سکتی ہو۔'' وہ پھر منڈیر کی طرف رخ پھیرے کھڑا ہو گیا۔

وہ ہر مرتبہ اسے منانے کی کوشش میں مزید خفا کر دیتی تھی۔ شاہ زمان کو منانا وہ جانتی ہی نہیں تھی۔

''معلوم تھا پوری دنیا بھی گھوم لو گی تو تمہارا آخری ٹھکانا یہی ہوگا۔ پچھلے ایک سال سے تمہارے ہی گھر میں، تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور اس کے بدلے تم مجھے بتا رہی ہو کہ تم نے میری زندگی سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا۔ میری زندگی کو ایک کھیل سمجھ لیا تم نے جب دل چاہا زبردستی اپنے ساتھ باندھ لیا اور جب دل چاہا ہاتھ چھڑا لیا۔'' ایشال کا دل ڈوب کے ابھرا۔ وہ کیوں ہر بار اس کے دکھ کی وجہ بن جاتی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھی۔

''میں نے بہت برا کیا آپ کے ساتھ۔'' بھرائی آواز میں اس کی بات ہی دہرائی تھی۔

''یہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا تمہیں۔'' وہ ابھی بھی رخ موڑے کھڑا تھا۔

''وہاں چار پانچ سو آدمی تھے۔'' آواز پہلے سے زیادہ بھیگ گئی۔

''ان چار پانچ سو لوگوں میں سے صرف تمہارے ساتھ رشتہ جڑا تھا میرا۔'' وہ اسے لاجواب کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''اسے مزید غلطیاں نہیں کرنی تھیں۔ اسے آج ہر حال میں شاہ زمان کو منانا تھا۔ وہ بنا سوچے آگے بڑھی تھی اور اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ پیچھے شانوں تک آتی دیوار کی منڈیر تھی اور آگے شاہ زمان۔ دونوں کے درمیان بمشکل چند انچ کا فاصلہ تھا۔ شاہ زمان کے کپڑوں سے اٹھتی تیز پرفیوم کی خوشبو نے اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس دلایا۔ وہ تو پہلے ہی خفا تھا وہ اب اس کے سامنے سے ہٹنے کی غلطی نہیں کرسکتی تھی۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں جانے انجانے میں جتنی بھی غلطیاں کیں اس سب کے لیے میں دل سے معافی مانگتی ہوں۔'' اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ اس نے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کے ادا کیا مگر سامنے کھڑے شخص کے وجود میں ہلکی سی بھی جنبش نہیں ہوئی۔

''شش..... شاہ زمان!'' شہادت کی انگلی سے دھیرے سے اس کے بازو کو چھوا۔ پھر بھیگی لرزتی پلکیں اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایشال حیدر کو لگا کہ وہ ساری زندگی بھی اسے پکارتی رہے گی تو وہ نہیں بولے گا۔ وہ ہمیشہ جیت کے ہاری تھی۔ آنسو ٹوٹ کے گالوں پر گرنے لگے۔

''شاہ زمان!'' دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ اس کے سینے سے جا لگی۔ وہ چند لمحے یونہی ساکت کھڑا رہا پھر آہستہ سے اسے بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

اگلے چند منٹوں میں ان کی گاڑی شاہ پیلس کی طرف رواں تھی۔ دونوں کے چہروں پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ایشال حیدر نے اس کے بازو میں بازو ڈالتے ہوئے شاہ زمان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

محبت دل کے صحرا میں

''سنو فارحہ نائل حسن اتنے دندناتے ہوئے کیوں آتے ہیں۔'' شہرینہ نے اس سے کہا جو ناخن فائل کر رہی تھی۔
''تم سب گھسنے کیوں دیتے ہو۔'' جس دن سے آئی تھی وہ یہی دیکھ رہی تھی وہ آتا رہتا تھا پاپا سے الجھ پڑتا تھا وہ سوائے اس کی سننے کے کچھ نہیں کرتے تھے۔
''سنو محترمہ یہ نہ صرف ان کی پھوپھو کا گھر ہے بلکہ ان کی بہن کا سسرال بھی ہے۔'' اس نے جتایا۔
''مجھے پہلے والے رشتے پر اعتراض ہے۔'' انتہائی کڑوے لہجے میں بولی۔
''پاپا کی شادی پہلے ہوئی تھی۔ یہ پھر تایا جان نے زبردستی ان کی دوسری شادی کیوں کروائی۔''
''اس لیے کہ آمنہ چچی کے بھائی سے ابو کی بہت گہری دوستی تھی اس لیے ابو نے چچا جان سے ان کی شادی کروائی

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تھی مگر چچا جان دو سال بعد ہی جرمنی چلے گئے۔" اس نے اب نیل کٹر ٹیبل پر رکھا۔

"وہاں پر میں جو انتظار کر رہی تھی۔" وہ فارحہ کو دیکھنے لگی جو خاصی سنجیدہ لگ رہی تھی۔

"ہمیں تو پتہ ہی نہ تھا چچا جان کی شادی کا ابو بتاتے ہیں انہوں نے دس سال ڈس کلوز کی تھی اس وقت ہم سب ہی چھوٹے تھے۔"

"پاپا جب انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے تو یہ سرمد بھائی کی شادی طائشہ بھابی سے کیسے کر دی۔" اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"بھائی جان بھی وہاں تم لوگوں کے پاس جرمنی جانا چاہ رہے تھے۔ ابو نے سوچا کہ کہیں وہ بھی وہی چاچا جان جیسی حرکت نہ کر لیں۔ اسلیے پہلے رشتہ مضبوط کرنے کے لیے طائشہ بھابی سے ان کی شادی کروا دی۔"

"وہ بھی زبردستی نا۔" اب شہرینہ نے اس کی بات کاٹی۔

"پتا نہیں شہرینہ بھائی جان بھابی کو کبھی قبول ہی نہ کر پائے تھے جب وہ باہر جا رہے تھے تو بھابی کو خود ہی ان کے میکے چھوڑا آئے تھے۔" وہ خاصی ملول اور رنجور ہو رہی تھی۔

"بس جب سے ہی یہ دشمنی پال رکھی ہے نائل حسن نے۔ کیونکہ ایک تو پہلے ہی آمنہ چچی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں اب

قسط نمبر 1

قارئین آج آپ سب سے آپ کی اپنی شازیہ مصطفیٰ آپ سب کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتی ہے جو کچھ میرے دل میں ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے آپ سب لوگوں سے شیئر کروں لیکن اکثر بندہ زندگی کے مسائل میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ حقائق دل بیان کرنے کے لیے بھی وقت نہیں مل پاتا۔ جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ ردا میں میرے پانچ سلسلہ وار ناول اس کے علاوہ مکمل ناول، ناولٹ اور افسانے وغیرہ شائع ہوتے رہے ہیں۔ میرا پہلا ناول جو ''محبت دل کے صحرا میں'' کے نام سے شائع ہوا تھا ردا میں جو آپ سب کو شاید یاد ہو گا عائشہ اور شہرینہ والا، وہ میرے دل کے بہت قریب ہے اور ماشاء اللہ اس کی سیل بھی بہت اچھی ہوئی تھی اور اس کا فرسٹ اور سیکنڈ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ سیل ہو گیا تھا اس کے بعد جب تیسرا ایڈیشن آنے کا سلسلہ بنا تو کچھ قانونی پیچیدگیاں ہو گئیں جس کے باعث تیسرا ایڈیشن آ نہیں سکا۔ ویسے تو آپ جانتے ہیں کہ ہر رائٹر کو اپنی تحریر بہت پیاری ہوتی ہے۔ اس کو اپنا ہر کردار ہی پسند ہوتا ہے اور اس سے وابستگی اس کو دلی طور پر ہوتی ہے۔ لیکن ''محبت دل کے صحرا میں'' میرا ایک ایسا ناول ہے جس کی پذیرائی کا سلسلہ نہ اس وقت تھما تھا اور نہ آج۔ دس سال ہو گئے لیکن اب بھی لوگ کہیں بھی مجھ سے ملتے ہیں تو محبت دل کے صحرا کا ذکر مجھ سے ضرور کرتے ہیں۔ تو اس وقت تو آن لائن کا زمانہ اتنا پاپولر نہیں تھا۔ اب میری دلی خواہش ہے کہ ''محبت دل کے صحرا میں'' ایک مرتبہ پھر ''ردا ڈائجسٹ'' کی زینت بنے اور ردا کے صفحات پر جگمگائے اور آن لائن ہو جائے جو لوگ ڈائجسٹ سے وابستہ ہیں وہ اسے آن لائن بھی پڑھ سکیں۔ میں بھی اپنے ناول کو آئن لائن دیکھنا چاہتی ہوں یہ میری دلی خواہش ہے۔ رہی بات میرا سلسلہ وار ناول ''تم دل کی دھڑکن میں'' چل رہا تھا پچھلے دنوں اور کچھ مصروفیات کی وجہ سے میں لکھ نہیں سکی انشاء وہ سلسلہ وار ناول بھی میں بہت جلد شروع کروں گی۔ مجھے آپ سب کی دعاؤں کی بہت بہت ضرورت ہے۔ میں چاہوں گی کہ آپ لوگ میرے لیے دعا کریں کہ جلد از جلد میں اس ناول کو مکمل کر سکوں اور ساتھ ہی ساتھ مزید اچھے سے اچھا لکھ سکوں۔ آپ کی محبتوں اور چاہتوں کی میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گی۔ صالحہ آپی کی محبتوں اور عنایتوں کی میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گی کہ انہوں نے ہمیشہ مجھے پذیرائی بھی دی اور محبت بھی۔ وہ بہت شفیق استاد بھی ہیں اور بہت شفیق انسان بھی۔ ایسے انسان بہت نایاب ہیں آج کل کے دور میں۔ تو میری آپ سب قارئین سے گزارش ہے کہ آپ سب نے میرے ناول ''محبت دل کے صحرا میں'' کو جیسے پہلے پذیرائی دی ایسے ہی پذیرائی اس کو اب بھی دیجیے گا چاہے وہ کتابی شکل میں آئے یا آن لائن۔ مجھے آپ سب کے تعاون کی ہمیشہ ضرورت تھی اور ہمیشہ ضرورت رہے گی اور میں چاہوں گی کہ آپ لوگ اس کو اسی محبت اور توجہ سے پھر پڑھیں اور اپنی محبت اور چاہت کا مظاہرہ کریں جیسا آپ لوگوں نے پہلے مجھے محبتوں سے نوازا تھا۔

آپ کی اپنی

شازیہ مصطفیٰ عمران

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

ان کی بہن بھی وہاں پہنچادی گئی تھی ظاہر ہے غصہ تو آئے گا۔''

''پاپا کو روز تنگ کرنے آتے ہیں آخر چاہتا کیا ہے یہ شخص۔'' شہرینہ کو نائل پر پھر تاؤ آنے لگا کیونکہ نائل اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

''ان کا مطالبہ ہے کہ وہ انہیں اور عمر کو لینے خود آئیں۔''

''زبردستی ہے ناؤ نیور میں ہونے نہیں دونگی پاپا میرے ہیں ان کا کوئی حصے دار نہیں ہوسکتا۔'' اس نے دانت پیس کر مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''شہرینہ آمنہ چچی بہت اچھی ہیں تمہیں بھی ایک ماں مل جائے گی'' اس نے شہرینہ کی کیفیت دیکھی جہاں غصہ اور ناگواری کی لہریں ابھر رہی تھیں۔

''میری ماں مرچکی ہے کوئی جگہ نہیں لے سکتا ان کی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔

''اے لڑکیو! تم لوگ کیا کر رہی ہو۔'' یاسر وہیں چلا آیا تو وہ دونوں چونک گئی تھیں۔

''کچھ نہیں'' فارحہ صوفے سے پاؤں نیچے اتار کر بیٹھی کیونکہ یاسر سے جب سے نکاح ہوا تھا وہ اس سے شرمائی گھبرائی رہتی تھی۔

''ان محترمہ کو کیا ہوا ہے؟'' یاسر نے تشویش میں مبتلا ہو کر شہرینہ کی طرف اشارہ کیا جو گم صم سی تھی۔

''انہیں نائل حسن فوبیا ہو گیا ہے''

''ارے تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔'' اس نے شہرینہ کے چپت لگائی۔

''یاسر بھائی یہ شخص مجھے سخت زہر لگتا ہے آنے کیوں دیتے ہیں آپ لوگ اسے'' اس کا سکوت ٹوٹا تو وہ پھنکار کر رہ گئی تھی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بہنا جی یہ ان کی پھوپھو اور بہن کا سسرال ہے وہ تو آئے گا ہم اور تم نہیں روک سکتے۔'' وہ بولا۔

''پھر میں ہی روکونگی اسے آخر یہ اسٹوپڈ مین سمجھتا کیا ہے خود کو'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی یاسر اور فارحہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''آخر یہ مسئلہ حل کیسے ہوگا۔'' فارحہ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر بولی۔

''اپنے ذہن پر مت بوجھ ڈالو جانم۔'' اس نے ترنگ میں کہا تو فارحہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''سنیے باہر کی راہ دیکھئے'' اب وہ جھینپ گئی تھی۔

''یار وہ دن کب آئے گا جب تم۔''

''یاسر بھائی کدھر ہیں'' شہرینہ کی آواز آئی تو وہ ہڑبڑا کر رہ گیا تھا جبکہ فارحہ مسکراتی ہوئی اٹھی شہرینہ پھر منہ پھلائے چلی آئی تھی۔

''اب کیا ہوا تمہیں۔'' فارحہ نے اسے دیکھا جس کی رونی صورت بنی ہوئی تھی۔''

''جس دن سے آئی ہوں میں ریلیکس نہیں ہوں پاپا سے میں نے کہہ دیا ہے واپس جاؤنگی میں۔''

''تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو'' فارحہ نے اب حیرانگی سے کہا۔

''اگر فارحہ وہ شخص دوبارہ یہاں آیا نا میں ان کا مرڈر کردوں گی۔'' وہ خاصی تلملائی ہوئی تھی۔

''تم کیوں اپنا خون جلاتی ہو ادھر آؤ۔'' اس نے شہرینہ کو اپنے پاس بیٹھایا۔

''پاپا پریشان ہیں اسکی وجہ سے''

''تم مزید جانے کی بات نکال کر انہیں اور پریشان کردو۔'' یاسر نے منہ بنائے شہرینہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی اس نے یاسر کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

فارحہ اور یاسر اب اسے سمجھانے بیٹھ گئے تھے جو مشکل سے اسکے دماغ میں آیا تھا۔

● ● ●

''نائل سدھر جاؤ تم اچھا۔'' امی اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

''اب تو مجھے عقل آئی ہے۔''

''ہوش کرو تم سمجھے اس طرح کچھ حاصل نہیں ہوگا تم بس اور پریشانیاں پیدا کر رہے ہو۔'' آمنہ نے اسے سمجھایا جو مانتا کسی کی نہیں تھا۔

''پھوپھو میں آپ کا حق دلوا کر رہونگا وہ شخص سولہ سال بعد آیا ہے۔'' وہ بڑے غصے میں بول رہا تھا۔

''جب میں کوئی واسطہ رکھنا چاہتی تو حق بھی نہیں چاہیے مجھے۔'' انہوں نے ویسے ہی خود کو پتھر کر لیا تھا۔

''عمر تو ان کا بیٹا ہے اور ایک عدد صاحبزادے کے ساتھ تشریف لائے ہیں لیکن عمر تو وارث ہے اس لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں رہنے دوں گا انکی نظر میں۔'' ذہن تو پتہ نہیں انکا کیا کیا سوچتا رہتا تھا۔

''وہ ان کی من پسند بیوی کی بیٹی ہے جبکہ عمر۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھیں۔

''عمر بیٹا ہے انکا خون ہے دیکھئے گا وہ خود لینے آئیں گے آپکو۔''

''پلیز نائل مجھے سکون سے رہنے دو مت کرو تم یہ سب کیوں جاتے ہو وہاں کیوں تنگ کرتے ہو انہیں۔''

''آپ کو ذرا غصہ نہیں آتا ان پر آپ کی زندگی تباہ کر دی آپ کہ رہی ہیں انہیں تنگ نہ کروں۔'' وہ تو بھنا ہی گیا تھا۔

''بتاؤ اس طرح کرنے سے کچھ حاصل ہوگا بولو تم بیوقوفی کی حرکتیں مت کرو کیوں جاتے ہو وہاں۔'' انہیں نائل پر غصہ آئے جا رہا تھا جو انہیں ہی زیر بحث رکھا ہوا تھا۔

''میں کیوں جاتا ہوں تو سب کچھ حاصل کروں گا سر پکڑ کر روئیں گے وہ سب۔'' اس کے ارادے اٹل اور خطرناک لگ رہے تھے وہ دونوں ہی ڈر گئی تھیں۔

''بھابھی آخر کیا ہوگا بالکل نہیں مان رہا ہے۔'' وہ نائل کے جانے کے بعد ان سے مخاطب تھیں۔

''تم اور طائشہ ہی اسے سمجھا سکتی ہو روز جاتا ہے دھمکیاں دے کر آتا ہے۔'' وہ بھی متفکر سی تھیں۔

''چلیں میری تو گزر گئی ہے مگر طائشہ کی ابھی عمر کیا ہے ننھی سی جان بھی اسکے ساتھ اسے بھی سزا دے رہا ہے۔ سرمد۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئی تھیں۔

''میری بچی کو آئے ہوئے بھی دو سال ہونے والے ہیں جبکہ اب تو سرمد بھی ایک سال پہلے آ گیا تھا میں سمجھی کہ لے جائے گا مگر وہ تو پتھر بنا بیٹھا ہے۔'' وہ اب اپنے آنسو آنچل کے کونے سے صاف کرنے لگی تھیں انہیں ہر وقت طائشہ کی پہاڑ سی زندگی کی فکر رہتی تھی۔

''اگر نائل کی یہی حرکتیں رہیں نا تو ضرور یہ الٹا سیدھا کروائے گا کیونکہ سرمد خود غصہ کے کم نہیں ہیں۔''

''آپ پریشان نہ ہوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی مگر مانے گا نہیں۔'' انہوں نے جہاں آراء کو اپنے شانے سے لگا لیا تھا۔

''اگر ذرا بھی مجھے پتہ ہوتا کہ حالات اس اسٹیج پر ہو جائیں گے کبھی طائشہ کی شادی پر رضامندی نہ دیتی۔'' آمنہ کو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بھی طائشہ کی بے قرار زندگی لگتی تھی جیسے وہ سرمد کا انتظار کر رہی ہو کہ کب وہ اسے بلاتے ہیں۔

''تمہارے بھائی جان کو ہی دوستی مضبوط کرنے کی پڑ گئی تھی جو طائشہ کی بھی وہیں کر دی۔''

''اگر نائل یہاں ہوتا تو کبھی ہونے بھی نہیں دیتا۔'' آمنہ انکے کہنے پر سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

''وہ تو اسے چھٹی نہیں ملی تھی دیکھو پھر تمہارے بھائی جان کی وفات پر تو اسے آنا ہی پڑا۔'' انہیں اپنے شوہر کی بھی آج یاد ستائی کیونکہ انہیں بھی اس دنیا سے گئے دو سال ہو گئے تھے طائشہ کی شادی کے ایک سال بعد ہی تو وہ ایسے بیمار پڑے کہ وہ جانبر نہ ہو سکے تھے کچھ شائد بہن اور بیٹی کا غم بھی تھا کہ انہوں نے انجانے میں دونوں پر ظلم کیا تھا۔

''میرا دل ہولتا رہتا ہے۔'' آمنہ نائل کی طرف سے غصہ میں کچھ نہیں دیکھتا ہے مدمقابل کون ہے کچھ دن پہلے سرمد سے بھی اسکی تلخ کلامی ہو چکی ہے۔

''یہی تو مجھے بھی فکر ہوتی ہے۔'' وہ بھی مضطرب سی ہو گئی تھیں۔

''اچھا تم جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے ویسے ہی۔'' انہوں نے ایک دم اٹھ کر کہا۔

''دیکھتی ہوں اسے وہ بھی آفس نہیں گیا ابھی تک۔'' آمنہ بھی بولتی ہوئی اٹھ کر نائل کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے آج آفس نہیں جانا۔'' انہوں نے بشاشت ظاہر کی۔

''جی جاؤنگا۔'' وہ تیار ہی جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹا تھا۔

''اٹھو مجھے بھی دیر ہو گئی ہے آج دیکھو پہلا پیریڈ تو مس ہو ہی گیا۔'' وہ ایک مقامی کالج میں لیکچرار تھیں۔

''چلیے۔'' وہ خاصا سنجیدہ تھا۔

''نائل ایک بات کہوں۔''

''جی کہیے۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''بیٹا میرے بارے میں اتنا نہ سوچا کرو بلکہ اب بس طائشہ کے بارے میں سوچو۔''

''کیوں نہ سوچا کروں ابو کے بعد آپ دونوں میری ذمہ داری ہیں ابو سے رشتہ کرنے میں غلطی ہو گئی آپ کی جب ہوئی تھی میں اس وقت تو چھوٹا تھا اور آپی کی جب ہوئی میں امریکہ میں تھا اگر پڑھائی کے دوران چھٹی مل جاتی نا تو انکی تو کبھی کرنے نا دیتا۔'' اس نے غصہ سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''ایک ہی گھر میں دونوں کی کر دی کم از کم آپی کے بارے میں سوچتے۔'' اس نے بالوں میں برش کرنے کے بعد پھینک دیا تھا۔

آمنہ چپ ہو گئی تھیں آگے اگر کچھ اور بولتی تو ضرور اسے غصہ آتا رہتا وہ انہیں چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا ایک اچھی پوسٹ پر تھا گھر میں ہر طرح کا سکون تھا مگر اسے تو پھوپھو اور آپی کی فکر رہتی تھی کسی طرح وہ دونوں خوشگوار زندگی گزار سکیں۔

• • •

''آج مارکیٹ چلو گی۔'' شہرینہ نے فارحہ اور صدف سے کہا جو ڈائننگ ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھیں۔

''آج نہیں کل چلنا۔'' فارحہ نے جواب دیا۔

''ارے آج ہی چلو مجھے بہت کچھ لینا ہے ساری ضرورت کی چیزیں وہاں سے تو میں کچھ بھی نہیں لائی ہوں۔'' وہ تیز لہجہ میں بولی۔

''منع کب کر رہی ہوں کل چلنا آج بھائی جان کے کچھ دوستوں نے کھانے پر آنا ہے۔'' صدف نے اسے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

بتایا۔

''تم لوگ بس نخرے کرتی رہنا میں خود چلی جاؤنگی۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تھی۔

''عجیب لڑکی ہے سنتی ہی نہیں ہے چچا جان نے بہت سر چڑھایا ہوا ہے۔'' فارحہ نے صدف سے کہا جو وہ نہ ہی برتن دھونے میں مصروف تھیں۔

''مانتی بھی تو کسی کی نہیں ہے اگر سرمد بھائی جان کے دوستوں کو نہ آنا ہوتا تا تو ضرور چلی جاتی میں۔'' فارحہ اب ڈائننگ ٹیبل صاف کرنے جا رہی تھی۔

''اچھا تم گلاس ضرور نکال کر دھو لینا جب تک میں ڈائننگ ٹیبل صاف کر کے آتی ہوں۔'' وہ صدف کو ہدایت دیتی ڈائننگ ہال میں آ گئی تھی۔

''کہو جانم کیا ہو رہا ہے۔'' یاسر نے اسے تنہا دیکھا تو اپنی آنکھوں اور لہجے میں شوخی لئے اس کے قریب آ گیا تھا۔

''سنبھل کر بولئے صدف ہے اندر کچن میں۔'' وہ یاسر کے ایک دم پٹڑی سے اترنے پر گھبرا جاتی تھی۔

''یار کبھی خاص طور پر بھی مجھ سے مل لیا کرو۔'' اس نے انتہائی مسکینی صورت بنائی۔

''وہ دیکھیں چچا جان۔'' اس نے کہا تو وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہو گیا تھا جبکہ وہ اسکے دل پر چھریاں چلا کر بھاگ لی تھی۔

''تمہیں تو پوچھ لونگا۔'' اس نے مکہ تان لیا۔

ادھر شہرینہ بلال کو زبردستی لے کر شاپنگ کے لئے چلی گئی تھی ضدی تو وہ بچپن سے ہی تھی اور پھر ماں کی وفات کے بعد تو وہ خودسر ہو گئی تھی اس نے بلال کو خوب ہی گھمایا تھا وہ بے چارا بری طرح اکتا گیا تھا۔

''پلیز شہرینہ باجی بس کریں تھک گیا ہوں۔'' وہ اب تھکے تھکے قدموں سے چل رہا تھا۔

''چپ چاپ چلتے رہو اچھا'' وہ تیزی سے اندر شاپ میں گھسی ہی تھی اسکی ٹکر اندر سے نکلتی طائشہ سے ہو گئی جسکی گود میں انس بھی تھا۔

طائشہ نے بھی جھٹ معذرت کی مگر جب ان دونوں کو دیکھا تو ایک فارنر لڑکی اور بلال تھا۔

''بھابی آپ۔'' بلال تو چونک گیا۔ اور ساتھ ہی خوشی چھلک اٹھی تھی۔

''اچھا تو انس بھی ہے یار.....! کیسے ہو۔'' اس نے جھٹ اس کو اٹھایا اور دونوں رخسار پر پیار کر ڈالا تھا۔

شہرینہ حیرانگی سے اس خوبصورت اور نازک سی لڑکی کو دیکھ رہی تھی آج پہلی بار وہ روبرو دیکھ رہی تھی ان چار ماہ میں اس نے بس نام ہی سنا تھا مگر آج اچانک ہی وہ سامنے تھی۔

''بلال who is this'' اس نے سرگوشی میں پوچھا حالانکہ جان تو گئی تھی مگر منہ سے سننا چاہ رہی تھی۔

''طائشہ بھابی ہیں اور یہ تمہارا بھتیجا انس۔'' وہ تو انس میں مگن تھا مانوس بھی تھا جب ہی مزے سے اسکی گود میں چڑھا ہوا تھا۔

طائشہ اس فارنر سی لڑکی کو دیکھ رہی تھی حسن و نزاکت میں وہ یکتا تھی دودھیا رنگ اور اس پر سنہری بال اسے اور ہی دلکش بنا رہے تھے وہ محو سی تھی۔

''اور سنایئے کیسی ہیں۔''

''ٹھیک ہوں۔'' طائشہ کے لبوں پر ایک زبردستی کی ہنسی تھی۔

''بہت دن سے آئے نہیں۔'' آج کل میں آتا اصل میں مصروف تھا پڑھائی میں۔'' اس نے عذر تراشا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''یہ بتایئے کیا شاپنگ کرنے آئی ہیں اسکی۔''
''ہاں میں اسکے کپڑے وغیرہ لینے آئی تھی پھوپھو کے ساتھ یہ تنگ کرنے لگا تو باہر نکلنے لگی تھی۔'' اس نے بلال کو بتایا۔
''آمنہ آنٹی بھی ہیں۔'' اس نے پوچھا۔
''ہاں اندر عمر کے لئے کپڑے دیکھ رہی ہیں۔'' اس ایک نگاہ خاموش کھڑی شہرینہ پر ڈالی۔
''ارے طائشہ تم ادھر آ گئیں میں اندر ڈھونڈنے لگی۔'' آمنہ بھی طائشہ کو موجود نہ پا کر فکرمندی باہر آ گئی تھیں اور جب نگاہ بلال اور فارنرسی لڑکی پر پڑی تو چونکے بنا نہ رہ سکیں۔
''السلام علیکم آنٹی۔'' جھٹ انہیں سلام کیا بلال نے کیونکہ وہ جو حیران بھی تھیں۔
''جیتے رہو۔'' انہوں نے خوشدلی سے دعا دی۔
''تم ادھر کیا کر رہے ہو۔''
''ان محترمہ کے ساتھ آیا ہوں۔'' اس نے شہرینہ کی جانب اشارہ کیا کیونکہ اب اسکی سوالیہ نگاہ بلال پر تھی کہ گریس فل سی خاتون آخر ہیں کون۔
''آنٹی یہ شہرینہ ہیں اور شہرینہ باجی آمنہ آنٹی ہیں۔'' اس نے جتا کر بتایا وہ ایک لمحے کو چونک گئی ساتھ ہی گواری کی لہر اُبھر آئی جو آمنہ اور طائشہ سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔
''بلال چلو ویسے ہی لیٹ ہو گئے ہیں۔'' اب وہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔
''ابھی تو آپ کو شوز لینے تھے۔'' وہ حیران ہوا اسکے ایک دم کہنے پر۔
''پھر کبھی لے لوں گی تم گھر چلو گھبراہٹ ہو رہی ہے مجھے۔'' اصل میں وہ آمنہ کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی کیونکہ انہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں اس میں بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ جیسے وہ اس کے پاپا کو اس سے چھین لیں گی۔
''شہرینہ باجی آپ پہچانی نہیں۔''
''بلال میں پہچان گئی ہوں یہ پاپا کی سیکنڈ وائف ہیں اور کچھ مگر یہ میرے لئے کچھ اور نہیں ہو سکتی۔'' وہ نخوت سے کہہ کر شاپ سے باہر نکل گئی بلال جز بز سا ہو گیا تھا آمنہ کو لگتا تھا کہ جیسے وہ ان کی تذلیل کر گئی ہے اس کی نظر میں حقارت بھی تھی۔
طائشہ نے انکی بدلتی کیفیت دیکھ لی تھی۔
''میرے خیال میں بلال اب چلتے ہیں۔'' طائشہ نے اب اجازت چاہی تھی۔
''اوکے'' اس نے انس کو پھر پیار کیا اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا تھا۔

● ● ●

''فارحہ طائشہ بھابی تو بڑی خوبصورت ہیں۔'' شہرینہ نے اس سے کہا جو سونے کی تیاری کر رہی تھی۔
''تم نے کہاں دیکھ لیا۔'' وہ چونک گئی تھی۔
''کل شاپنگ سینٹر میں ملی تھیں اور ہاں تمہارا بھتیجا بھی بڑا کیوٹ ہے۔''
''دل تو میرا بھی چاہتا ہے دیکھنے کو اب تو بڑا بھی ہو گیا ہے کتنا پیارا لگتا ہو گا بولتا ہوا۔'' فارحہ کھوسی گئی تھی۔
''کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ پھر سے سب مل جائیں سرمد بھائی اور بھابی۔'' شہرینہ جلدی سے بولی۔
''کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے بھائی کبھی ہونے نہیں دینگے چچا جان پر تو انہیں بہت غصہ ہے اور سب سے

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

شرط ان موصوف کی یہ ہے کہ سرمد بھائی خود منا کر لائیں بھابی کو اور یہ سرمد بھائی کبھی نہیں کریں گے۔" اس نے آہ بھر کر کہا۔

"مجھے تو بہت پیاری لگی ہیں بھابی۔"

"مگر بھائی جان کو تو اول روز سے بری لگی ہیں۔" بھابی نے تو ایک سال بھی یہاں نہیں گزارا اس گھر میں بھائی جان کو جرمنی جانا تھا وہ بھی ابو سے ناراضگی مول لے کے پھر اسی دوران بھابی کی پریگنینسی چل رہی تھی پھر بھی ان کے میکے چھوڑ آئے۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا۔" شہرینہ کو اب سرمد پر غصہ آنے لگا تھا۔

"ابو نے امی نے بڑے چچا اور چچی نے بھی روکا مگر مانتے ہی کب کسی کی ہیں۔" وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹی تھی۔

"انہوں نے تو کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔"

"نہیں دیکھا۔"

"ان کے بھائی نائل حسن نے تو جواب ہی طوفان اٹھایا تھا یہاں آ کر۔"

"آخر یہ شخص اتنا اکڑتا کیوں ہے۔" اسے ایک دم ہی نائل کی صورت بھی بری لگنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں شہرینہ نائل حسن جب بھی یہاں آیا ہے ابو سے لڑتا تھا مگر اب تو ابرار چچا میں اور اس میں جنگ چل رہی ہے۔"

"یہ جنگ میں اسے جیتنے نہیں دوں گی۔" وہ ایک دم ہی ہتھے سے اکھڑنے لگی تھی۔

"تم فضول اپنا دماغ خراب کر رہی ہو حالانکہ آمنہ آنٹی ایسی ہیں نہیں بڑی فرینڈلی طبیعت ہے انکی دیکھنا تم سے بھی گھل مل جائیں گی۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"مجھے نہیں ضرورت گھلنے ملنے کی پاپا میرے ہیں صرف میرے۔" اس نے آنکھیں نکال کر کہا تھا۔

"اتنی پاگل مت بنو شہرینہ تم وہ تمہارا آخر کیا بگاڑ لیں گی آنے دو تم انہیں یہاں۔"

"اگر وہ یہاں آئی نا تو میں چلی جاؤں گی۔" اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

"فارحہ میں بھابی کو تو اس گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں مگر انہیں نہیں۔"

"تمہارا ایک بھائی بھی تو ہے۔"

"I am alon understand" اس نے چیخ کر جتایا۔

فارحہ اسکی شکل دیکھنے لگی جہاں غصے اور ناگواری اور نخوت سب کچھ عیاں تھا اتنی شدت پسند تھی وہ کہ کسی دوسرے کی اسے شرکت برداشت نہیں تھی۔

"اور ہاں اب کے یہ نائل حسن آیا نا تو واقعی یہ میرے ہاتھوں سے بچے گا نہیں دیکھنا تم۔" اس کی آنکھوں میں تو شعلوں کی لپک تھی۔

"کیا کر لو گی تم ہیں بولو۔" اب فارحہ کو بھی اسکی باتیں سخت گراں گزر رہی تھیں جو آمنہ آنٹی کے متعلق منفی سوچیں لئے بیٹھی تھی۔

"میں اس کا منہ نوچ لوں گی پاپا کو تنگ کرتا ہے میری مرضی کے بغیر پاپا کبھی نہیں لائیں گے اپنی سیکنڈ مسز کو۔" اس کے لہجے میں بڑا وثوق تھا۔

"مگر لگتا ہے نائل حسن کی یہ بات مان لی جائے گی کیونکہ سب ہی کا دباؤ ہے۔ کہ آنٹی آ جائیں کیونکہ چچا جان کو

بھی عمر کی محبت جوش مار رہی ہے۔"

"پاپا صرف مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" وہ تو تنک گئی۔

"اچھا ابھی تو تم سو جاؤ کیونکہ ذہن و دل تمہارا قابو میں نہیں ہے۔" فارحہ اب کروٹ لے چکی تھی۔

مگر شہرینہ کے دماغ میں تو جھکر چل رہے تھے وہ خود کو بے بس سا تصور کر رہی تھی کیونکہ وہ اپنے پاپا کی محبت میں کسی دوسرے کی شرکت تو برداشت ہی نہیں کر سکتی اسکی پیدائش کے بعد ممی اس دنیا سے چلی گئی تھیں پاپا نے تو اسے سنبھالا تھا وہ پہلی بار پاکستان آئی تھی اب جبکہ وہ سولہ سال بعد آئے تھے تو پاپا کو کہا جا رہا تھا کہ وہ آمنہ کو لے آئیں مگر وہ صرف شہرینہ کی وجہ سے خاموش تھے۔

• • •

اس دن وہ سب ہی خوب ادھم مچائے ہوئے تھے بلال کی خوب چیخنے اور ہنسنے کی آوازیں تھیں جبکہ فارحہ تو خوشی سے اچھل رہی تھی جیسے ہی سب کی نظر سرمد پر پڑی تو سب کو ہی بریک لگ گئے تھے۔

"کبھی تو تم سب لوگ بچپن سے باہر نکل آیا کرو کیا ہو رہا ہے یہ سب۔"

"وہ وہ بھائی جان کچھ نہیں۔" بلال نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا کیونکہ وہ سب ہی طائشہ سے بات کر رہے تھے۔

"آپ ڈینجر کا نشان بن کر مت لٹکا کریں ہم پر" شہرینہ نے ہی معاملہ سنبھالا۔

"شہرینہ کیا بکواس ہے۔" وہ دھاڑے تو ایک لمحے کو وہ بھی سہم گئی زبان دانتوں تلے دبالی تھی جب بولتی تھی تکان ہی بولتی تھی فارحہ نے چٹکی لی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب کہ تم سب ہی چیخ و پکار پر لگے ہوئے ہو۔" وہ فارحہ کو گھور رہے تھے جو بری طرح ڈری ہوئی تھی۔

"دل چاہ رہا تھا ہمارا۔" وہ پھر بولی۔

"شہرینہ شٹ اپ۔"

"مانا کہ آپ کو انگلش آتی ہے مگر مجھے آپ سے اچھی اردو بولنی آتی ہے۔" وہ مزاق میں اڑانے لگی تھی تا کہ ماحول بہتر رہے۔

"بہت بولتی ہو تم۔" وہ اب گھور رہے تھے۔

"یہ بھی کسی کو فن آتا ہے۔" بڑے اطمینان سے بولی تھی سب ہی کی دبی دبی ہنسی نکلی تھی مگر سرمد کی خشمگیں نگاہیں ان سب کو ہی حصار میں لئے ہوئے تھیں۔

"تم سے تو بولنا ہی بے کار ہے۔" وہ خود ہی اکتا کر اندر کی طرف بڑھ گئے تھے سب نے ہی رکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔

"اسی طرح ہی یہ بھابی کے ساتھ کرتے تھے جہاں بے چاری ہم سے ہنس بول لیں سب کے سامنے ہی جھڑک کر رکھ دیتے تھے۔" فارحہ کو رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا۔

"آپ کو ضرورت کیا تھی چیخنے کی۔" شہرینہ نے بلال کے سر پر چپت لگائی تھی۔

"یار مجھے کیا معلوم تھا اچانک آ جائینگے ادھر انکے ہٹلر نما بھائی آ جا[illegible]" بلال نے منہ بنایا۔

"اچھا فارحہ نمبر تو ملاؤ دوبارہ۔" شہرینہ نے اب اسے حکم دیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''جلدی ملاؤ ورنہ بھابی یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے جان بوجھ کر رکھ دیا ہے۔''
''بھابی کو پتہ ہوگا کہ ان کے سرتاج آ گئے ہوں گے۔'' صدف نے بھی اپنی مداخلت ضروری سمجھی۔
''اب رہنے بھی دو بھائی جان نے دل خراب کر دیا ہے۔'' اس نے ریسیور دوبارہ کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔
''فارحہ نخرے نہ دکھاؤ لاؤ میں ملاتی ہوں۔'' اب شہرینہ ٹیلی فون سیٹ اپنے آگے رکھ کر بیٹھ گئی تھی جلدی جلدی نمبر ڈائل کیا۔
''شہرینہ بھائی جان نہ آ جائیں ورنہ پھر خیر نہیں۔''
''تم بس ڈرتی رہنا اچھا۔'' بیل جا رہی تھی اتنے میں بڑی گمبھیر اور گرج دار آواز ریسیور کے سوراخوں سے اُبھری تو شہرینہ سمجھ نہ پائی تھی کیونکہ آواز میں ایک رعب بھی تھا۔
''وہ طائشہ بھابی سے بات کرنی ہے۔'' اس نے آخر ساری ہمتیں مجتمع کر کے کہہ دیا جبکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہی ہوگا ہلاکو خان۔
''سنیے آئندہ ادھر فون نہیں کریے گا۔ انتہائی کرخت لہجے میں وہ بولا۔
''کیوں نہ کروں۔'' وہ تو بھنا ہی گئی جبکہ سب ہی حیرانگی سے اسکے غصہ سے تنے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔
''ایک دفعہ نہیں آتی تمہیں سمجھ۔''
''سنیے مسٹر آپ شرافت سے بلایئے اچھا۔'' اس نے بھی دھونس جمائی۔
''آخر تم ہو کون جلدی بتاؤ آ کر پوچھونگا۔'' نائل نے کہا۔
میں شہرینہ ابرار ہوں آپکی ان دھمکیوں میں نہیں آؤنگی سنا مینٹل آدمی؟'' اب اس نے کھٹ سے ریسیور ہی رکھ دیا۔
اے لڑکی یہ تم نے کیا کر دیا۔'' فارحہ نے تو سر ہی پکڑ لیا۔
''بالکل ٹھیک کیا ہے دیکھنا اب میں ہی درست کرونگی تم سب ڈرتے رہنا۔'' اس نے بڑے اٹل انداز میں کہا تھا۔
''ابرار چچا نے کیا کہا تھا کہ کوئی بھی ان سے تلخ بات بھی نہ کرے۔'' فارحہ نے بتایا۔
''مگر میں پابند نہیں ہوں بدتمیز آدمی موڈ خراب کر دیا۔'' وہ بڑبڑانے کے ساتھ دھپ دھپ کرتی چلی گئی تھی حالانکہ غصہ اتنا آ رہا تھا کہ نائل حسن سامنے ہو اور اسکا منہ نوچ لے کیسے رعب سے کہا کہ آ کر پوچھونگا دماغ نہ ٹھکانے لگا دونگی وہ بیڈ پر لیٹی پھنکار رہی تھی۔
فارحہ اسکے پیچھے آئی اور زبردستی اسے اٹھا کر باہر لائی تھی بلال نے فون ملانے کا دوبارہ ارادہ کر لیا تھا وہ سب کی خوشی کے لئے آ گئی تھی پھر دوبارہ مگن ہو گئے تھے۔ مگر فون لگتا تھا کہ انگیج کر دیا گیا تھا۔
''اس اسٹوپڈ نے کہا ہے یہ سب۔'' شہرینہ کو مکمل یقین تھا۔
''کیا پتہ فون پر بات ہو رہی ہو۔'' صدف نے نفی کی۔
''رہنے دو تم بس اس شخص سے ہر بات کی بعید ہے۔'' وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔
''یہ تم لوگ اتنی دیر سے کر کیا رہے ہو۔'' یاسر جو ابھی ابھی باہر سے آیا تھا سب کو ہی فون کے قریب جمع دیکھا۔
''اس میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' شہرینہ نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اسکی گود میں رکھ دیا۔
''تمہارا مجھے پتہ ہے کوشش بھی کر لوگی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔
''یاسر بھائی ہم بھابی سے فون پر بات کر رہے تھے۔'' صدف نے جھٹ بتایا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''وہاں آ گیا ہوگا ان کا بھائی اور انگیج کر دیا ہوگا ہے نا۔''

''دیکھا یا سر بھائی کو بھی یقین ہے۔'' شہرینہ نے جلدی سے یاسر کی بات کی تائید چاہی۔

''آپ کو کیسے پتہ'' فارحہ نے معصومیت سے اسے دیکھا۔

''مجھے تو بہت کچھ پتا ہے کیا پوچھنا چاہتی ہو۔'' وہ معنی خیزی سے بولا فارحہ نے غصہ سے گھورا کیونکہ ان لوگوں کے سامنے یاسر کی بے تکلفی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''گھورا مت کرو یاسر بھائی کو۔'' شہرینہ نے بڑی گہری نگاہوں سے دونوں کا جائزہ لیا تھا۔

''تم مت کود پڑا کرو اچھا۔'' فارحہ تو جل ہی گئی۔

''فارحہ بھائی کو چائے تو دے کر آؤ۔'' امی نے اسے ٹرے پکڑائی تو وہ سیدھی ہو گئی تھی۔

وہ اٹھی مگر دل تو بھابی کی طرف لگا ہوا کیونکہ بلال مسلسل فون ملانے میں لگا ہوا تھا جو مل ہی نہیں رہا تھا۔

فارحہ ٹرے لئے اندر آئی تو دیکھا سرمد چینج کر کے لیٹے ہوئے تھے۔

''بھائی جان چائے۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھی۔

''یہ ادھم بازی کس خوشی میں ہو رہی تھی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھے۔

''وہ بلال میں اور شہرینہ میں تکرار ہو رہی تھی۔'' اس نے تھوک نگل کر بات بنائی تھی۔

''فارحہ بھابی کا خود ہی فون آ گیا ہے۔'' شہرینہ کی چھت پھاڑتی آواز آئی تو وہ چونک گئے اب فارحہ کو دیکھا جو ان سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

''کیا چکر ہے۔'' انہوں نے کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

''تم لوگ فون کرتے ہو۔''

''وہ شہرینہ نے ملایا تھا انس بول رہا تھا بھائی جان اتنی پیاری آواز تھی۔'' وہ انہیں بتاتے ہوئے ایک لمحے کے لئے بھول گئی کہ انہیں کتنا غصہ آ سکتا ہے۔

''فارحہ۔'' وہ چیخے فارحہ کو بریک لگ گئی تھی۔

''پلیز۔'' بھائی جان انس کا تو قصور نہیں۔

''آپ کا بیٹا ہے۔'' وہ رونہا ہو رہی تھی۔

سرمد کے دل میں بھی بیٹے کے بارے میں سن کر عجیب بے قراری اٹھ گئی تھی وہ چپ سے ہو گئے تھے۔

''آپ بھابی کو لے آیئے صرف اس کی خاطر۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔

''اٹھو اور جاؤ یہاں سے اچھا۔'' وہ اپنے نشتر ہوتے دل و دماغ پر قابو پا رہے تھے۔ فارحہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی انہوں نے اپنے سر کو بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹکا دیا تھا فارحہ نے بیٹے کا ذکر کر کے تو انکے سوئے ہوئے جزبے کو جگا دیا تھا اتنا پتہ تھا ایک بیٹے کو مسمار نہیں کر سکتے تھے حالانکہ رات کے پہر تو انہیں شدت سے خواہش ہوئی تھی کہ وہ سارا دن تھکے ہارے آتے ہیں تو کوئی تو ہو جو انہیں سمیٹ لے مگر وہ اپنے اس سرکش جذبے کو تھپک کر سلا دیتے تھے اپنے معصوم سے بیٹے کو تو آج تک انہوں نے دیکھا بھی نہ تھا اس لئے وہ شائد پتھر بن گئے تھے۔ انہیں طائشہ کا خیال آیا پڑھی لکھی اور خوبصورت سی تھی کتنا اسکا خیال کرتی ڈری سہمی رہتی تھی ان کے آگے جو کہتے [illegible] تھی اب تو اسے بھی دیکھے ہوئے تین سال ہو گئے تھے انہوں نے کروٹ لی اور آنکھیں موند لی تھیں تھک گئے تھے۔

● ● ●

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اے لڑکے یہ پڑھائی ہو رہی ہے۔'' آمنہ نے سی ڈی پلیئر آف کیا۔

''ہو تو رہی ہے۔'' عمر نے منہ بسورا۔

''تم پڑھائی کی طرف سے بہت لاپروائی برت رہے ہو۔'' انہوں نے تاریں لپیٹ کر رکھ دی۔

''اسے خود اپنی خبر نہیں ہے پتہ نہیں وہ کن دھندوں میں لگا ہوا ہے چلو کتابیں کھولو۔'' انہوں نے اچھی طرح ڈانٹ دیا تھا وہ منہ بناتا ہوا رائٹنگ ٹیبل پر آ گیا تھا۔

''امی پاپا آئے ہوئے ہیں نا۔'' اس نے اب آمنہ سے پوچھا۔

''عمر تمہارے ایگزام ہیں توجہ دو پڑھائی پر تم ساری۔'' انہوں نے جیسے اسکی بات سنی ہی نہیں تھی۔

''میں ان سے مل آؤں۔''

''میں تم سے کہہ رہی ہوں تم اپنی کہے جا رہے ہو۔'' انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔ اتنے میں انس کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز آئی تو وہ باہر کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں کیونکہ وہ روہی دھاڑ کر رہا تھا۔

''ارے کیوں مار رہی ہو۔'' آمنہ نے حیرانگی سے طائشہ کو دیکھا جو خود بھی روہانسی ہو رہی تھی لپک کر انہوں نے انس کو گود میں اٹھا لیا تھا۔

''کھا نہیں رہا ہے تنگ کر کے رکھا ہوا ہے۔''

''مارنے سے کھا لے گا پیار سے کھلاؤ۔'' وہ کاندھے سے لگا کر اسے چپ کروانے لگی تھیں مگر وہ مچلے جا رہا تھا۔

''کتنا تو پیار سے کھلا رہی تھی منہ ہی نہیں کھولتا ہے زندگی عذاب ہو گئی ہے۔'' وہ روہانسی ہو کر اندر چلی گئی۔

''وہ اسے مار کر بس اپنا غصہ نکالتی ہے اس معصوم کا کیا قصور ہے۔'' جہاں آراء نے تاسف اور دکھ میں ڈوب کر کہا تھا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''کب تک میری بچی ایسے ہی زندگی گزارے گی اس کا نہیں تو اپنی اولاد کا خیال کر لے۔''

''بھابی آپ اگر اسطرح کی باتیں کریں گی تو طائشہ تو بالکل ہی ہمت ہار دے گی۔'' آمنہ نے انہیں سمجھایا۔

''آمنہ تم دونوں کی زندگی تباہ کر دی ہے تمہارے بھائی نے۔'' وہ باقاعدہ اب رونے لگی تھیں۔

''میری تو فکر چھوڑیں آپ جتنی گزر گئی اور گزر جائے گی میری عمر اب بڑا ہو گیا ہے میرا سہارا ہے مجھے ضرورت نہیں ہے اب ابرار احمد کی مگر طائشہ کی تو ابھی عمر ہی کیا ہے یہ ننھی سی جان میں تو چاہتی ہوں سرمد اپنی خوشی سے اسے لے جائے۔'' وہ تاسف سے گویا ہوئیں انس رو رو کر چپ ہو گیا تھا۔

''رو رہی ہو گی وہ اندر میرا دل کڑھتا رہتا ہے اسکے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر میری بچی کی عمر ہنسنے کھیلنے کی اور کیا روگ لگ گیا۔''

اتنے میں دروازے پر بیل ہوئی تو دونوں ہی چونک گئی تھیں۔

''نائل ہو گا آپ جائیے منہ دھوئیے ورنہ وہ تو بال کی کھال نکالے گا۔'' آمنہ انہیں کہتے ہوئے دروازہ کھولنے چلی گئی تھیں۔

''میری جان کیا ہوا۔'' دروازہ کھولتے ہی اسکی آمنہ کی گود میں انس پر نگاہ پڑی تھی۔

''رو رہا تھا کیا۔''

''ہاں طائشہ نے مارا ہے کھا نہیں رہا تھا۔'' انہوں نے نائل کو گود میں اسے دے دیا تھا۔

''وہ اسے پیٹ کر سرمد بھائی کا غصہ نکالتی ہیں مجھے پتہ ہے۔'' وہ اسے لئے اندر آئی تو طائشہ نے جھٹ چہرہ

صاف کیا پشت پھیر کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپی رو رہی ہیں نا آپ۔'' اس نے طائشہ کو شانوں سے تھاما۔

''آہستہ بولا کرو۔ اچھا'' اس نے سرزنش کی۔

''آہستہ تو بولا ہوں۔'' وہ بولا۔

''آپ اس معصوم کو پیٹ کر غصہ نکالتی ہیں جا کر اپنے سرتاج کے اوپر نکالئے اسکا کیا قصور ہے۔''

''جب بولنا تم فضول ہی بولنا اچھا لاؤ اسے دو مجھے۔'' اس نے انس کو لے لیا۔

''بالکل ٹھیک کہتا ہوں میں وہ تو اپنی زندگی میں مگن ہیں کسی بات کی پرواہ ہی نہیں۔'' وہ پھٹ پڑا۔

''نائل کبھی تو خاموش رہا کرو۔'' درشت لہجہ میں بولی۔

''جاؤ نگا میں ادھر بہت مزے سے سب لگے ہوئے ہیں۔ اس فارنر لڑکی کے ساتھ۔''

''پھر دماغی کیڑا کلبلانے لگا تمہارا۔'' وہ اسکے تیور بھاپ جاتی تھی۔

''ہاں خبر تو لوں اس شہر بینا ابرار کی انکل پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے۔''

''نائل اب کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے تم بہت ہوگئی ہے۔'' اس نے وارننگ دی۔

''پلیز نائل چپ ہو جاؤ۔'' اس نے کرب سے لب کچل ڈالے تھے۔

''یہ غصہ اگر ان پر بھی دکھا لیتی نا تو آپ کے صاحب بہادر قابو میں رہتے۔'' اب وہ ذرا شوخی سے بولا کیونکہ طائشہ کے افسردہ مغموم سے چہرے پر ایک مردگی رہتی تھی۔

''تمہیں دیکھونگی کیسے قابو میں رہو گے اپنی بیوی کے۔'' وہ جل گئی تھی۔

''قابو میں تو نہیں البتہ اسکو میں رکھوں گا۔'' اس نے بے ساختہ ہنس کر کہا تھا۔

''لائیں آپ اسے مجھے دیں اور منہ ہاتھ دھو کر آئیے روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتی ہیں۔'' وہ اسے ہدایت دیتا انس کو لئے باہر آ گیا۔

شام میں بلال آ گیا تھا نائل کو تو غصہ آ جاتا تھا مگر وہ تو آتا ہی رہتا تھا انس اور اپنی بھابی کی وجہ سے دونوں میں فقرہ بازی بھی ہوتی تھی۔

''تمہارے گھر والوں کو خبر نہیں ہے۔'' نائل صوفے پر بیٹھا تھا اور ٹانگیں ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیں۔

''میں تو حساب برابر کرنے آتا ہوں آپ ادھر آتے ہیں میں ادھر آ جاتا ہوں۔'' بلال نے نائل کے بے زار چہرے کو مسکرا کر دیکھا۔

''تم اس کی وجہ سے آتے ہو نا۔'' نائل نے اس کی طرف اشارہ کیا جو بلال کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

''یار نائل بھائی کسی سے تو دوستی کر لیں۔''

''باز آئے تم لوگوں کی دوستی سے آج ہمیں اسی دوستی کی وجہ سے تو یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔'' نائل نے نہایت کٹیلے اور طنزیہ انداز میں کہا۔

بلال تو جز بز سا ہو گیا تھا کیونکہ اسکے پاس تو ہر بات کا جواب حاضر ہوتا تھا خود متحیر رہ جاتا تھا کہ اسکا لہجہ ہمیشہ زہر خند رہتا تھا۔

''آپ ہر ایک کے بارے میں تو یہ نہیں کہہ سکتے نا۔'' تم لوگ اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم لوگوں سے دوستی کی جائے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''نائل کیا بدتمیزی ہے۔'' جہاں آراء نے خفگی نگاہ اس پر ڈالی۔
بلال نائل کی کہی گئی غیر متوقع بات پر کچھ جز بز ہو گیا۔
''کبھی تو سیدھے لہجے میں بات کر لیا کرو بچہ آ جاتا ہے تو تم اسکی تذلیل کر دو۔''
''میں اسے کب کہہ رہا ہوں۔'' وہ نہایت اکھڑ انداز میں بول کر جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔
''لیکن کہہ تو اسکے گھر والوں کے متعلق ہی رہے ہو۔'' وہ غصہ سے بولی تھیں۔
''آنٹی آپ ناراض کیوں ہوتی ہیں نائل بھائی کچھ بھی کہیں میں آنا پھر بھی نہیں چھوڑونگا کیونکہ یہاں میری بھابی اور بھتیجا اور چچی جان اور کزن ہیں۔'' بلال نے بڑے جما کر کہا وہ جتا رہا تھا نائل کو جو آنکھوں میں ایک شعلوں کی لپک لئے ہوئے تھا۔
''یہ تمہیں ہی یاد ہے باقی لوگ کیا سو رہے ہیں۔'' اس نے دانت پیسے۔
''سو تو نہیں رہے البتہ شرمندہ ہیں محض چند غلطیوں کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔''
''چند غلطیوں کی وجہ سے ارے تمہارے چچا جان کی غلطیاں گنواؤں تو رات ہو جائے اور ہاں تمہارے بھائی سرمد علی خان جنہیں نہ جانے کس بات کا زعم ہے میری بہن کی زندگی تو خراب کر دی نا۔'' وہ پھنکار رہا تھا چہرے پر ایک تناؤ اور کرختگی واضح تھی بلال اسے بھڑکتی ہوئی خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''اونہہ۔'' وہ ہنکار کر چلا گیا تھا۔
''بلال تم مت آیا کرو وہ بدتمیزی کرتا ہے۔''
''میں برا کب مانتا ہوں بھابی وہ بول کر اپنا غصہ نکالتے ہیں نکالنے دیں۔'' بلال نے طائشہ سے بڑے اطمینان سے کہا۔
''مگر مجھے اچھا نہیں لگتا ہے۔'' وہ شرمندگی کے مارے نگاہ نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ تکلیف و درد کی کیفیت ہمہ وقت طائشہ کے چہرے پر ہویدا رہتی تھی۔
''مجھے تو بھابی اس دن کا انتظار ہے جب بھائی جان آپ دونوں کو لینے آئیں گے۔'' وہ اپنے سابقہ سب ولہجہ میں آ گیا۔
''بلال لگتا ہے اب مجھے بس ایسے ہی زندگی گزارنی ہے۔'' لہجے میں مایوسی نمایاں تھی۔ ایسی باتیں نہ کریں دیکھئے گا انس کو دیکھ کر تو انکا غصہ وصہ کافور ہو جائے گا اس نے انس کے رخسار پر پیار کیا۔
''دیکھا ہی کب ہے انہوں نے۔'' وہ لب کاٹ رہی تھی۔
''آج دیکھ لینگے میں اسے لینے آیا تھا۔''
''انس کو۔'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔
''ہاں میں چھوڑ جاؤں گا۔''
''بلال نائل فساد کھڑا کر دے گا وہ کبھی نہیں جانے دے گا۔'' وہ سراسیمگی سے بولی۔
''وہ کون ہوتا ہے بولنے والا بلال تم لے جاؤ انس کو۔'' جہاں آراء جو بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھیں جھٹ بولیں۔
''امی نہیں وہ نائل غصہ کرے گا۔'' اس نے اب ان سے کہا۔
''میں چند گھنٹوں میں چھوڑ جاؤنگا فارحہ آپی بہت بے چین ہیں دیکھنے کو۔'' اب وہ ملتجی تھا۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''وہ تمہارے بھائی جان کہیں غصہ نہ کریں۔''

''طائشہ وہ اسکا باپ ہے بیٹے کو دیکھ کر خود پگھل جائے گا پتھر سے پتھر انسان کو اولاد کی محبت موم کر لیتی ہے انس سرمد کا خون ہے انکا بیٹا ہے۔'' جہاں آراء نے اسے سمجھایا۔

''مگر امی۔'' وہ انجانے اندیشوں سے خوفزدہ تھی۔

''آپ اطمینان رکھیے تیار کر دیں اسے ایک دو گھنٹے میں چھوڑ دونگا۔'' اس نے ساتھ ہی یقین دلایا وہ کچھ مطمئن سی ہوئی تھی۔

''میں ذرا آمنہ آنٹی اور عمر سے مل لوں۔'' وہ اٹھا۔

''عمر کو پڑھا رہی ہیں۔'' جہاں آراء نے بتایا۔

''اوہو پڑھائیاں ہو رہی ہیں۔'' وہ اندر آیا تو دونوں ہی چونک گئے تھے۔

''تم آئے ہو۔'' آمنہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''زبردستی تیاری کرا رہی تھی۔''

''عمر کو وہاں بھیج دیں سیدھا ہو جائیگا۔'' بلال چیئر گھسیٹ کر بیٹھا۔

''ہاں امی چلا جاؤں۔'' وہ ویسے ہی بے قرار تھا جانے کو باپ کو دیکھا بھی تو نہیں تھا۔

''چپ کر کے پڑھو۔'' انہوں نے عمر کو ڈانٹ دیا وہ منہ بنا کر رہ گیا تھا۔

''وہ کچھ دیر ان لوگوں کے پاس بیٹھا اور نائل کے جاتے ہی وہ انس کو لے کر چلا گیا تھا۔''

• • •

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اتنی آسانی سے تم کیسے لے آئے۔'' فارحہ تو انس کو لئے بیٹھی تھی۔

''جیسے وہ گھر سے نکلے لے آیا۔'' وہ بھی بڑا خوش ہو رہا تھا۔

سب ہی انس کو گھیرے بیٹھے تھے وہ ان سب کے درمیان پہلی بار آیا تھا مگر گھبرا بالکل نہیں رہا تھا امی اور ابو نے پوتے کو خوب لپٹا کر پیار کیا تھا گھر میں پہلا بچہ تھا سب کو ہی دیکھنے کی بے قراری اور بے چینی تھی انس اب بلال کے پہلو سے لگا کھڑا تھا کیونکہ وہ شناسائی ہی اسکی اس سے تھی۔ چچی جان اور چچا جان بھی ان کے درمیان تھے ایک لمحے کو وہ سرمد کو بھی بھلا بیٹھے تھے وہ اچانک دیکھ کر کیا رسپانس دے گا۔

''بلال اسے دے آؤ اب گھبرا رہا ہے بچہ۔'' امی نے سرمد کی وجہ سے کہا تھا۔

''میں بھی چلونگی تمہارے ساتھ بلال۔'' شہرینہ تو ویسے ہی ہر جگہ جانے کو تیار رہتی تھی۔

''ابھی کچھ دیر اور رہنے دو بچے کو۔'' ابو نہیں چاہ رہے تھے وہ جائے کیونکہ پوتے کو دیکھتے وہ پھولے نہیں سما رہے تھے۔

''وہ سرمد کہیں غصہ نہ کرے۔''

''سنیے فاخرہ بیگم یہ اسکی اولاد ہے خون ہے اسکا کیوں غصہ کرے گا۔'' وہ خاصے برہم ہوئے۔

''شروع سے وہ بے وقوفیاں خیال کرتا آ رہا ہے فضول سی بات پر بیوی کو میکے چھوڑا ہوا ہے بیٹے کی محبت بھی اسے نہیں پگھلا رہی۔'' وہ گہرے دکھ اور رنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔

''بھائی صاحب اس نے دیکھا ہی کب ہے۔'' چچی جان بولیں۔

''یہی تو چاہتا ہوں دیکھ لے شائد ہماری بہو کی سزا میں ترمیم کر دے۔'' انکی تو یہی پوری کوشش تھی کہ سرمد کسی

طرح اپنی پچھلی غلطیوں پر نادم ہو جو انہوں نے ان سے تو بات تک کرنی کم کر دی تھی۔

''وہ غصہ کریگا کہ بلال وہاں جاتا ہے۔''

''کہہ دینا میری اجازت سے جاتا ہے وہ کون ہوتا ہے غصہ کرنے والا۔'' ایک دم یہ مشتعل بھی ہو گئے تھے سب ہی لب بھینچ کر رہ گئے تھے۔ انس ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

''امی بھائی جان۔'' فارحہ نے گھبرا کر فاخرہ بیگم کو دیکھا سب یہ سنبھل گئے تھے۔ وہ سیدھے وہیں آ رہے تھے انداز خاصا تھکا ہوا تھا انہوں نے سب کو مستعجب ہو کر دیکھا ایک دم پھر نگاہ بلال کے پہلو میں بیٹھے ننھے سے بچے پر پڑی جو مگن سا کھیل رہا تھا۔

''آ گئے تم بیٹا۔'' امی کھڑی ہو گئی تھیں۔

''آپ کو ڈر نیکی ضرورت نہیں ہے یہ میرا پوتا ہے میری مرضی سے یہاں آیا ہے۔'' وہ خاصے رعب کے ساتھ جتا رہے تھے سرمد کو وہ ایک لمحے کو چونک گئے۔

''پوتا۔'' زیر لب بولے دل میں ایک دم کچھ ہوا کہ یہ انکا ہی تو خون ہے وہ ساکت ہو گئے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کریں ابھی کچھ دیر پہلے جو تھکن تھی وہ بھی شائد اتر گئی تھی۔

''جاؤ بلال اس کو دے آؤ طائشہ انتظار کر رہی ہو گی۔'' ابو کی آواز پھر انکی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ہوش میں آئے مگر خود کو تماشہ نہیں بنانا چاہ رہے تھے جلدی سے آگے بڑھ گئے تھے۔

کمرے میں آتے ہی ٹائی گلے سے نکال کر پھینکی تھی انہوں نے بس بیٹے کا ذکر سنا تھا مگر آج وہ ان کے سامنے تھا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا پسینہ میں شرابور تھے اٹھے جوتے اتارے اور باتھ روم میں گھس گئے باتھ لے کر بھی اندر کی آگ نہیں بجھ رہی تھی دل کہہ رہا تھا کہ اسے گلے سے لگا مگر ایک جھجک تھی اتنے عرصے اس کی خبر نہ لی اور آج اچانک سامنے تھا وہ آگے بڑھ کر نہ اٹھا سکے اپنی گود میں پورا حق رکھتے ہیں سخت کشیدگی اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو رہے تھے کہ اتنے میں امی اس کو گود میں اٹھائے آ گئی تھیں۔

''وہ سرمد اپنے بیٹے سے تو ناراض نہیں ہو اس معصوم کا کیا قصور ہے۔'' وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھیں ان کے قریب انس کو بیٹھا دیا وہ چپ تھے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا ذہن تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ وہ صرف بیٹے کی وجہ سے ہاریں گے وہ اس لڑکی کے سامنے ہار جائیں گے جھک جائیں نہیں نہیں جسے دل سے قبول ہی نہیں کیا تو یہ سب کیوں۔ اندر توڑ پھوڑ مچی ہوئی تھی۔

''اسے سزا نہ دو سرمد یہ تمہارا اپنا بیٹا ہے۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولیں۔

''تمہاری طائشہ سے لڑائی ہے تمہاری ناپسندیدہ لڑکی ہے تمہاری راہ میں رکاوٹ تھی اسے تو تم چھوڑ آئے مگر سرمد تمہیں اب اسکے متعلق سوچنا ہے کیونکہ بچے کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔ اگر ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے ننھیال میں پرورش پائے۔'' وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبے سرمد کو آہستگی سے سمجھا رہی تھیں۔

''میرے بیٹے معاف کر دے طائشہ کو وہ تیری راہ میں رکاوٹ کب بنی ہے ایک لفظ زبان سے نہیں بولی تھی جب تم اسے چھوڑ آئے جبکہ وہ دوسری حالت میں تھی۔''

''سرمد ان کی ایک ایک بات پر غور کر رہے تھے ہر دم انہوں نے تو طائشہ کی تضحیک ہی کی تھی مگر وہ پھر ہٹ دھرمی پر اتر آئے تھے اسے تو کبھی نہیں لائیں گے۔''

انس نے اب رونا شروع کر دیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''میں چھوڑ کر جا رہی ہوں اسے بلال پھر چھوڑ آئے گا۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

انس نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا تھا وہ تو گھبرا ہی گئے تھے انہوں نے اب جھٹ اسے اٹھایا اور دیوانہ وار پیار کیا وہ سسکا کر رہ گیا تھا مگر رونا نہیں بھولا تھا۔

چند ایک کھلونے تھے جو اسکی پیدائش کے بعد ہی لائے تھے مگر لا کر انہوں نے اپنی وارڈ روب میں رکھ دیئے تھے انس کھلونے دیکھ کر چپ ہو گیا تھا وہ اس کی معصوم سی صورت دیکھے جا رہے تھے اسکے ہاتھوں کو چوم لیا تھا دل میں ایک سکون اتر آیا تھا۔

''بھائی جان میں اسے چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' بلال ڈرتے ڈرتے اندر آیا تھا۔ فون کر کے کہہ دو کہ آج یہیں رہے گا۔ وہ انس کے ساتھ مگن تھے۔

''وہ تو پہلے انہیں دیکھ کر حیران تھا کہ انس کے ساتھ کھیل میں لگے ہوئے تھے اس نے تو سوچا تھا کہ ان کا منفی رد عمل ہو گا مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔''

''بھابھی کا فون تھا بلا رہی ہیں اسے۔'' اب وہ ذرا منمنا کر بولا۔

''کہہ دو جا کر اپنی بھابی سے کہ بیٹا میرا صحیح جگہ پر آ گیا ہے وہ آرام سے رہ سکتی ہے افلاطون بھائی کے گھر۔'' ان کے لہجے میں طنز کے ساتھ ایک کاٹ بھی تھی۔

''پلیز بھائی جان بھابی پر یہ ظلم نہ کریں کیوں اذیت دے رہے ہیں۔''

''میں نے تم سے جو کہا ہے وہ کہو جا کر اب بالکل مت آنا ادھر۔'' وہ غضبناک انداز میں دھاڑے تو بلال اتنا سا منہ لے کر رہ گیا تھا کیونکہ طائشہ نے چلتے وقت بہت تاکید کی تھی کہ اسے چھوڑ ضرور جائے وہ رات سرمد نے انس کو اپنے پاس ہی رکھا تھا اور اس نے بھی انہیں بالکل تنگ نہ کیا شائد یہ باپ کی ہی محبت تھی کہ وہ جلدی ان سے مانوس ہو گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

● ● ●

''سنو آخر تم لوگوں کی تیاری کب تک پوری ہو جائے گی۔'' یاسر خاصا اکتاہٹ اور جھنجلاہٹ زدہ ان سب کو کڑی تیوروں سے گھور رہا تھا۔

''آج کی ڈیٹ میں تو ہو ہی جائیں گی۔'' شرینہ نے اپنا ستائشی جائزہ آئینہ میں لیا۔

''شہرینہ باجی آپ کو اتنے میک اپ کی ضرورت کیا ہے ویسے ہی کافی بلوشن ہے آپ کے رخسار پر۔'' بلال نے شرارت سے کہتے ہوئے اسکا جائزہ لیا تھا۔

''بکو مت۔'' اس نے تھپیپ کر اسکے سر پر برش مارا۔

''سنو بھئی ایک خبر تو سن لو۔'' یاسر کو ایک دم یاد آیا۔

''نائل حسن تشریف لائے ہوئے ہیں۔''

''واٹ!'' پھر آ گیا یہ شخص سچ آئی کل ہیم۔'' وہ تو بھوکی شیرنی بن گئی تھی۔

''شہرینہ بی بی وہ بہت خطرناک آدمی ہے بڑوں بڑوں کو لاجواب کر دیتا ہے تم کس کھیت کی مولی ہو۔'' یاسر نے اسکا راستہ روکا جو بری طرح تن تنائی ہوئی تھی۔

''بس بھئی آج اسے چھوڑونگی نہیں۔'' وہ اسے دھلا دیتی تیزی تیزی سے بھاگی تھی فارحہ کو تو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''شہرینہ.....!شہرینہ.....!'' وہ اسکے پیچھے لپکی تھی مگر وہ تو غڑاپ سے گھس چکی تھی۔ سجی سنوری شہرینہ نے اندر ڈرائنگ روم میں قدم رکھا جہاں وہ پاپا کے ساتھ بحث میں الجھا ہوا تھا نائل نے ایک بھرپور نگاہ خوبصورت وکامنی سی

شہرینہ کو دیکھا بالکل اپسرا ہی لگ رہی تھی۔

''اب کیا مسئلہ ہو گیا آپ کے ساتھ۔'' وہ آنکھیں نکالی کھڑی تھی جبکہ پاپا اور نائل تو دونوں ہی انکے اچانک حملہ کرنے پر گھبرا گئے تھے۔

''پاپا آپ اس شخص کی دھمکیاں سنتے رہئے گا ایڈیٹ۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔'' وہ تو ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

''یو شٹ اپ گیٹ آؤٹ۔'' وہ بڑے جارحانہ انداز میں اسکی طرف بڑھی تھی نفرت غصہ حقارت شعلے سب ہی کچھ تو اسکی آنکھوں سے عیاں تھا۔

''شہرینہ کیا بدتمیزی ہے۔'' پاپا نے اسکا بازو پکڑا جبکہ نائل تو دانت پیس رہا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچا ہی چبا جائے کیونکہ یہی تو رکاوٹ تھی اسکی پھوپھو کی زندگی میں مگر وہ ابرار احمد کسی طور نہیں مان رہے تھے۔

''خبردار جواب تم یہاں آئے آخر تم سمجھتے کیا ہو خود کو۔''

''شٹ اپ۔'' پوری طاقت سے وہ چیخا تھا ایک چھٹانک بھر کی لڑکی اس سے دو بدو منہ ماری کرے وہ کہاں برداشت کرتا تھا اور پھر تھی بھی کون جسے وہ پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

ابرار احمد نے شہرینہ کے رخسار پر طمانچہ جڑ دیا وہ جھنجھنا اٹھی تھی جسم و دل میں ایک طوفان برپا ہو گیا تھا آواز گنگ ہو گئی تھی پاپا نے تو آج تک اسے پھولوں کی چھڑی تک نہ ماری تھی اور آج محض اس شخص کی وجہ سے طمانچہ پڑا وہ تو اب خونخوار بن گئی اور نائل پر جھپٹ پڑی تھی۔

ابرار احمد نے اسے بڑی مشکل سے چھڑایا تھا اور پھر وہ روتی سسکتی باہر بھاگ لی تھی۔

''سوری نائل بیٹا۔'' وہ بری طرح شرمندہ ہو رہے تھے۔

''مگر اسکے تو آگ لگی ہوئی تھی ایک لڑکی اس کی تضحیک کر گئی اس سے الجھ پڑی۔'' وہ ہنکار کر رہ گیا تھا۔

''نائل وہ بس پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا تھا۔''

''اتنے میں دوبارہ شہرینہ آندھی طوفان کی طرح اندر آئی اور نائل پر پھر ابل پڑی تھی۔''

''آئی کل ہیم۔''

''شہرینہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔'' پیچھے سے یاسر آ گیا۔

''میں مار دونگی اسے کیوں آتا ہے یہ شخص'' اسکا سجا سنورا روپ رونے سے سرخ ہو رہا تھا۔ نائل تو تھوڑا گھبرا بھی گیا تھا وہ بس اس بھوکی شیرنی کو دیکھ کر حیران تھا۔

''سنو یہ ہی کبھی نہیں ہوگا جو تم چاہ رہے ہو نہیں آنے دونگی تمہاری پھوپھو کو میں۔''

''میں بھی دیکھتا ہوں کیسے نہیں آنے دوگی تم۔'' اس کے لہجے میں بھی ایک ضد اور سختی تھی۔

''یاسر لے جاؤ اسے یہاں سے ورنہ کہیں میں ضبط نہ کھو دوں'' ابرار احمد خود ذہنی طور پر پریشان ہو گئے تھے۔

''نہیں آئیں گی پاپا میرے ہیں بس کسی اور کا شیئر برداشت نہیں کرونگی۔'' یاسر اسے زبردستی بازو سے گھسیٹتا لے گیا تھا۔

''نائل بیٹا تم اسکی باتوں کی پرواہ مت کرنا۔''

''سوری انکل آپکی ایسی خودسر اور بدتمیز بیٹی ہے پہلے آپ اسے چلتا کریں یہاں سے۔'' وہ بھی اکھڑا اور سرد مہری سے گویا ہوا۔

''وہ میری بیٹی ہے اسے کہاں چلتا کروں'' اب تو وہ اور سٹپٹا گئے تھے۔

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

''اگر یہ یہاں ہوگی تو پھوپھو کو سکون سے نہیں رہنے دے گی۔''

''ایسا بالکل کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ یقین دلانے لگے۔

''اگر آپ پھوپھو کو لانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی بیٹی کا بندوبست کریں۔'' وہ پشت پھیر کر کھڑا تھا میں تو بیٹا ساری دوری اور غلط فہمیاں دھو کر دوبارہ رشتہ استوار کرنا چاہتا ہوں تم پلیز آمنہ کو آنے دو۔''

''سوری انکل مجھے اب آپ پر بالکل بھی بھروسہ نہیں ہے۔'' وہ انتہائی بے نیازی اور سرد مہری سے ہٹا سیدھا باہر نکل گیا تھا سب نے ہی اسے جاتے دیکھا تھا کسی سے بھی وہ بات ہی نہیں کرتا تھا۔

ادھر شہرینہ کا موڈ ہی خراب رہا کسی سے بات ہی نہیں کر رہی تھی ابرار احمد کو احساس تھا کہ وہ ان سے ناراض ہے ان کی کائنات ہی تو اب انکے بچے تھے۔ اتنے سال دیار غیر میں رہ کر آئے تھے انہوں نے اپنی پسند سے فارنر لڑکی سے شادی تو کر لی تھی مگر وہ انہیں ذہنی اور دلی آسودگی نہ دے پائی تھی یا پھر آمنہ کا بدلہ قدرت نے ان سے لیا تھا۔ جولیا نے تین سال بعد شہرینہ کو جنم دیا اور پھر انہیں چھوڑ کر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی گئی انکی زندگی میں دوبارہ خلاء آ گیا تھا۔ پر کرنے کیلئے واپس شہرینہ کو لے کر بیس بائیس سال بعد آئے تھے۔ سوچا کہ آمنہ کو اپنا لیں مگر شہرینہ کسی طور راضی نہیں ہو رہی تھی۔

''شہرینہ جاگ رہی ہو نا۔'' ابرار احمد نے اسے لیٹے دیکھا کیونکہ وہ تین دن سے ان کے سامنے ہی نہیں آ رہی تھی۔

''بیٹا ناراض ہو نا'' وہ اسکی ناراضگی بھی تو مول نہیں لینا چاہتے تھے۔

''شہرینہ واقعی جاگ رہی تھی دوپہر کو بھی کھانے پر نہیں آئی تھی ان سے رہا نہ گیا تو اپنی روٹھی ہوئی بیٹی کو منانے چلے آئے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''اٹھو چلو بات سنو میری'' انہوں نے نرم لہجے میں پیار سمو کر کہا۔

''پلیز پاپا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' انتہائی رکھائی سے بولی۔

''مجھے پتہ ہے طبیعت وغیرہ ٹھیک ہے اٹھو چلو۔''

شہرینہ اب اٹھتے ہی بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی چہرے پر انتہائی بے زاری اور اکتاہٹ نمایاں تھی۔

''تم نے اس دن واقعی نائل کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔''

''پاپا مجھے وہ شخص نہایت برا لگتا ہے۔'' وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''بعض چیزیں اور باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہمیں نہ چاہتے ہوئے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔''

''مجھے اسکا یہاں پر آنا برداشت نہیں ہے اور وہ جو چاہتا ہے میں کبھی ہونے نہیں دونگی آپ صرف میرے ہیں۔''

اس نے ابرار احمد کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں وہ ایک لمحہ کو چپ سے ہو گئے کہ وہ تو کسی طرح بھی آمنہ اور عمر کو قبول ہی نہیں کرے گی مگر وہ سب باتوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے مگر انکی بیٹی انہیں روکے ہوئے تھی۔

''اگر آپکی سیکنڈ وائف یہاں آئی تو میں واپس جرمنی چلی جاؤں گی'' ساتھ ہی وارننگ بھی دی۔ نہ وہ یہاں آ رہی ہے اور نہ تم جاؤ گی چلو اٹھو سب بچے باہر بلا رہے ہیں شائد آؤٹنگ پر جا رہے ہیں سب نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہیں بلا کر لاؤں'' انہوں نے شہرینہ کا موڈ دیکھا جواب قدرے ریلیکس تھا۔

''آتی ہوں ابھی۔'' وہ ان لوگوں کو بھی مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''گڈ گرل''۔ وہ اسکے رخسار پر ہلکی سی تھپکی دے کر چلے گئے تھے۔

''اس نے اٹھ کر اپنے پرینگ ذدہ بالوں کو سمیٹا کپڑے چینج کیے اور پھر باہر آ گئی تھی۔ ''واقعی تم ہی ہو نا۔'' یاسر

نے آنکھوں کو کھول بند کر کے حیرانگی ظاہر کی۔

''بورڈ لگا لوں اپنے چہرے پر'' وہ جھینپ گئی۔

''تو لفٹ کا تو پہلے ہی لگا ہوا ہے'' فارحہ نے بھی اب اسے چھیڑا۔

''اگر تم لوگوں نے واقعی چلنا ہے تو آئی ایم ریڈی۔''

''اوہو بھئی انگلش بول کر ہمیں یاد دلاتی ہیں محترمہ کہ واقعی میں باہر سے آئی ہوں۔ یاسر نے پھر شرارت سے کہا۔

''دیکھنے میں ویسے ہی نہیں بولتی ہوں اگر ایک دو الفاظ نکل جاتے ہیں تو سوری'' اس نے شانے اچکائے۔

''پھر انگلش۔'' بلال نے بھی مسکراہٹ کیساتھ کہا۔

''بھئی کیا تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' واقعی وہ زچ ہو گئی۔

''مجھے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ تم جرمنی سے آئی ہوئی ہو جبکہ پیدائش بھی تمہاری وہیں کی ہے۔'' فارحہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''اردو اچھی بول لیتی ہوں نا تو یہ پاپا کی محنت ہے کہ میں یہ زبان بھی جانتی ہوں۔'' اس نے شان تفخر سے کہا تھا۔

''دیکھنا کونسی زبان ہے۔'' یاسر نے پھر کہا۔

''کیا ہے تم لوگوں نے اگر چلنا ہے تو چلو ورنہ پھر میں جا رہی ہوں۔''

''خبردار جو تم گئی تو پہلے ہی سب کو پریشان کیا ہوا ہے چلو آؤ۔'' فارحہ نے اسکا بازو پکڑ لیا تھا پھر یہ قافلہ ہنستا مسکراتا بزرگوں سے اجازت لے کر نکل گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''وہ سب خوبصورت سے آئس کریم پارلر میں بیٹھے اور ساتھ ہی خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے۔

''ویسے میں صرف تمہیں لانا چاہ رہا تھا۔'' یاسر نے سرگوشی میں فارحہ سے کہا۔

''کچھ تو خیال کر لیں'' وہ دبی دبی آواز میں بولی۔

''یار یہ بزرگوں نے ہم پر بہت ظلم کیا ہے کہ نکاح کروا کر لٹکایا ہوا ہے۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولا پھر اسکے کپ سے آئس کریم کھا رہا تھا۔

''آپ بہت اوور ہو جاتے ہیں کچھ تو ان لوگوں کا خیال کر لیں۔

''اسکی آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔''

شہرینہ کی شوخ سی نگاہیں اب ان دونوں پر تھیں فارحہ اسے دیکھتا پا کر جھینپ گئی تھی۔

''تم تنہا بھی تو نہیں ملتی ہو''۔ وہ اپنی کہے جا رہا تھا اسے اطراف کا بھی خیال نہ تھا۔

''یاسر بھائی آئس کریم پگھل رہی ہے۔'' شہرینہ نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ خجل ہو گیا۔

''ہاں واقعی پگھل رہی ہے کیونکہ یہاں کا موسم ٹھیک نہیں ہے نا۔'' فارحہ نے یاسر کے بازو پر چٹکی لی۔

''یار کتنی زور سے چٹکی لی ہے۔'' وہ توسی کر کے رہ گیا تھا۔

وہ سب لوگ اٹھ گئے تھے صدف اور فارحہ تو یاسر کے ساتھ گاڑی میں آئے تھے جبکہ شہرینہ بلال کے ساتھ موٹر بائیک پر آئی تھی۔ وہ لوگ تو گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے جبکہ بلال کا پروگرام تھا کہ طائشہ بھابی کے پاس چکر لگائے کافی دنوں سے انس کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

''بلال اگر نائل حسن ہوا تو۔'' وہ دونوں اب گھر کے باہر کھڑے تھے۔

''ہونے دیں آپ نے بس تحمل سے رہنا ہے۔''

''اگر اس نے بدتمیزی کی نا واقعی میں اسکا مرڈر کر دوں گی۔'' اس نے غصہ سے تھیاں بھینچ لی تھیں۔

''یار کیا کہہ رہی ہیں آیئے چلیئے'' وہ اسکا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا دروازہ کھلا ہی مل گیا تھا۔

''نائل بھی موجود تھا عموماً وہ آٹھ بجے تک آفس سے آجاتا تھا اسی لئے وہ موجود ہوتا تھا اب تو شہرینہ نے کڑوا سا منہ بنالیا۔

''ہیلو ایوری باڈی'' بلال نے شوخی سے بول کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''پھر آگئے تم'' نائل نے جو نگاہ اٹھائی تو پلٹنا ہی بھول گئی تھیں کیونکہ بلال کے ساتھ وہ نازک اندام لڑکی بھی تو موجود تھی جھٹ سر کو جھٹک بھی دیا۔

''ارے آپ ہیں موجود'' بلال اب اسکی طرف ہی آگیا جبکہ نائل شہرینہ کے خوبصورت پیکر کو دیکھ رہا تھا۔

''آؤ بیٹھو۔۔۔ادھر آ کر'' آمنہ نے دونوں کو ہی لاؤنج میں بلالیا تھا وہ گھبراتی جھجکتی ہوئی بلال کے برابر میں بیٹھ گئی تھی اٹھتی گرتی گہری پلکوں کی جھالر اسکی دودھیا رنگت پر الگ چھب دے رہی تھیں۔

''تمہیں چین نہیں ہے جو ہر دوسرے دن آجاتے ہو''

''نائل بھائی جھوٹ تو نہ بولیں پورے دس دن بعد آیا ہوں جبکہ آپ تو دو دن پہلے آئے تھے۔'' وہ بھی حساب برابر کرنے میں ماہر تھا۔

''میں تو آتا رہوں گا۔'' دھونس سے کہا۔

''آمنہ اور طائشہ اسے خفگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں جس پر تیز اور گھورتی نگاہوں کا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔

''میں بھی آتا رہوں گا اصل میں میرے رشتے دار رہتے ہیں'' اب اس نے نائل کو لاجواب کیا۔ چلو تمہارا تو سمجھ آتا ہے یہ محترمہ کس سے ملنے آتی ہیں۔'' نائل نے کاٹ دار اور سلگتی نگاہ شہرینہ پر ڈالی پرسوں تو حد کر دی تھی اس نے وہ بھی رکھ کر ایک جھانپڑ لگا سکتا تھا مگر برداشت کر گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بلال اٹھو'' اسکے تو آگ لگ گئی تھی۔

''آئی کیوں تھیں۔''

''شہرینہ ابرار'' بلال نے مسکرا کر تعارف کرایا۔

''یہ واقعی'' وہ خوش ہو کر گویا ہوا۔

''شہرینہ آپی یہ عمر ابرار احمد ہے آپ کا بھائی۔''

''دونوں ہی چونکے تھے''

''یعنی کہ اسٹپ سسٹر۔'' عمر بولا۔

''ہاؤ آر یو سویٹ سسٹر۔'' وہ تو فوراً خوشی میں دوستی کرنے کھڑا ہو گیا۔

''کیوں عمر دوستی کرتے ہو لوگ برداشت نہیں کرینگے کیونکہ پورا قبضہ جمایا ہوا ہے انکل پر۔'' نائل نے قدرے توقف کے بعد طنزیہ مسکراہٹ پھینکی۔

''حالانکہ عمران کی نظر میں تو تمہاری اہمیت زیادہ ہے بلکہ ان محترمہ کا تو فیملی بیک گراؤنڈ فرنگیوں سے تعلق رکھتا ہے۔''

''شہرینہ ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت کئے بیٹھی تھی حالانکہ اندر تو طوفان آیا ہوا تھا۔

''نائل تم باز نہیں آؤ گے۔'' طائشہ ہنس کو لے کر آگئی تھی۔

''آپی مجھے عمر کو تو بتانے دیں تاکہ اپنا حق لے سکے کیونکہ انکل پر حق ان کا نہیں بلکہ عمر کا بھی ہے۔'' وہ دانت پیس

شہرینہ سے مزید نائل کی بکواس برداشت نہ ہوئی تو وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی سب ہی نے حیرانگی سے اسے غصے میں بھرے جاتے دیکھا تھا طائشہ اور جہاں آراء کی غصیلی نگاہیں نائل پر تھیں۔ مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا وہ بھی اپنے کمرے میں گھس گیا تھا بلال بھی خاصا بدمزا ہو کر گیا تھا اس رات کسی نے بھی نائل سے بات نہ کی تھی۔

● ● ●

دوسرے دن وہ آفس سے آیا تو لاؤنج میں ہی آ کر بیٹھ گیا تھا بغیر ناشتہ کیے ہی نکل گیا تھا۔ طائشہ انس کو گود میں لئے بیٹھی تھی مگر چہرے پر فکرمندی اور پریشانی کی جھلک تھی مسلسل انس کو دیکھے جا رہی تھی نائل سے برداشت نہ ہوا تھا۔

''آپی خیریت تو ہے۔''

''ہوں۔۔ہاں'' طائشہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

''کیا ہوا اتنی پریشان کیوں ہیں۔'' اس نے گود میں لیے انس کے سر پر ہاتھ پھیرا جو اسے دیکھ رہا تھا۔

''اوہ اسے تو بخار ہو رہا ہے۔''

''تمہیں اس سے کیا ہٹو یہاں سے مت بات کرو مجھ سے۔'' وہ تو بپھر ہی گئی تھی۔

''آپی.....آپی سوری مجھے معاف کر دیں۔'' اس نے طائشہ کو اپنے شانے سے لگایا۔

''تم پر بوجھ ہوں میرا اور میرے بچہ کا بوجھ اٹھانا پڑ رہا ہے نا۔''

''اف آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔'' اسے طائشہ کے ایسے ردعمل کی توقع نہ تھی۔

''تم اس لئے کرتے ہو نا کہ میں سسرال چلی جاؤں۔ وہ رونے لگی تھی۔

''کس بھائی کی خواہش نہیں ہوگی کہ اس کی بہن سسرال میں خوش رہے'' وہ بھی پریشان ہو گیا میری قسمت میں خوشیاں نہیں ہیں میرے بھائی تم نہیں کیا کرو ایسی باتیں وہ سب تمہیں برا کہیں گے۔''

''آپی میں تو برا ہوں آپ تو نہیں ہیں آپ کا کیا قصور اور اس ننھی سی جان کا کیا قصور ہے جو سرمد بھائی پر اب بھی کچھ اثر نہیں ہو رہا ہے۔'' وہ بھی روہانسا ہو گیا۔

''یہ تو ان کا خون ہے اس کے طفیل ہی آپ کو لے جائیں۔''

''ان کا دل پتھر ہے سخت ہے انکے دل میں بیٹے کی محبت بھی نہیں جاگے گی۔'' حسرت و یاس کا عرصہ کافی ہوتا ہے بہت میں نے اذیتیں اٹھائیں ہیں۔ میرے بھائی میں تھک گئی ہوں۔'' وہ اسکے شانے سے لگ گئی نائل نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ مجھ پر کبھی بوجھ نہیں ہوں گی آپ کا بھائی موجود ہے اسکا ماموں موجود ہے کبھی آپ کو بوجھ نہیں سمجھے گا۔'' اس نے یقین دلایا۔

''اور ہاں اگر اب بلال اسے لینے آئے تو آپ قطعی نہیں بھیجیں گی۔''

''پھر وہی تمہاری ضد اس کے دادا دادی کو تو اسکی محبت آتی ہے نہ'' وہ جھٹ بولی۔

''ان کی محبت کی آپ کو ضرورت نہیں ہے سب سے بڑھ کر آپ کو سرمد بھائی کی ضرورت ہے۔''

''نائل ایسی باتیں مت کیا کرو۔'' وہ اس کو اب لیٹانے لگی۔ ''دیکھئے گا میں سرمد علی خان کو بیٹے کی محبت سے ترسا رونگا پتا لگے گا انہیں کس سے ٹکر لی تھی۔'' اسکی ازلی ہٹ دھرمی عود کر آئی تھی۔

طائشہ نے سہم کے نائل کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا جہاں ناگواری اور غصہ تھا اسے بھی غصہ آتا تھا تو مقابل

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نہیں دیکھا تھا کہ کون کو بود ہے۔

''اب رہی سہی کسر تم پوری کر دینا اچھا۔'' وہ غصے میں آ گئی۔

''آپ کو بس میں نے کہہ دیا ہے کہ انس کو وہاں نہیں بھیجیں گی پہلے میں پھوپھو کے مسئلے کو ہینڈل کر لوں اور یہ شہرینہ کا بھی سوچتا ہوں۔'' وہ گہری سوچ کے ساتھ تھا کیونکہ اسکے ذہن نے تو ایک آئیڈیا تخلیق کر لیا تھا مگر وہ ابھی کسی سے بھی کہنا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ دونوں کوئی فالتو چیز نہیں ہیں قول و اقرار کروا کر ہی بھجواؤں گا اور ان کی ایک لگام اپنے ہاتھ میں رکھونگا تا کہ آئندہ سرمد علی خان تو آپ سے کچھ نہ کہہ سکے۔'' وہ جما جما کر بول رہا تھا۔

''نائل مت کرو ایسی باتیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' طائشہ نے اسکا ہاتھ پکڑا۔

''آپ اٹھیں اسے ڈاکٹر کے لے کر چلیں کب سے بخار ہو رہا ہے۔'' اب اس نے جھٹ بات ہی بدلی۔

''روزانہ شام سے چڑھ رہا ہے تیز ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی تھیں۔'' وہ بولی۔

''آپ نے رات ہی مجھے کیوں نہیں بتایا'' اب اس نے نڈھال سے انس کو گود میں اٹھایا۔''

''نائل پھر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا اس نے دوائیاں لکھ دی تھیں طائشہ کافی فکر مند تھی کیونکہ وہی تو ایک سرمد کی نشانی اسکے پاس تھی اسکی بدولت ہی کبھی تو سرمد لوٹ کر آئیں گے بس ایک اسی آس پر وہ زندگی گزار رہی تھی۔

● ● ●

''آخر پریشانی کیا ہے مجھے بتاؤ''

''بس پاپا میرا دل نہیں لگ رہا ہے'' وہ بولی تو تائی امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بیٹی ہماری محبتوں میں کمی پائی ہے تم نے کیا''

''نہیں تائی امی ایسی بات نہیں ہے بس میرا دل ڈر رہا ہے۔'' شہرینہ کو اس دن کی نائل کی باتیں ڈرانے کا پیش خیمہ بنی ہوئی تھیں۔

''کیسا ڈر.....'' اب تائی امی نے اسے گلے سے لگایا۔

''کہیں نائل حسن پاپا کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔''

''ارے پگلی ایسا نہیں کر سکتا وہ بس ذرا غصے کا تیز ہے مگر لڑکا بہت اچھا ہے۔'' وہ نائل کی حمایت میں بولیں۔

''وہ بدتمیز شخص ہے بس مجھے نہیں پسند۔''

''شہرینہ.....'' پاپا تیز لہجہ میں بولے۔

''پاپا وہ میں تو''

''چپ رہو تم اچھا نائل کی لڑائی مجھ سے ہے تم بیچ میں مت پڑو اور اپنے ذہن پر بوجھ بھی مت ڈالو۔''

''مگر پاپا وہ شخص بدتمیزی پر بدتمیزی کرتا جائے اور آپ کچھ نہ کہیں۔''

''میں اس لئے کچھ نہیں کہتا کہ غلطی میری تھی۔'' وہ کچھ نادم سے بولے۔

''ابرار اب تم آمنہ کو لے آؤ۔'' شہرینہ نے جھٹ تائی امی کو دیکھا یہی تو وہ نہیں چاہتی تھی کہ آمنہ ادھر آئیں پھر تو اسکی کوئی اہمیت ہی نہ رہے گی۔

''اگر وہ یہاں آئیں گی تو مجھے جرمنی واپس بھیج دیں۔'' وہ منہ پھیر کر بولی۔

◆ ◆ ◆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''دماغ تو درست ہے تمہارا وہاں تم کہاں رہو گی؟''
''بہت فرینڈز ہیں ممی کے ممی کے پاپا ہیں'' وہ تو چڑ گئی۔
''تمہیں پتہ ہے تمہاری ممی کے پیرنٹس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''
''آپ کا نہیں ہے میرا تو ہے کیا ہوا وہ لوگ فارنر ہیں ہوں تو میں بھی ان کی بیٹی۔'' وہ ابرار احمد سے ضد کر رہی تھی۔
''شہرینہ بچی کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' تائی نے گھبرا کر اسکا ہاتھ تھاما۔
''پلیز تائی امی مجھ میں برداشت نہیں ہے میں آمنہ کو برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ چیخ اٹھی دیکھا آپ نے بھابھی میں محض آمنہ کو اسکی وجہ سے نہیں لا رہا تھا۔'' شہرینہ دوڑتی ہوئی چلی گئی تھی غصہ اس کا آسمان کو چھو رہا تھا۔
''تم بس یہی سوچتے رہنا اسے کونسا یہیں رہنا ہے بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں جلدی اس کی شادی کرنی پڑے گی۔'' وہ بولیں۔
''وہ تو مجھ سے بدگمان ہو جائے گی۔''
''تم ابرار آمنہ کا بھی سوچو تمہارا ایک بیٹا ہے اسکے مستقبل کی فکر کرو سب ٹھیک ہو جائے گا دیکھنا آمنہ اسے ماں کی محبت دے گی نا تو خود ٹھیک ہو جائے گی۔'' ان کے لہجے میں وثوق و یقین تھا۔
''اگر وہ سب نہ ہوا۔'' وہ کچھ فکر مند تھے۔
''آمنہ ایسی نہیں ہے تم اسے لے آؤ۔''
''مگر وہ نائل بھی تو نہیں آنے دے رہا ہے۔'' انہیں نائل کا بھی خطرہ تھا۔
''عجیب باؤلا لڑکا ہے اتنا غصہ کرتا ہے میں تو چاہ رہی ہوں طائشہ بھی آجائے مگر سرمد سے کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے۔'' وہ کچھ افسردگی سے گویا ہوئیں۔
''آمنہ آئے گی تو کچھ سبب بن سکتا ہے طائشہ کے آنے میں۔'' ابرار احمد کو بھی ایک تھوڑی سی آس تھی۔

• • •

''شہرینہ کا موڈ خراب رہنے لگا اسے آمنہ بیگم سے چڑ سی ہونے لگی تھی جو اس کی محبت کی حصہ دارنی ہوئی تھیں وہ ٹیرس پر کھڑی لان میں دیکھ رہی تھی ذہن مضطرب تھا، دانت پیس رہی تھی۔
''طائشہ بھابھی چل رہی ہیں۔'' بلال نے آکر کہا تو وہ خیالات سے چونک گئی مگر وہ اسکی طرف متوجہ نہ ہوئی۔
''یار شہرینہ بجو آپ کے موڈ کو ہو کیا گیا ہے۔''
''بلال پلیز می آلون۔'' وہ بے زاری سے بولی۔
''میں آپ کو گھمانے پھرانے لے جانے کیلئے آیا ہوں کچھ موڈ فریش ہوگا۔''
''نہیں کرنا مجھے فریش۔'' ترش لہجے میں بولی۔
''بھابھی کے چلتے ہیں ان کو بھی لے کر آؤں گا واپسی میں آپ کے پسند کا فلیور بھی کھلاؤنگا۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''بلال تم چلے جاؤ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ اب بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔
''آخر بات کیا ہوئی ہے۔'' وہ بھی تشویش میں تھا۔
''کوئی بات نہیں ہوئی ہے میں ہی کانٹا ہوں میں ہی چلی جاؤں گی۔'' آنکھوں کی نمی در آئی۔
''ہیں..... ہیں یہ کس نے کہا۔''
''سنو بلال یہ جو گھر میں ہو رہا ہے نا وہ میں ہونے نہیں دوں گی میری شخصیت کو مجروح کیا جائے یا مجھے اگنور۔''
''کس نے کر دیا آپ کو اگنور۔'' وہ تو حیران تھا۔
''پوچھو جا کر تم اپنی امی سے میں سب کو بری لگنے لگی ہوں۔''
''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' وہ کھسیا گیا۔
''اس وقت تم چلے جاؤ میں تمہیں سمجھا بھی نہیں رہی یو کین گو۔'' وہ آنکھوں میں غصہ لئے کہہ رہی تھی بلال کچھ نہ بولا اور اٹھ کر باہر آ رہا تھا تو راہداری سے گزرتے سرمد نے اسے روک لیا۔
''بلال کہیں جا رہے ہو۔'' وہ نظریں چرا کر بولے۔
''آپکو کوئی کام ہے۔''
''بلال نے انہیں دیکھا جو کچھ پریشان لگ رہے تھے۔
''بلال انس کو لے آؤ جا کر۔''
''جی'' وہ اچھل گیا۔
''ہاں لے آؤ میں بہت مس کر رہا ہوں۔'' وہ آج بیٹے کی محبت کے آگے ہار گئے تھے بلال نے مسکرا کر انہیں دیکھا جو اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔
بلال کا ارادہ تو تھا انس کو لانے کا مگر اس نے سوچا کہ شہرینہ کو لے جائے گا اس کا موڈ خراب ہونے کی وجہ سے اب وہ خود ہی چلا گیا تھا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

● ● ●

دوسرے دن سرمد سے برداشت نہ ہوا تو وہ بلال سے پھر بولے۔
''تم گئے نہیں تھے اس کو لینے۔'' وہ خاصے سنجیدہ تھے۔
''بھائی جان میں گیا تھا انس کو بہت تیز بخار ہے۔''
''کب سے ہو رہا ہے؟ وہ فکر مند ہو گئے۔''
''بھابھی بتا رہی تھیں ایک ہفتے سے چل رہا ہے۔''
''لاپرواہی ہی برتی جا رہی ہو گی۔''
''نائل بھائی روز ڈاکٹر کے پاس لیکر جاتے ہیں'' وہ جھٹ سے بولا۔
''امی آپ اسے یہاں بلوالیں میں خود ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔'' اب وہ اپنی امی سے مخاطب ہوئے۔
''وہ نائل بھائی آنے نہیں دے رہے۔''
''وہ اس لئے نہیں آنے دے رہا ہو گا کہ بیمار جو ہے۔'' امی نے جھٹ بات بنائی کہ کہیں وہ نائل کا سن کر مشتعل ہی نہ ہو جائیں۔
''وہ کون ہوتا ہے جو آنے نہیں دے رہا ہے بلال کو آپ بھیجئے گا۔'' تیز لہجے میں بولے۔

''ایسے تو اور معاملہ بگڑ جائے گا۔'' امی کو ان کے غصے سے ڈر لگا تھا پھر بھی ڈرتے ڈرتے گویا ہوئیں۔

آپ اس سے ڈرتے رہیئے ایسا ہی وہ کہیں کا لینڈ لارڈ ہے جو آپ لوگ ڈر جاتے ہیں میں لے کر آؤں گا دیکھتا ہوں کیسے روکتا ہے۔'' انہیں بھی ضد آ گئی۔

''یاسر تم آفس جاؤ کچھ e-mail آئیں گی وہ چیک کر لینا۔''

''سرمد تم وہاں نہیں جاؤ گے۔'' امی ڈائننگ ٹیبل سے کھڑی ہو گئی تھیں کیونکہ وہ کافی غصے میں تھے۔

''میں جاؤں گا اور دماغ بھی درست کرتا ہوں اس کا کیا سمجھتا ہے خود کو۔''

''بھائی جان میں دوبارہ جاؤں گا آپ پلیز نہ جائیں۔'' بلال بھی ڈر رہا تھا اس کے منہ سے کیا نکل گیا کہ سرمد تو سن کر ہی آگ بگولہ ہو گئے۔

''اب میں جاؤں گا کیونکہ میرا بیٹا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر بہت تیزی سے چلے گئے۔

''تائی امی آپ بھی جایئے کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے۔'' یاسر نے ان سے کہا جو سکتے میں تھیں۔

''انس کدھر ہے۔'' وہ طائشہ کو نظر انداز کر کے بولے آج وہ کتنے عرصے بعد دیکھ رہے تھے وہی معصومیت اور پاکیزگی تھی۔

''جی وہ اندر ہے۔'' وہ گھبرا گئی۔

''لے کر آؤ جلدی میں لینے آیا ہوں۔'' سرد مہری سے بولے۔

''بیٹا تم بیٹھو تو۔'' امی تو داماد کو دیکھ کر نہال ہو گئی تھیں۔

''میں بیٹھنے نہیں آیا ہوں مجھے اپنے بیٹے کو لینا ہے۔''

''اتنی صبح وہ آج ان کے گھر میں تھے نائل بھی ابھی آفس کے لئے نکل ہی رہا تھا۔

''اوہو سرمد صاحب آئے ہیں'' وہ طنز کرتا ہوا اپنے کمرے سے نکلا۔

''دیکھو میں تمہارے منہ لگنے نہیں آیا ہوں اپنا بیٹا لینے آیا ہوں۔ وہ خاصے روکھے تھے۔

''بیٹا بڑی جلدی یاد آ گیا آپ کو۔'' وہ شرٹ کے بٹن لگا رہا تھا۔

''نائل اس وقت میں طنز بھری تمہاری بکواس سننے نہیں آیا ہوں۔''

''آپ سن لیں انس نہیں جائے گا۔'' وہ رعونت سے بولا۔

''دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے کدھر ہے انس۔'' اس نے اب طائشہ سے پھر پوچھا۔

''بیمار ہے وہ۔'' طائشہ کے بجائے اس نے جواب دیا۔

''دیکھو میں اپنی بیوی سے مخاطب ہوں۔''

''اوہو! امیزنگ جوک سرمد صاحب بیوی بھی یاد ہے آپ کو۔'' اس نے استہزائیہ کہا۔ سرمد نے تنجل ہو کر اسے دیکھا پھر لب بھینچ لئے۔

''سنو تم چپ رہو تو زیادہ بہتر ہے۔''

کیسے چپ رہوں میری بہن ہے یہ، سمجھے آپ؟ جسکی آپ نے زندگی برباد کر دی ہے۔''

نائل خاموش ہو جاؤ۔'' امی تو چیخ پڑیں امی پوچھئے کیوں آئے ہیں یہ۔'' وہ اب پھنکارنے لگا۔

''بیوی اور بیٹا ہے اس لئے آئے ہیں۔''

دو سال بعد خیال آیا بھی تو صرف بیٹے کا ارے آپ سب لوگ ہی دھوکہ باز ہیں۔''

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

''شٹ اپ'' سرمد دھاڑا اٹھے۔

''نائل خاموش ہو جاؤ۔'' طائشہ نے نائل کا بازو پکڑا اور پھر اتنے میں بلال اور امی بھی آ گئیں۔

''آج تو حیرانگی کا دن تھا طائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اسکی آواز اندر پھنس گئی تھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خ
ہوئے یا اب روئے۔''

''ارے میں تو دوڑی آئی کہیں الٹا سیدھا نہ ہو جائے۔'' وہ پھولی ہوئے سانسوں کے ساتھ تھیں۔

''لے کر آؤ انس کو'' سرمد پھر طائشہ سے حکم بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں جائیگا وہ۔'' نائل دیوار بن گیا۔

''دیکھتا ہوں کیسے نہیں جانے دیتے۔'' سرمد اسے دھکیلتے ہوئے اندر گئے اور سوئے ہوئے انس کو اٹھایا جو
میں پھنک رہا تھا اسے سینے سے لگایا اور باہر نکل گئے نائل نے بس حیرت بھری نگاہ سے بہن کو دیکھا جو رو رہی تھی کیو
سرمد اسے چلنے کو کہاں کہہ کر گئے تھے۔

''چلو طائشہ تم بھی۔'' سرمد کی امی نے طائشہ کا بازو ہلایا۔

آپکے صاحبزادے نے کہا۔'' نائل نے کہا۔

''نائل کیا بدتمیزی ہے جانے دو اسے، طائشہ جاؤ قدرت نے تمہیں موقع دیا ہے کیا ہوا اگر سرمد نے نہیں کہا اش
ہی کافی ہوتا ہے پھر انس اس کے بغیر کب رہے گا۔'' آمنہ نے طائشہ کو بھیجا۔

''جاؤ طائشہ جاؤ۔'' سرمد کی امی نے بھی کہا اور پھر وہ بھی تیز ہی نکل گئی سرمد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے تھے جبکہ ا
ان کی گود تھا وہ بھی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی سرمد سے اس نے انس کو ڈرتے ڈرتے لیا کیونکہ ڈرائیونگ کرتے ہو
چہرے پر ایک اور بے نیازی تھی۔ انہوں نے اسکی جانب ابھی تک نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر نے انس کو ٹا
سیڈ بتایا تھا۔ وہ اور بھی فکر مند سے ہو گئے تھے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

• • •

طائشہ گھر تو آ گئی تھی مگر سرمد نے ایک بار بھی اسے نہ مخاطب کیا تھا نہ دیکھا تھا وہ گم صم بیٹھی تھی۔ وہ خود کو سرمد
تابع ہی سمجھنے لگی تھی اور ان پر بھی شکر ادا کرتی کہ کچھ تو بات کرتے ہیں چاہے انس کے حوالے سے ہی اس دن وہ را
میں کچن میں برتن دھو رہی تھی فارحہ بھی ساتھ لگی ہوئی تھی مگر پھر فارحہ کو طائشہ نے بھیج دیا برتن کیبنٹ میں لگانے
انس کی رونے کی آواز تھی۔

''طائشہ انس رو رہا ہے اسے لے لو جا کر اب بس۔'' امی نے آ کر کہا۔

''کام ختم کر کے آ رہی ہوں۔'' وہ چاہ رہی تھی کہ سارے برتن لگا دے۔

''فارحہ کو دے دیں انس کو۔'' وہ بدستور مصروف بولی۔

''سرمد آ گیا ہے اسکی گود میں ہے۔'' انہوں نے بتایا۔

''کیا بات ہے کچھ خیال بھی ہے کہ کتنی دیر سے رو رہا ہے۔'' سرمد کی دھاڑتی آواز اس کی پشت پر ابھری تو طا
تو برتن بھی ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہو گئے۔

''وہ آ رہی تھی میں۔''

''تمہارے کام اتنی رات گئے تک چلتے ہیں کچھ خیال ہے تمہیں اس کا کتنا رو رہا ہے مگر دماغ تمہارا حاضر ہو
کچھ کرو۔'' وہ ذرا سی دیر میں بے عزتی کر دیتے تھے کسی کو بھی نہیں دیکھتے تھے۔ امی جا چکی تھیں۔

''بیٹا آ رہی تھی یہ۔''

''پلیز امی آپ سائیڈ مت لیا کریں'' وہ بولے۔

''سنو ہر وقت اس پر سوار مت رہا کرو دوپہر بھر اسے لئے بیٹھی رہی تھی گھر کے کام بھی دیکھ رہی تھی۔'' انہیں سرمد پر غصہ آ گیا۔

''کوئی احسان نہیں کر رہی محترمہ۔ یہ سب تو انہیں کرنا ہے اگر نہیں کرنا تو جا سکتی ہیں اپنے چہیتے بھائی کے گھر۔'' لہجے میں کاٹ تھی طائشہ لب کاٹ رہی تھی۔

''اف سرمد تم تو بات کو بڑھا دیتے ہو۔''

''بات میں نہیں بڑھاتا سمجھایئے اپنی بہو کو اپنے بیٹے کی طرف سے لاپرواہی برت رہی ہے۔ ورنہ بری طرح پیش آ سکتا ہوں۔'' وہ اسے وارننگ دے رہے تھے۔

''جیسے پہلے بہت اچھی طرح پیش آتے ہو اس بے چاری کا کیا قصور ہے۔''

''قصور اونہہ اسی کا تو ہے میری ہنستی بستی زندگی خراب ہو گئی ہے۔'' وہ جھنجھلا گئے طائشہ آنکھوں میں آنسو لئے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی تھی باتھ روم میں جا کر آنسو بہائے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار کر باہر آ گئی دیکھا سرمد اس کو بیڈ پر لیٹا رہے تھے۔

''دوائی پلائی تھی؟'' انہوں نے اسکی رونی صورت دیکھی۔

طائشہ نے سر ہلایا۔

''زبان نہیں ہے تمہارے منہ میں۔'' وہ پھر کرجدار آواز میں دھاڑے تو وہ بول پڑی۔

''جج جی پلائی تھی شام سات بجے۔''

''اب بارہ بج رہے ہیں اس وقت کی ڈوس دوا سے۔'' انہوں نے شرٹ کے بٹن کھولے سینے کے کالے گھنے بال نظر آنے لگے یہی تو ان کی مردانگی کی ایک دلکش جھلک تھی طائشہ انس کے کپڑے بدلنے لگی تھی جبکہ سرمد چینج کرنے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔

''میرا سلیپنگ سوٹ کدھر ہے۔؟ وہ باہر آ کر بولے۔

''اوہ وہ تو ٹب میں بھگو کر رکھا تھا دھونا بھول گئی۔'' طائشہ کو اپنا سانس رکتا ہوا لگا۔

''تم سے کچھ نہیں ہوتا یہی آرام طلبی کرنی ہے تو جا سکتی ہو تم یہاں سے مگر بیٹے کو چھوڑ کر۔'' وہ زور دے کر بولے جبکہ وہ ٹوٹ کر رہ گئی۔

''یہ میرا بھی بیٹا ہے۔''

''اس پر صرف حق میرا ہے تمہارا بس اتنا کام تھا کہ اسے جنم دیا۔'' زہر خندہ انداز تھا۔

''میں نے تکلیفیں برداشت کی تھیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''احسان کر رہی ہو مجھ پر رعب ڈال رہی ہو بولو۔'' وہ اسکے قریب آ گئے طائشہ سہم کر رہ گئی کیونکہ ان کی آنکھوں سے شعلوں کی لپک باہر آنے لگی۔

''نن..... نہیں تو میں تو ایسے ہی بول رہی تھی۔'' اسکی آواز ہی دب گئی۔

''آئندہ اگر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی نا تو حشر خراب کر دونگا تمہارا۔'' سرمد اس کی تضحیک پر تضحیک کر رہے ہیں۔

(جاری ہے)

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تسنیم شریف

خوش شہو

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''جو بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے اور میری اطاعت و فرماں برداری کی راہ میں میری طرف بالشت بھر آگے بڑھتا ہے میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں اور جو میری طرف ہاتھ بھر آگے بڑھتا ہے میں گز بھر اس کی طرف بڑھتا ہوں اگر میرا بندہ چلتا ہوا میری طرف آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کی جانب بڑھتا ہوں۔'' اسی طرح ارشادِ نبوی کے مطابق ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' (سنن ابن ماجہ)

باب العلم

حضرت علیؓ سے ایک شخص کہنے لگا۔ ''اے باب العلم! قیامت سے پہلے انسانوں کا وہ کون سا عمل ہوگا جو اللہ کی ناراضی کا سب سے بڑا سبب بنے گا؟'' حضرت علیؓ فرمانے لگے۔ ''اے بندۂ خدا! یاد رکھنا قیامت سے پہلے انسان، انسان کو بیمار کرنا شروع ہو جائیں گے۔'' اس شخص نے پوچھا۔ ''وہ کیسے؟'' حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''آخری زمانے کے لوگ نفرت، حسد، منافقت اور لالچ میں اتنے آگے بڑھ جائیں گے کہ وہ انسانوں سے لڑنے کے لیے تلوار اور نیزے کا استعمال نہیں کریں گے بلکہ عجیب عجیب بیماریوں کو پیدا کریں گے اور مختلف شہروں اور علاقوں میں ان بیماریوں کو پھیلانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان بیماریوں میں لوگ گھٹ گھٹ کر مر جائیں اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو کہ ان لوگوں کو کس نے مارا، یہی وہ عمل ہوگا جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناراضی کا سبب بنے گا۔'' پھر فرمایا۔ ''اے شخص! اس دور کے انسان دولت کے نشے میں پست ہو جائیں گے۔ وہ ایسی ایسی چیزیں بنائیں گے جو ماحول کو آلودہ رکھیں گی اگر اس دور کے لوگ صفائی کو مقدم رکھیں، ایسی جگہ پر رہنا شروع کر دیں جہاں درخت زیادہ ہوں، مٹی کے برتن میں پانی پینا شروع کر دیں، پانی کو مٹی کے برتن میں رکھنا شروع کر دیں اور رکھا ہوا کھانا، کھانا کم کر دیں تو اللہ انہیں ہزاروں بیماریوں سے اپنی پناہ میں رکھے گا۔''

حفصہ کنول۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

قرآن کریم کی حقانیت

قرآن حکیم کی سورۂ یونس میں کہا گیا کہ ہم فرعون کے بدن کو بچائے دیتے ہیں تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کی نشانی بنے۔ جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔ تقریباً تین ہزار سال تک فرعون کی لاش ایک مقبرے میں پڑی رہی۔ 1898ء میں فرعون کی حنوط شدہ لاش کا سراغ مل

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور 1907ء میں ایلیٹ سمتھ نے اس کا سائنسی معائنہ کیا اور کہا کہ یہ وہی فرعون ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے ہوئے بحیرہ احمر میں ڈوب گیا تھا۔ فرعون کی حنوط شدہ لاش 1860ء میں مصر سے چوری ہوگئی اور کینیڈا کے ایک میوزیم میں پہنچی۔ کینیڈا سے امریکہ کے ایک میوزیم میں پہنچی اور وہاں سے 2003ء میں واپس مصر آئی۔ مصر کے ایک میوزیم میں پڑی یہ حنوط شدہ لاش قرآن مجید میں کی گئی پیش گوئی اور اس کی سچائی کا ثبوت ہے۔

تبسم ناز۔ بہاولپور

سوچیں تو.....!

☆ دوستی ایک ایسا پودا ہے جس میں سچ کی مٹی، احساس کا پانی، انسانیت کی ہوا اور اعتبار کی دھوپ اس کو ایک مضبوط درخت بنا دیتی ہے۔

☆ ہم چہرہ تو خوب صورت رکھتے ہیں جس پر لوگوں کی نظر ہوتی ہے لیکن دل کو صاف نہیں رکھتے جس پر اللہ کی نظر ہوتی ہے۔

☆ ہمیشہ سمجھوتہ کرنا سیکھو، کیونکہ تھوڑا سا جھک جانا، کسی رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑ دینے سے بہت بہتر ہے۔

☆ لفظ انسان کے غلام ہوتے ہیں مگر صرف بولنے سے پہلے تک۔ بولنے کے بعد انسان اپنے لفظوں کا غلام بن جاتا ہے۔

☆ دکھ انسان کے مرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنائیت، محبت اور خلوص کے رشتوں کے ٹوٹ جانے کا ہوتا ہے۔

☆ ایک دیوتا کے سامنے سو سال تک سر جھکائے کھڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ تم ایک پرہیزگار شخص کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔

☆ الفاظ اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ یہ کبھی شعلہ اور کبھی شبنم کبھی زخم تو کبھی مرہم بن جاتے ہیں۔ کبھی زندگی میں رنگ بکھیرتے ہیں تو کبھی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

وبا

ٹالسٹائی نے کہا تھا۔ ”اگر کسی رات اچانک ایسی وبا پھیلے کہ اس کے سبب دنیا بھر کے تمام بادشاہ، نواب، راجے، مہاراجے، رائے، رئیس، جاگیردار، سیٹھ، ساہوکار، امراء سرمایہ دار وغیرہ مر جائیں تو نظام عالم میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آئے گا لیکن اگر کسی اور وبا سے دنیا بھر کے کسان، مزدور، جولاہے، چمار، پڑھئی، دھوبی، موچی، نائی، درزی، معمار، بھنگی، گوالے، گڈریے، کوچوان، قلی، گاڑی بان موت کے گھاٹ اتر جائیں تو یہ دنیا کسی کام کی نہ رہے اور بہت بڑا دوزخ بن جائے۔

حفصہ نذیر۔ خانیوال

حقیقت

ایک بینک میں صبح سے لائن لگی ہوئی تھی کہ ایک شخص ماسک پہن کر آیا۔ سب ڈر کر چھینکنے لگے تو اس نے کہا۔ ”ڈرو نہیں میں کرونا وائرس کا مریض نہیں ڈاکو ہوں“۔ تو سب نارمل ہوگئے۔

نرجس مختار۔ سمندری

مٹھائی

تاج محل زیر تعمیر تھا۔ اس کی تعمیر میں اکیس ہزار مزدور اور معمار حصہ لے رہے تھے۔ انہیں کھانے میں دال اور روٹی دی جاتی۔ خوراک کی یکسانیت سے بے دل ہو کر وہ سست پڑ رہے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

تھے۔ ان کے جذبے میں کمی دیکھ کر شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنی تشویش کا اظہار تاج محل کے چیف آرکیٹیکٹ استاد عیسیٰ آفندی سے کیا۔ استاد نے مزدوروں کی بے دلی کے مسئلے کا حل نکالنے کے لیے پیر نقش بندی صاحب سے رجوع کیا۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ ایک نماز کے بعد پیر صاحب یک سوئی سے گیان دھیان میں غرق تھے کہ ذہن روشن ہوا اور اچانک دماغ میں ایک خیال وارد ہوا جس سے حاصل ہونے والی ترکیب کے مطابق انہوں نے ایک نئی مٹھائی کا نسخہ بتایا۔ اس پر پانچ سو باورچیوں نے مل کے وسیع پیمانے پر اکیس ہزار مزدوروں کے کھانے کے لیے وہ ذائقے دار مٹھائی تیار کی۔ مٹھائی کھا کر مزدور مستعد اور فعال ہو گئے۔ یوں ان کی بے دلی اور سستی خوش دلی اور چستی میں بدل گئی۔ تب سے وہ مٹھائی پاک و ہند میں مقبول ہے۔ اس مٹھائی کا نام ''پیٹھا'' ہے۔

مہرین شاد۔ جہلم

فیس بک کا نشہ

کلاس روم میں پڑھائی کے دوران پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ایک لڑکے نے اپنے موبائل پر اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولا، جیسے ہی اس کا اسٹیٹس آن لائن شو ہوا پروفیسر صاحب نے جو لیپ ٹاپ پر آن لائن تھے کمنٹ کیا کہ ''نالائق انسان کلاس سے نکل جاؤ۔''

آفس میں بیٹھے پرنسپل نے پروفیسر کے کمنٹ کو لائک کر کے اس کی تائید کر دی۔

دوست نے یہ ماجرا دیکھ کر کمنٹ کیا ''اوئے ٹینشن نہ لے کیفے میں آجا سموسے کھاتے ہیں۔''

ماں نے گھر سے کمنٹ کیا ''نکمے انسان کلاس نہیں لینی تو سبزی لے کر گھر آجا۔''

باپ نے دفتر سے کمنٹ کیا۔ ''دیکھ لی اپنے لاڈلے کی حرکتیں، تمہارے پیار نے ہی اسے بگاڑا ہے۔''

فرینڈ نے کمنٹ کیا۔ ''دھوکے باز تم نے تو کہا تھا کہ تم کالج نہیں گئے۔ اسپتال میں ہو۔ دادی کی حالت بہت خراب ہے۔ آخری اسٹیج پر ہیں اس لیے ملنے نہیں آسکتا۔''

اسی وقت دادی نے بھی کمنٹ کیا، ''او بیڑا غرق ہو تیرا بے غیرتا! کیوں دادی کو مارنے پر تلے ہوئے ہو۔''

زرینہ گل۔ کوئٹہ

خوشبو

☆ غم ایک ایسا ساتھی ہے جس کے بچھڑنے کا خوف نہیں جب کہ خوشی ڈھلتے سورج کی مانند ہے۔

☆ حسین یادوں کو کبھی فراموش نہ کرو کیونکہ آئندہ زندگی میں یہ آب حیات سے کم نہ ہوں گی۔

☆ علم دین کا ہو یا دنیا کا، قلب و روح کے لیے باعث تسکین ہوتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

سیکھیے

ایک حوالہ جاتی روایت ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص زندگی کے مسائل اور مشکلات کے ہاتھوں اس حد تک زچ ہو گیا کہ اس نے بستی چھوڑی اور ایک جنگل میں جا کر بسرام کیا۔ ایک روز وہاں اس کی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی۔ جب اس نے اپنی مشکلات کی بپتا جوگی کو سنائی تو جوگی اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اسے ایک مقام پر لے گیا اور وہاں دو پودوں کی جانب اشارہ کر

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور پوچھا۔ ''کیا تم وہ کزف (فرن) کا بغیر پتوں والا پودا اور بانس کے اونچے درخت کو دیکھ رہے ہو؟''

''ہاں!'' اس شخص نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ جوگی نے بات جاری رکھی۔ ''ان دونوں کو میں نے لگایا ہے۔ جب میں نے فرن اور بانس کے بیج بوئے تو ان کے لیے پانی، روشنی اور کھاد کا خوب اہتمام کیا۔ فرن بہت جلد زمین سے نکل آیا۔ جب کہ پہلے برس میں بانس کا پودا ایک انگلی برابر بھی نہیں نکلا۔ اس کے بعد کا خاصا عرصہ بانس کے پودے نے بڑھوتری نہ دکھائی۔ اس کے باوجود میں مایوس نہ ہوا۔''

''پھر؟'' اس شخص نے اشتیاق سے پوچھا تو جوگی کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ ''عرصے بعد بانس کے بیج والے مقام سے ایک ننھی سی ڈنٹھل برآمد ہوئی اور چھے ماہ کے مختصر عرصے میں وہاں سوفٹ بلند درخت نے سر اٹھالیا۔'' اس کے بعد جوگی نے پوچھا۔ ''تمہارے خیال میں اتنا عرصہ بانس کے درخت نے زمین سے باہر سر کیوں نہ نکالا۔ کیا وہ مردہ ہو چلا تھا؟'' جواب نہ پاکر جوگی کے چہرے پر پہلی مرتبہ معنی خیز مسکراہٹ آئی اور وہ بولا۔ ''بانس کا پودا زیر زمین مضبوط اور دیرپا جڑوں کا ایک ایسا وسیع نظام قائم کررہا تھا جو اس کے لمبے قد کو سہار سکے۔ جب تسلی بخش انتظام ہوگیا تو اس نے اپنا منہ زمین سے باہر نکالا اور دنوں میں پورے قد سے کھڑا ہوگیا۔'' کچھ توقف کے بعد جوگی سبق آموز انداز میں گویا ہوا۔ ''گو فرن فوری اگ آیا مگر اس کی بانس کے درخت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ بانس ہمیں تحمل، برداشت، محنت اور مسلسل کوشش کا سبق سکھاتا ہے۔ یوں اکثر ایک دم حاصل ہونے والی کامیابی کے پیچھے برسوں کا صبر، کوشش اور محنت ہوتی ہے۔'' یہ سن کر وہ شخص گہری سوچ میں گم ہوگیا اور بستی جاکر نئے ولولے سے اپنی زندگی گزارنے کا ارادہ باندھنے لگا۔

شازیہ اختر۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

حقیقت

ایک سردار بھینس کو نہلا رہا تھا کہ وہاں سے ایک آدمی گزرا۔ اس نے سردار صاحب سے ٹائم پوچھا۔ سردار نے بھینس کی ٹانگ اٹھا کر کہا۔ ''ساڑھے چار۔''

وہ آدمی بہت حیران ہوا کیوں کہ واقعی ساڑھے چار بجے تھے۔ دوسرے دن وہ آدمی پھر گزرا تو اس نے ٹائم پوچھا۔ سردار نے بھینس کی ٹانگ اٹھا کر پھر ٹائم بتایا ''ساڑھے چھ''۔ وہ آدمی بڑا حیران ہوا کیونکہ سردار نے بالکل صحیح ٹائم بتایا تھا۔ اس نے نیشنل جیوگرافک والوں کو فون کر کے اس بھینس کے متعلق بتایا۔ وہ سردار صاحب کے پاس پہنچے اور ٹائم پوچھا تو سردار نے بھینس کی ٹانگ اٹھا کر پھر صحیح وقت بتایا۔ وہ لوگ بہت حیران ہوئے اور سردار سے پوچھا۔ کہ وہ اتنا صحیح وقت کیسے بتاتا ہے؟

سردار نے انہیں اپنے ساتھ بٹھایا اور بھینس کی ٹانگ اٹھا کر کہا۔ ''وہ دیکھو سامنے دیوار پر گھڑی لگی ہے۔''

خدیجہ نواز۔ کراچی

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

صدف سعد

ردا کی ڈائری

نادیہ ناز غوری کی ڈائری سے

منیر نیازی کی غزل

شکوہ کریں تو کس سے شکایت کریں تو کیا
اک رائیگاں عمل کی ریاضت کریں تو کیا
جس شے نے ختم ہونا ہے آخر کو ایک دن
اس شے کی اتنے دکھ سے حفاظت کریں تو کیا
حرف دروغ غالب شہر خدا ہوا
شہروں میں ذکر حرف صداقت کریں تو کیا
معنی نہیں منیر کسی کام میں یہاں
طاعت کریں تو کیا ہے بغاوت کریں تو کیا

حفصہ نذیر کی ڈائری سے

احمد فراز کی نظم

تم اپنے عقیدوں کے نیزے نیزے
ہر دل میں اتارے جاتے ہو
ہم لوگ محبت والے ہیں
تم خنجر کیوں لہراتے ہو
اس شہر میں نغمے بہنے دو
بستی میں ہمیں بھی رہنے دو
ہم پالن ہار ہیں پھولوں کے
ہم خوشبو کے رکھوالے ہیں
تم کس کا لہو پینے آئے
ہم پیار سکھانے والے ہیں
اس شہر میں پھر کیا دیکھو گے
جب حرف یہاں مر جائے گا
جب تیغ پہ لے کٹ جائے گی
جب شعر سفر کر جائے گا
جب قتل ہوا سر سازوں کا
جب کال پڑا آوازوں کا
جب شہر کھنڈر بن جائے گا
پھر کس پر سنگ اٹھاؤ گے
اپنے چہرے آئینوں میں
جب دیکھو گے ڈر جاؤ گے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ماہ نور نواز کی ڈائری سے

سلیم کوثر کی غزل

یہ ٹھیک ہے جذبوں کی پذیرائی تو ہو گی
پر جان مری، عشق میں رسوائی تو ہو گی
نیندوں کو ترستی ہوئی آنکھوں میں نہ جھانکو
ان میں بھی کبھی خوابوں کی رت آئی تو ہو گی
کب تک مری آواز کے سائے سے بچو گے
یہ معرکہ ایسا ہے کہ پسپائی تو ہو گی
سایا تو کجا خود سے بچھڑ جاؤ گے اک دن
یہ شہر ہے اور شہر میں تنہائی تو ہو گی
اک آگ تہہ خلوت جاں پھر ہوئی روشن
کچھ دیر سہی انجمن آرائی تو ہو گی
جشن رسن و دار کا کل آخری دن ہے
کل میں نہیں ہوں گا مری سچائی تو ہو گی

تبسم ناز کی ڈائری سے

وصی شاہ کی خوبصورت غزل

بے قراری میں صدا دے، میں تری سن لوں گا
رو کے بس ہاتھ اٹھا دے، میں تری سن لوں گا
گر ندامت سے تیری کھل نہیں پاتی ہے زباں
تو فقط ہونٹ ہلا دے، میں تری سن لوں گا
شدتِ غم سے نکل پاتی نہیں گر آواز
مجھ کو خاموش صدا دے، میں تری سن لوں گا
ایک جرثومے نے گر یاد دلا دی، تو مجھے
بس یہی رو کے بتا دے، میں تری سن لوں گا
اتنا مایوس نہ ہو اتنا بھی بے بس نہیں تو
دل میں اک حشر اٹھا دے، میں تیری سن لوں گا

مہرین شاد کی ڈائری سے

خورشید رضوی کی غزل

یہ جو ننگ تھے یہ جو نام تھے مجھے کھا گئے
یہ خیال پختہ جو خام تھے مجھے کھا گئے
کبھی اپنی آنکھ سے زندگی پہ نظر نہ کی
وہی زاویے کہ جو عام تھے مجھے کھا گئے
میں عمیق تھا کہ پلا ہوا تھا سکوت میں
یہ جو لوگ محو کلام تھے مجھے کھا گئے
یہ عیاں جو آب حیات ہے اسے کیا کروں
کہ یہاں جو زہر کے جام تھے مجھے کھا گئے
وہ نگیں جو خاتم زندگی سے پھسل گیا
تو وہی جو میرے غلام تھے مجھے کھا گئے
میں وہ شعلہ تھا جسے دام سے تو ضرر نہ تھا
یہ وسوسے تہہ دام تھے مجھے کھا گئے
جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں
یہ جو زہر خندہ سلام تھے مجھے کھا گئے

شازیہ اختر کی ڈائری سے

ڈاکٹر اسد مصطفیٰ کا کلام

شہ مردہ ہیں مگر عہد بشر زندہ ہے
سجدۂ شکر! ابھی دل کا نگر زندہ ہے
ایک جرثومے نے تاریخ بدل کے رکھ دی
اشک پتھر ہیں کہیں دیدۂ تر زندہ ہے
اپنے سائے سے بھی ملتے ہوئے گھبراتا ہوں
مجھ میں پنہاں ہے کوئی خوف کہ ڈر زندہ ہے
دیر تک سوئے ہوئے لوگوں کے گھر میں آیا
موت کا خوف یہاں شام و سحر زندہ ہے
تخلیہ آج ضروری ہے تو اس کی خاطر
اپنی خاطر تو اسد بارِ دگر زندہ ہے

افشاں صغیر کی ڈائری سے

اسلم گورداس پوری کی غزل

اینٹ سے اینٹ بجا دو مرا دم گھٹتا ہے
اب تو اک حشر اٹھا دو مرا دم گھٹتا ہے
ان سے ممکن ہی نہیں تازہ ہواؤں کا ورد
ان فصیلوں کو گرا دو مرا دم گھٹتا ہے
میں کہ صدیوں سے ہوں اس طوق غلامی کا اسیر
مجھ کو آزاد کرا دو مرا دم گھٹتا ہے
میری گردن پہ ہے صدیوں سے عدو کا پاؤں
میری گردن کو چھڑا دو مرا دم گھٹتا ہے
دیکھ لیں لوگ کہ گورے ہیں یا کالے وحشی
مری تصویر دکھا دو مرا دم گھٹتا ہے
میری انجیل کے اوراق میں تدفین کرو
میری تربت پہ لکھا دو مرا دم گھٹتا ہے
ایسا مسکن کہ جہاں سانس ہو لینا مشکل
ایسے مسکن کو جلا دو مرا دم گھٹتا ہے
اس سے زیادہ تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا اسلم
ساری دنیا کو بتا دو مرا دم گھٹتا ہے

حفصہ کنول کی ڈائری سے

مبارک صدیقی کی غزل

خزاں کی رت میں گلاب لہجہ بنا کے رکھنا کمال یہ ہے
ہوا کی زد پہ دیا جلانا، جلا کے رکھنا، کمال یہ ہے

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ذرا سی لغزش پہ توڑ دیتے ہیں سب تعلق زمانے والے
سو ایسے ویسوں سے بھی تعلق بنا کے رکھنا، کمال یہ ہے
کسی کو دینا یہ مشورہ کہ وہ دکھ بچھڑنے کا بھول جائے
اور ایسے لمحے میں اپنے آنسو چھپا کے رکھنا کمال یہ ہے
خیال اپنا، مزاج اپنا، پسند اپنی، کمال کیا ہے؟
جو یار چاہے وہ حال اپنا بنا کے رکھنا کمال یہ ہے
کسی کی راہ سے خدا کی خاطر، اٹھا کے کانٹے، ہٹا کے پتھر
پھر اس کے آگے نگاہ اپنی جھکا کے رکھنا کمال یہ ہے
وہ جس کو دیکھے تو دکھ کا لشکر بھی لڑکھڑائے، شکست کھائے
لبوں پہ اپنے وہ مسکراہٹ سجا کے رکھنا کمال یہ ہے
ہزار طاقت ہو، سو دلیلیں ہوں پھر بھی لہجے میں عاجزی سے
ادب کی لذت دعا کی خوشبو بسا کے رکھنا کمال یہ ہے

ذکیہ قمر کی ڈائری سے

نسیم نازش کا کلام

برسی برکھا آیا ساون
حسن ہے کیسا گلشن گلشن
باغ میں بیٹھی سوچ رہی ہوں
بھول گیا مجھے میرا ساجن
تیز بہت ہے گردش دوراں
کون اٹھائے وقت کی چلمن
دشت تمنا کے کانٹوں میں
کیسے الجھا اپنا دامن
اس میں دیکھ نہ چہرہ اپنا
میرا دل ہے ٹوٹا درپن
لوگوں سے یہ خواب چھپا لے
دنیا ہے خوابوں کی دشمن
نازش خوف ہے شہر میں ہر سُو
اب کہیں اور بنا لے مسکن

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

ایمان قیصرانی کی غزل کے چند اشعار

ہنسنے رونے سے گئے، ربط بڑھانے سے گئے
ایسی افتاد پڑی سارے زمانے سے گئے
وہ تعفن ہے کہ اس بار زمیں کے باسی
اپنے سجدوں سے گئے، رزق کمانے سے گئے
دل تو پہلے ہی جدا تھے یہاں بستی والو
کیا قیامت ہے کہ اب ہاتھ ملانے سے گئے
اس قدر قحط وفا ہے مرے اطراف کہ اب
یار یاروں کو بھی احوال سنانے سے گئے

فرزانہ شوکت کی ڈائری سے

حسین دور کو یاد کرنے کا انداز

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
محلے کی سب سے نشانی پرانی
وہ بڑھیا جسے سب کہتے تھے نانی
وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈیرا
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پھیرا
وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی
کڑی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا
وہ چڑیا وہ بلبل اپنے ہاتھوں سے پکڑنا
وہ گڑیا کی شادی پہ لڑنا جھگڑنا
وہ جھولوں سے گرنا گر کے سنبھلنا
وہ پیتل کے جھمکوں کے پیارے پیالے
وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی نشانی
کبھی ریت کے اونچے ٹیلوں پہ جانا
گھروندے بنانا بنا کے گرانا
وہ معصوم چاہت کی تصویر اپنی!
نہ دنیا کا غم تھا نہ رشتوں کا بندھن
بڑی خوب صورت تھی وہ زندگانی

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تسنیم شریف

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباسات

حب الوطنی

آرلینڈو میں تقریباً روزانہ بلاناغہ پچھلے پہر چار بجے کے قریب بارش ہوتی ہے اور یہ ہی بارش اس کی بے پناہ ہریالی کا سبب ہے۔ آج بھی بارش برس رہی تھی تو میمونہ کہنے لگی۔ پاکستان میں بھی تو ان دنوں بارشیں ہو رہی ہیں اور مجھے پاکستان یاد آرہا ہے۔ میں نے کہا چھوڑو پرے آرلینڈو کی بارشیں، صاف ستھری جل تھل ہوا اور پھر لمحوں میں گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہاں بارش اتری تھی۔ بارشیں تو ہماری ہوتی ہیں۔ موٹر سائیکلیں ڈوب رہی ہیں، کاروں کے انجن میں پانی جا رہا ہے اور انہیں دھکے لگائے جا رہے ہیں اور ہاں گٹر ابل رہے ہیں اور ہر جانب گٹر کے گندے پانی کی بدبو پھیل رہی ہے مزہ آیا ناں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گٹروں کی بدبو بارشوں میں یاد کرنا بھی کیا حب الوطنی میں شمار ہوگا۔

از: کارواں سرائے

انتخاب: مریم نواز۔ کراچی

مسافر

انصاف، امن اور محبت کا خواب بہت بڑا ہے۔ اس خواب کا نشان یہ پیمان، حلف اور یہ وعدہ ہے کہ ہم ناانصافی کے سامنے ہار نہیں مانیں گے۔ یہ خواب نسلِ انسانی کی اعلیٰ ترین میراث ہے۔ اتنے بڑے خواب کے سامنے ایک فرد کی صلاحیت محدود ہوتی ہے۔ زندگی کی مہلت بھی کم ہوتی ہے۔ اس خواب کی تعبیر کسی موعودہ یا بخشندہ مسیحا کے بس میں نہیں، انسانوں کی سانجھ میں رکھی ہے۔ وہ ڈاکٹر جو کسی بیماری کے علاج کی تلاش میں جان کی بازی ہار گیا، وہ مصور جو رنگ اور لکیر کے جنون میں بھوک پیاس تک بھول گیا، وہ سیاسی کارکن جس نے جوانی کی راتیں جیل کی کوٹھری میں ماتحت اہل کاروں کی بدزبانی سہتے گزار دیں، وہ موسیقار جو سارنگی پر بھیروں کی سرگم چھیڑنے کی دھن میں صبح کاذب کی نیند سے لڑتا رہا، وہ پولیس اہلکار جو دوسروں کی حفاظت کرتے ہوئے جان کی بازی ہار گیا، انسانی حقوق کا وہ کارکن جس نے ایک بے گناہ کا دفاع کرتے ہوئے موت کو گلے لگایا، وہ لکھنے والا جو بسترِ مرگ پر اپنے مسودے کی نوک پلک سنوارتا رہا۔ یہ سب ایک ہی قافلے کے مسافر ہیں۔

از: وجاہت مسعود

انتخاب: محمد فیصل گدی۔ کراچی

اس ماہ کی تیکھی باتیں

☆ بہت خوشی ہوتی ہے جب آدھی رات کو آنکھ کھلے اور پتا چلے کہ ابھی تو اور سونا ہے۔

☆ روٹی، کپڑا اور مکان کے بعد آج کے انسان کی چوتھی بنیادی ضرورت ہے تیز ترین انٹرنیٹ۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

☆ بیگم کے ہاتھ سے اگر کچن میں برتن گر جائے تو اس کا ذمہ دار بھی کمرے میں ٹی وی دیکھتا شوہر ہی ہوتا ہے۔

☆ یورپ میں جتنے عرصے میں لڑکا لڑکی دوستی کر کے شادی کر کے طلاق لے لیتے ہیں ہمارے یہاں اتنا عرصہ لڑکا کا فیس بک پر لڑکی سے یہ ہی پوچھتا ہے ''جانو! سچ بتاؤ تم لڑکی ہی ہو نا؟''

☆ ٹی وی ایڈ میں بچوں کے داغ والے کپڑے ہنس کر دھوتے ہیں لیکن بچپن میں جب ہم کپڑے گندے کر کے گھر آتے تھے تو امی پہلے ہمیں دھوتی تھیں پھر کپڑے۔

☆ مردوں نے کبھی حقوق نہیں مانگے جب مانگا واٹس ایپ نمبر ہی مانگا۔

☆ مدت بعد اپنا چاند دیکھا۔ ساتھ میں گرہن بھی تھا اور تین چھوٹے موٹے تارے بھی۔

☆ ہمارے یہاں ریموٹ کا سیل چار مہینے اور تھپڑ سے چھے مہینے چلتا ہے۔

ثناء عمران۔ کراچی

ایک تھا جولاہا.....!

ایک جولاہا شام کو اپنی کھڈی پر کام کرنے بیٹھا۔ اس کی بیوی ساتھ ہی باورچی خانے میں روٹیاں پکانے لگی۔ جولاہے نے روٹیوں کی گنتی شروع کر دی۔ جب روٹیاں پک چکیں تو اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''آج تم نے آٹھ روٹیاں پکائی ہیں۔''

جب بیوی نے روٹیوں کی گنتی کی تو واقعی آٹھ روٹیاں تھیں۔ صبح اٹھ کر اس کی بیوی نے سارے گاؤں میں مشہور کر دیا کہ اس کا خاوند بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ وہ دیوار کی دوسری طرف کے حالات بتا سکتا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس نے رات والا قصہ بھی سنایا۔ شام تک پورا گاؤں اکٹھا ہو گیا۔ جولاہا پریشان ہو گیا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ گاؤں والوں نے اسے مجبور کیا کہ گاؤں کی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے اور اسے زبردستی مسجد میں لے گئے۔

جولاہے نے سوچا کہ بہت اچھا موقع ہے۔ جونہی سارے نمازی سجدے میں گئے اس نے مسجد کی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ اتفاق کی بات کہ اسی وقت زلزلہ آ گیا۔ مسجد کی چھت گر گئی۔ لوگوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ کئی نمازی شہید بھی ہو گئے۔ اب تو گاؤں والوں کا یقین پکا ہو گیا کہ زلزلے کے آنے کا اس کو پہلے سے کیسے علم ہو گیا۔ جولاہا بھاگا جا رہا تھا اور گاؤں والے اس کو پکڑنے کے لیے دوڑتے رہے۔ بالآخر جولاہا کسی جنگل میں روپوش ہو گیا۔ بعد میں اس جولاہے کا کچھ پتا نہ چلا۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کا افسانچہ

وہ میری سہیلی تھی۔ سردیوں کے وہ دن مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہیں جب وہ اپنے بچوں کو میرے حوالے کر جاتی تھی۔ میں سب کو اپنے کمبل میں چھپا لیتی تھی۔ ماں کے رتبے پر فائز ہونے کے باوجود میری سہیلی میں بچپنا ختم نہیں ہوا تھا۔ ہم دونوں چھپن چھپائی کھیلتے تھے۔ ایک دن وہ دوسرے شہر چلی گئی۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنا دل یہاں نہ لگا سکی اور اکثر روتی بھی تھی۔ پھر ایک دن حادثے کی خبر آئی اور میری بلی مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئی۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اس ماہ کے قطعات

رشک آئے ہے اس بکرے کی تقدیر پر ہم کو
گو پہلے سے ہم رشک کے مارے بھی نہیں ہیں
اے بکرے تری کھال کے ہیں جتنے امیدوار
اتنے تو امیدوار ہمارے بھی نہیں ہیں

شاعر: مرزا حیدر عباس

☆

کوئی ساق کی بوٹیاں چاہتا ہے
کسی کی کلیجی کے اوپر نظر ہے
کسے تحفہ عید قرباں بھیجوں
یہ بکرے کا سر ہے کہ اک دردِ سر ہے

شاعر: رئیس امروہوی

☆

لوٹ بکرا لیا ہے لوگوں نے
سر نہ پائے نہ ران باقی ہے
کیا بتاؤں کہ بعد قربانی
اپنے ہاتھوں میں کان باقی ہے

شاعر: ندیم آذر

پسند: خدیجہ نور۔ لاہور

اس ماہ کا فلسفہ

برتن میں اگر ضرورت سے زیادہ چیز بھر دی جائے تو وہ گر جائے گی یا برتن ٹوٹ جائے گا۔

خدیجہ نواز۔ فیصل آباد

بیویات

☆ بیوی نے لاڈ بھرے انداز میں شوہر سے کہا۔ ''آپ کو میری خوب صورتی اچھی لگتی ہے یا عقلمندی۔'' شوہر کا جواب تھا۔ ''جانو مجھے تمہاری یہ مذاق کرنے کی عادت بہت اچھی لگتی ہے۔''

☆ شوہر میکے گئی بیوی کی تصویر دیوار پر لگا کر اس پر چھری سے نشانے لگا رہا تھا اور تمام نشانے miss ہو رہے تھے، اسی دوران بیوی کا فون آ گیا، بیوی نے پوچھا۔ ''کیا کر رہے ہو؟'' شوہر بولا۔ ''mising you''۔

☆ ساس بولی۔ ''آج میری بہو رانی خاموش کیوں بیٹھی ہے۔'' پاس بیٹھا خاوند بولا۔ ''کچھ نہیں بس لائٹ گئی ہوئی تھی، اس نے لپ اسٹک مانگی، میں نے غلطی سے ایلفی پکڑا دی۔ اب پتا نہیں کیوں کچھ بول نہیں رہی۔''

☆ ایک بیوی ایک گھنٹے سے لڑ رہی تھی جب کہ خاوند خاموش تھا۔ اچانک کہنے لگی۔ ''میں تو کبھی نہ لڑوں، کیا کروں تمہاری گونگی بدمعاشی مجھے لڑنے پر مجبور کرتی ہے۔''

☆ ایک بیوی نے شوہر سے کہا۔ ''میں کب سے پوچھ رہی ہوں تمہاری زندگی کی سب سے بڑی problem کیا ہے اور تم بس مجھے دیکھے جا رہے ہو۔''

☆ ٹی وی پر گھوڑوں کی ریس دیکھتے خاوند سے بیوی نے پوچھا۔ ''اول انعام کس کو ملے گا۔'' خاوند بیزاری سے بولا۔ ''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے، اول انعام ملے گا سب سے آگے والے کو۔'' بیوی کا اگلا سوال تھا تو پھر یہ پیچھے والے کیوں دوڑ رہے ہیں۔''

عمران اختر۔ کراچی

اس ماہ کی سنہری بات

دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ دعا ایک صدا اور فریاد ہے۔ مضطرب دل کے پردوں کو چیرتی ہوئی دھڑکن جب الفاظ کا روپ دھارتی ہے تو دعا کہلاتی ہے۔ شب تاریک کی تنہائیوں میں آنکھ سے نکلنے والا آنسو بھی دعا ہے۔ ہماری دعائیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اب تو محض تکلف بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمیں دعا نہیں رسم دعا یاد ہے۔ ہم دعائیں مانگتے نہیں بلکہ پڑھتے ہیں پھر گلہ کرتے ہیں ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ انسان اپنے برے اعمال کی سزا سے بچ سکتا ہے اور تقدیر رحم کھا سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دعائیں مانگی جائیں پوری توجہ اور دل سے تاکہ دعا صرف پڑھی جائے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

حاضر جوابی

کہتے ہیں کہ ایک دن اکبر بادشاہ اپنے شاہی باغ کی سیر کر رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ شہنشاہ کی طبیعت تر و تازہ تھی۔ مصاحبین بھی ساتھ تھے۔ باغ میں رنگ برنگے پھولوں، درختوں کی شاخوں پر بیٹھے طیور اپنی فطری راگنیوں سے وہاں موجود افراد کو فرحت و انبساط سے سرشار کر رہے تھے۔ باغ کی سیر کرتے کرتے اچانک شہنشاہ اکبر کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ مصاحبین سے یوں گویا ہوا ''دیگر پرندوں کی آوازیں تو اچھی لگ رہی ہیں مگر کوؤں کی کائیں کائیں سماعت پر گراں گزر رہی ہے۔ کوئی ہے جو ہمیں بتا سکے کہ اس وقت پورے آگرہ میں کتنے کوے ہیں؟'' مصاحبین نے ہاتھ جوڑ لیے اور کہا کہ ''حضور والا! یہ سوال انسانی استطاعت سے باہر ہے، کیوں کہ کوؤں کو گننا ممکن ہی نہیں۔'' تاہم بیربل نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور آگے بڑھ کر کہا۔ ''جہاں پناہ! میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آگرے میں اس وقت کتنے کوے ہیں۔'' اکبر کو اول تو حیرانی ہوئی کہ جس سوال کے جواب پر سب نے عاجزی کا اظہار کیا، بیربل نے فوری طور پر اس کا جواب دینے کی بات کی ہے۔ اس نے بیربل سے کہا کہ ''بیربل! یاد رکھو اگر تمہاری بتائی ہوئی تعداد سے کم کوے پائے گئے تو تمہیں سزا بھی مل سکتی ہے۔'' حاضر جواب بیربل نے کہا۔ ''حضور والا! اس گھڑی آگرے میں تیس ہزار دو سو پچاس کوے موجود ہیں۔'' بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔ ''بیربل! تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ اگر تمہاری بتائی ہوئی تعداد سے کم تعداد نکلی تو سزا کے لیے تیار رہنا۔'' بیربل نے کہا۔ ''حضور والا آپ کوؤں کی گنتی کروالیں اگر میری بتائی گئی تعداد سے کم پائے گئے تو سمجھ لیجیے گا کہ آگرے کے کوے اپنے رشتے داروں سے ملنے آگرے سے باہر گئے ہیں اور میری تعداد سے زیادہ ہوئے تو سمجھیں کہ آگرے میں رہنے والے کوؤں سے ملنے ان کے رشتے دار کوے باہر سے آئے ہیں۔'' شہنشاہ اکبر نے بیربل کی اس حاضر جوابی سے خوب لطف لیا۔

عثمان سعد۔ کراچی

اس ماہ کی پیروڈی

مریضانِ کورنا کم نہ ہوں گے
اگر محدود گھر تک ہم نہ ہوں گے
پریشاں ہوں کہ یہ اہلِ سیاست
اس آفت میں بھی کیا باہم نہ ہوں گے؟
عجب یہ عالمی رنجِ وبا ہے
''یہ غم ہو گا تو کتنے غم نہ ہوں گے''
قرنطینہ میں انٹرنیٹ نہیں ہے
''وہ میرے حال سے محرم نہ ہوں گے''
اگر مجھ کو کورونا ہو گیا تو!
تری ''قربت'' کے صدمے کم نہ ہوں گے

شاعر: ڈاکٹر عمران ظ

پسند: افشاں عزیز۔ بہاول

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نورین ملک

ذرا پھر سے کہنا

بھول جانے والوں کے نام

کتبوں پر
کہیں پر بھی
یہ نہیں لکھا ہوتا
یہاں آنا منع ہے
نہ آنے والے
خدا جانے
کیا سوچ کر
نہیں آتے

سیدہ عروج فاطمہ

غزل

روایت ہے محبت کی انا کو مار دینا
یہ ہمت تم کبھی کرنا، نہیں تو ہم کو ہار دینا
کبھی بھی منت کے دھاگے یوں پہننا تم گلے میں
کہ تحفے جب وفاؤں کے ہوں ہر اک ہار دینا
بدلنا ہو محبت میں کبھی جو تم کو رستہ
بتا دینا ہمیں دھوکا نہیں تم یار دینا
یہ دنیا ہے سنی جاتی ہے یہاں مطلب کی ہے سب
مگر جب مسئلہ اپنا آئے جاں وار دینا
جدائی کے نگر میں لوگ اپنے بھی ہیں بستے
کچھ ہے اگر ان کو دینا تو تم نفرت پار دینا

فرزانہ شوکت

سحر کا انتظار

ظلمات سے آلود افق اور فضا میں ہے غبار
شبنم کی بوندوں سے ہوئے برگ و گل بھی
اشک بار
پھول میں مرجھائے سے
پتے بھی ہیں کملائے سے
پھر سے اتری ہے چمن پر خزاں گزیدہ سی بہار
ممکن تمیز زشت ہے نہ خوب کی پہچان ہے
بے اضطرا اور کذب کا ابلاغ ہے
واثق حصار نور کے بہروپ میں پھرتی ہے
ظلمت دیس میں
سحر بولیں شام کو
پت جھڑ کو کہتے ہیں بہار
قوم مضطر کو بھی کوئی دائمی وجہ قرار
منتظر تھے سحر کے فیض و جالب اور فراز
ختم ہونے کا نہیں لگتا یہ مظہر انتظار

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء المظہری

نظم

کرکٹر کو امپائر سے بہتر کوئی نہیں جانتا
ڈکی برڈ نے دعویٰ کیا
اور سلیکٹرز
میں نے دریافت کیا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اچھے سلیکٹر ان کھلاڑی کو
کپتان بنا دے پہلے
امپائر فیصلہ لیتے تھے
ڈکی برڈ نے اعتراف کیا
تماشائی لون سے کھلاڑیوں کو پسند کرتے ہیں
میں نے سوال کیا
تماشائی جارح مزاج کھلاڑیوں کو
پسند کرتے ہیں
جو چھکے لگاتے ہیں
باؤنسر لگاتے ہیں
لیکن امپائر انہیں پسند نہیں کرتے ہیں
ڈکی برڈ نے بتایا
کیونکہ ایسے کھلاڑی بار بار اپیلیں کرتے ہیں
اور
کسی امپائر کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے

ملک عامر نواز

اللہ اکبر

میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی
جیسے ہی اللہ اکبر کی صدا میرے کان میں گونجی
یہ صدا میرے روم روم میں بس گئی
اس کا ذائقہ اس کی حلاوت
میرے خون میں گھل گئی
میں بڑا ہونے لگا
میری ماں نے سبحان اللہ کی ہر تسبیح
کے ساتھ مجھے دودھ پلایا
میرے باپ نے روٹی کے ہر لقمے پر
بسم اللہ پڑھنا سکھایا
میں اب
دنیا کے گھیرے میں ہوں
جس کو کہتے ہیں اک پڑاؤ
لیکن اس اک صدا
اللہ اکبر نے
مجھے کسی کے آگے جھکنے نہیں دیا
بسم اللہ نے
جو میرے خون میں گردش کرتی ہے
مجھے برائی میں پڑنے نہیں دیا
میرا باپ جو ہر بات میں
الحمدللہ کا ورد کرتا تھا
مجھے وہ تسبیح دے گیا
میں اب اپنے آخری ٹھکانے پر پڑا
جہاں تنہائی تو ہے تاریکی نہیں
جہاں ڈر تو ہے خدا سے دوری نہیں
الحمدللہ واللہ اکبر
اسی تسبیح پر دہراتا ہوں
کہ میں زندہ بھی مسلمان تھا
میں مرا بھی مسلمان ہوں

سعدیہ جواد

نظم

بہتے سمندر نے روکی
موجوں کے زور پہ
طغیانیوں میں اٹھلاتی ہوا
خفگی سے اداس ہو کہ
برسا ساون
جل تھل ہو کے
موتی سیپ سے کھلکھلاتے پھولوں
نے لیا چھپا اپنا انگ
چڑھنے لگی کرنیں آفتاب کی
ہولیا چپکے سے پیچھے بادلوں کے
عرش تر ہوا تو

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

تمام حشرات الارض
خوشیاں منانے باہر آ نکلے

زروہ وصمان

غزل

تیری خموشی سے دہک اٹھتے ہیں شرارے بھی
کاش کوئی پھر دیکھے آج آنسو ہمارے بھی
غم اٹھائے تھے تیری عطا کے لیے ہم نے
مشکل لمحات میں پھر کوئی یوں کسے پکارے بھی
تیری بے رخی کا برا نہیں مانتے ہم
تو لاکھ دل پہ کرے ستم ہمارے بھی
ملی تھیں دوریاں بھی قسمت میں
غم کے ماروں کو یوں پھر ملتے نہیں کنارے بھی
کچھ لوگ سزا کے یوں منتظر ہیں جاوید
قسمت والوں کو پھر سے ملتے نہیں سہارے بھی

محمد اسلم جاوید

نیرنگ خیال

جب تم لوٹ آؤ گے
عید کے آنے میں ابھی چند دن باقی ہیں
کسی کو کسی کے آنے کی لگن ہے
ہر کوئی عید کی تیاری میں مگن ہے
پر میرا حال ایسا ہے
جب سے تم سے بچھڑی ہوں
کیا کوئی ہلال عید.....
کیا کوئی مبارک باد.....
گھر کو تیری یادوں سے اس طرح سجایا ہے
تیری شوخ باتوں کے رنگ برنگے پردے ہیں
تجھ سنگ بیتے لمحوں کی ہری بیلوں کو
آنسوؤں کے پانی سے ہرا بھرا رکھ کر
ہر طرف لگایا ہے
خود تو تنہائی اور اداسی کی سیاہ چادر اوڑھی ہے
میری جاگتی آنکھوں میں خواب ایک حسین سا ہے
میرے ٹوٹے دل میں ایک یقین سا ہے
کہ آنے والی عیدوں میں
تم لوٹ آؤ گے
کل کہ چاند دیکھیں گے
پھر دعا بھی مانگیں گے
پھر سب کی طرح میں بھی
گھر کو سجاؤں گی
جب تم لوٹ آؤ گے
"عید میں مناؤں گی"

صائمہ جواد قریشی

غزل

کچھ حادثات ہوتے ہیں ایسے بھی دہر میں
لگتے ہیں لوگ اجنبی سے اپنے شہر میں
جس کو بگاڑنے میں لگائے ہیں ماہ و سال
اس کو سنوار سکتے نہیں آٹھ پہر میں
مضبوط کشتیوں کو بھی الٹا کر رکھ دیا
یہ زور کیسے آگیا دریا کی لہر میں
اچھا ہے اب بھی کھینچ لو ظلم و ستم سے ہاتھ
ذات خدائے پاک نہ آجائے قہر میں
سب دیکھتے تھے کوئی بھی پہچانتا نہ تھا
جو لاش تیرتی ہوئی دیکھی تھی نہر میں
دنیا کے ساتھ عاقبت کو ہے سنوارنا
روتا ہے اٹھ کے رات کے جو پچھلے پہر میں
مقدار خاص کھا کے بھی زندہ رہا قمر
اتنی ملاوٹ ہو گئی ہے اب کے زہر میں

ریاض حسین قمر

.....☆.....

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

حورینہ سعد

اشعار

فرزانہ شوکت ——— کراچی

میرا دکھ پڑھنے والے
میرا راستہ نہ چن لیں
سرورق پر یہ بھی لکھنا
مجھے مات ہو گئی تھی

سیدہ عروج فاطمہ ——— ملتان

جسے سوچ کر زندگی سکون سے گزار سکوں
بچھڑنے سے قبل کوئی ایسی بات کہتے جاؤ

حنا کرن ——— خوشاب

تم نے جگنو سے سے دوستی کر لی
ہم ستارے تلاش کرتے رہے
کیا بتائیں کہ اب کے ساون میں
ہم تجھے کتنا یاد کرتے رہے

اقراء ——— سجاول

لاکھ دوری ہو مگر عہد نبھاتے رہنا
جب بھی بارش ہو مرا سوگ مناتے رہنا
تم گئے ہو تو سرِ شام یہ عادت ٹھہری
بس کنارے پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے رہنا

ارم نذیر ——— فیصل آباد

دیکھا ہے اجڑتے ہوئے کتنے گھروں کو
ہے کون جو اس عشق میں برباد نہیں
آتا ہے خیالوں میں میرے ایک ہی چہرہ
بس اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں

شازیہ گلزار ——— سکھر

یوں وفا کے سلسلے مسلسل نہ رکھ کسی سے!
لوگ ایک خطا کے بدلے ساری وفائیں بھول جاتے ہیں

عاصمہ خالد ——— ملتان

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

صدف عمران ——— خوشاب

نصیب کا کھیل بھی عجب طرح سے کھیلا ہم نے
جو نہ تھا نصیب میں اسی کو ٹوٹ کر چاہ بیٹھے

بینا ظفر ——— چنیوٹ

اپنے مطلب کے علاوہ کون کسی کو پوچھتا ہے
شجر جب سوکھ جائیں تو پرندے بھی بسیرا نہیں کرتے

آمنہ محمد نوید ——— اوکاڑہ

کچھ ایسی محبت اس کے دل میں بھر دے یارب
کہ وہ جس کو بھی چاہے وہ میں بن جاؤں

روزینہ سلیم ——— لاہور

محفل آرا تھے مگر پھر کم نما ہوتے گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ہم کیا سے کیا ہوتے گئے
ناشناسی دہر کی، تنہا ہمیں کرتی گئی
ہوتے ہوتے ہم زمانے سے جدا ہوتے گئے

سیما ظفر ——— فیصل آباد

کاش چاہنے والے ہمیشہ چاہنے والے ہی رہتے
پر لوگ اکثر بدل جاتے ہیں محبت ہو جانے کے بعد

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

کرن رحمٰن ——— کوئٹہ

کہنے کو تو بہت سی باتیں ہیں اس دل میں ہمدم
کچھ لفظوں میں سن لو، کچھ میری آنکھوں میں پڑھ لو

زبیدہ علی ——— مانسہرہ

یادیں کیوں نہیں بچھڑ جاتیں
لوگ تو پل میں بچھڑ جاتے ہیں

اقصیٰ ناصر ——— جڑانوالہ

بدل رہے ہیں ہم اپنا طرزِ زندگی آج سے
کریں گے صرف اسے یاد جسے ہم یاد آئیں گے

اریبہ منیب ——— ڈنگہ

تیری وفا کے تقاضے بدل گئے ورنہ
مجھے تو آج بھی تم سے عزیز کوئی نہیں

مائین ——— مظفر آباد

اس کا معیار ابھی مجھ سے جدا ہے لیکن
وہ بھی بکھرے گا تو ہو جائے گا میرے جیسا

ندا طارق راؤ ——— منڈی بہاؤالدین

انہیں تفصیل سے کیسے سنائیں یہ قصہ محبت کا
کہ وہ مصروف ہیں اب تک ہمیں برباد کرنے میں

نمرہ ——— کراچی

مجھ سے کیا گلہ تم کو اتنے بدگمان کیوں ہو تم
میں نے تم کو چاہا ہے تم سے تو کچھ نہیں چاہا

کرن رحمٰن ——— کنگن پور

محبت زندگی کے فیصلوں سے لڑ نہیں سکتی
کسی کو کھونا پڑتا ہے اور کسی کا ہونا پڑتا ہے

فوزیہ سحر ——— لاہور

ہوا اجازت تو مانگ لوں تمہیں رب سے
سنا ہے بارش میں دعا قبول ہوتی ہے

مدیحہ ——— مدینہ کالونی

سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے
اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے

انیلا ریاض ——— شورکوٹ

جس کو چاہا بھی اظہار نہ کرنا آیا
عمر کٹ گئی ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی تو ہم سے جدائی مانگی
اور ہم تھے کہ ہمیں انکار نہ کرنا آیا

ماہ نور نواز ——— کراچی

یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے

مریم نواز ——— کراچی

کون پوچھتا ہے پنجروں میں بند ان پنچھیوں کو
یاد وہی آتے ہیں جو اڑ جاتے ہیں

فرحین ظفر ——— کوئٹہ

جو اس کی چاہ میں گزری، وہ زندگی ہے میری
اس کے بعد تو گزارہ ہے زندگی نے مجھے

نادرہ سلطانہ ——— سی

وہ پیش لفظ تھا جس نے رلا دیا ہے مجھے
سنبھال خود کو ابھی داستان باقی ہے

اقراء ——— کوٹری

لوگوں نے اس کو میری محبت سمجھ لیا
محسن وہ مجھ کو جان سے پیارا لگا اور بس

نادیہ ——— پشاور

زندگی تیری حقیقت کی حقیقت یہ ہے
تیرے گفتار میں چھاواں، تیرے کردار میں دھوپ

عائشہ خان ——— کراچی

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کر دو نفرتیں
آج انسان کو محبت کی ضرورت ہے بہت

☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

زوباریہ خالد ——— میرپورخاص

خوب جی بھر کے ہو لیے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا
دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

نورالصباح ——— نواب شاہ

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نمرہ عاقب ——— بسم اللہ پور

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے

نین حیات ——— کراچی

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پہ یکساں
جو مجنوں سر پٹختا ہے تو لیلیٰ آہ کرتی ہے

سنیعہ فیصل ——— لاہور

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
آپ رکھ چھوڑیے اس کو مرے کس کام کا ہے

صدف عمران ——— حافظ آباد

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاج درد دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اس کی دوا کیا ہے

رضوانہ قاضی ——— اسلام آباد

کیسے کسی کی یاد کا چہرہ بناؤں میں
امجد وہ کوئی نقش مجھے بھولنے تو دے

مہ وش ——— راولپنڈی

بھیگا کھڑا ہے سرد رت میں سوگوار دل
دھند کی صورت اداسیاں اترتی جاتی ہیں

عائشہ خان ——— گوجرہ

عشق میں بھی سیاستیں نکلیں
قربتوں میں بھی فاصلہ نکلا

صندل ——— سرگودھا

وہ تھے خفا ہم سے یا ہم ہیں خفا ان سے
کل ان کا زمانہ تھا آج اپنا زمانہ ہے

مہرین ندا ——— گوجرانوالہ

ابھی سے پاؤں کے چھالے نہ دیکھو
ابھی یارو سفر کی ابتدا ہے

تزئین نبیل ——— امریکا

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا

ماہ نور نواز ——— کراچی

اس کے لہجے سے بس یہ معلوم ہوا
اسے دشوار لگتا ہے ہم سے رابطہ رکھنا

دھنک ناز ——— کراچی

بہت دیر کر دی ہم نے میری دھڑکن محسوس کرنے میں
وہ دل نیلام ہو گیا جس کو کبھی حسرت تمہاری تھی

انعم سلمان ——— سرگودھا

میں نے یہ سوچ کر تسبیح توڑ دی فراز
کیا گن گن کر مانگوں اس سے جو بے حساب دیتا ہے

صدف منیر ——— سرگودھا

ملے گا اور روئے گا اب بھی وہ لگ کے سینے سے
کہ اپنے حال کا ماضی سے فاصلہ نہ رہے
اتار کر تجھے دل میں، میں پھوڑ لوں آنکھیں
پلٹ کر مل بھی سکے تو وہ راستہ نہ رہے

امبرین حیدر ——— اسلام آباد

خرچ جتنا کروں یہ بڑھتی ہے
یاد تیری عجیب دولت ہے

.....☆.....

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ثریا اقبال

کچن

چٹ پٹی دم کلیجی

اجزاء

کلیجی	: آدھا کلو
لہسن ادرک پیسٹ	: دو کھانے کے چمچے
چاٹ مصالا	: حسب ضرورت
ہرا دھنیا	: تھوڑا سا
پیاز (گول لچھے کاٹ لیں)	: ایک عدد
لال مرچ (کٹی ہوئی)	: دو کھانے کے چمچے
نمک	: حسب ذائقہ
لیموں	: دو عدد
گرم مسالا پاؤڈر	: آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب: کلیجی کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر اچھی طرح دھو لیں۔ ایک پیالے میں کلیجی کے ٹکڑے ڈال دیں۔ اس میں لال مرچ، نمک، لہسن ادرک کا پیسٹ اور گرم مسالا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ڈیڑھ سے دو گھنٹے تک میرینیٹ کریں۔ اس کے بعد ایک پتیلی میں میرینیٹ کی ہوئی کلیجی اور تیل ڈال کر چولہے پر درمیانی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔ بیس منٹ بعد تیز آنچ پر پانی خشک کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ تیل اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں۔ کوئلہ کو اچھی طرح دہکا لیں اور کلیجی پر پیاز کا چھلکا رکھ کر اس پر کوئلہ رکھ دیں۔ کوئلہ پر تیل ٹپکائیں اور ڈھکن ڈھک کر کلیجی دم پر رکھ دیں۔ تیار ہو جائے تو پیاز کے گول لچھے کاٹ کر لیموں اور ہرا دھنیا سے گارنش کریں۔ آخر میں چاٹ مصالا چھڑک دیں۔ گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

بھنی چانپ

اجزاء:

چانپیں	: ایک کلو
لہسن کا پیسٹ	: دو کھانے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	: دو چائے کے چمچے
سرکہ	: آدھا کپ
دہی	: ایک چوتھائی کپ
لیموں (رس نکال لیں)	: ایک عدد
تیل	: حسب ضرورت
لال مرچ پاؤڈر	: دو چائے کے چمچے
نمک	: حسب ذائقہ

ترکیب: چانپوں کو نمک ملے پانی میں دس پندرہ منٹ تک ابال کر پلیٹ میں نکال لیں۔ پیپر ٹاول سے خشک کریں پھر لیموں کا رس، لہسن پیسٹ، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، سرکہ، نمک اور دہی ملا کر چھ سے سات گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ ایک بڑے سوس پین میں تیل گرم کریں اس میں مرینیٹ کی ہوئی چانپیں علیحدہ علیحدہ ڈال کر درمیانی آنچ پر گولڈن ہونے تک فرائی کریں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

مٹن کنہ

اجزاء:

گوشت	: ایک کلو
نمک	: حسب ذائقہ

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

لال مرچ پسی ہوئی	: دو کھانے کے چمچے
دہی	: ایک پیالی
سیاہ زیرہ	: ایک چائے کا چمچہ
ادرک باریک کٹی ہوئی	: حسب پسند
ادرک لہسن پسا ہوا	: دو کھانے کے چمچے
پیاز	: دو عدد
ہلدی پسی ہوئی	: ایک چائے کا چمچہ
بڑی الائچی	: ایک سے دو عدد
آٹا	: آدھی پیالی
آئل	: تین چوتھائی پیالی

ترکیب: گوشت کو بڑے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، آٹے کو ایک پیالی پانی میں گھول کر گاڑھا سا پیسٹ بنا لیں۔ پیاز کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ پین میں آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ تک ہلکا گرم کر کے ثابت گرم مصالا ڈالیں اور پیاز کو سنہرا فرائی کر لیں۔ ادرک لہسن ڈال کر ایک منٹ کے لیے فرائی کریں۔ گوشت ڈال کر اتنی دیر تک بھونیں کہ تیل علیحدہ ہو جائے۔ نمک، لال مرچ، بڑی الائچی اور سیاہ زیرہ دہی میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور آٹے کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ چار سے چھ پیالی پانی شامل کر کے ہلکی آنچ پر ڈھک کر اتنی دیر پکائیں کہ گوشت اچھی طرح گل جائے۔ ادرک چھڑک کر پیش کریں۔

پائے

اجزا

بکرے کے پائے	: بارہ عدد
ادرک لہسن پسا ہوا	: دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	: تین عدد درمیانے
ثابت دھنیا	: دو کھانے کے چمچے
لال مرچ پسی ہوئی	: دو کھانے کے چمچے
ہلدی پسی ہوئی	: ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالا پسا ہوا	: ایک کھانے کا چمچہ
ہرا دھنیا	: آدھی گٹھی
ہری مرچیں	: تین سے چار عدد
تیل	: ایک پیالی
نمک	: حسب ذائقہ
پیاز	: تین عدد
ثابت گرم مصالا	: دو کھانے کے چمچے
سونف	: دو کھانے کے چمچے
دھنیا پسا ہوا	: دو کھانے کے چمچے
دہی	: ایک پیالی
سفید زیرہ (بھنا ہوا کٹا ہوا)	: ایک کھانے کا چمچہ
پودینہ	: آدھی گٹھی
ادرک باریک کٹی ہوئی	: دو کھانے کے چمچے

ترکیب: پائے اچھی طرح صاف کر کے دھو لیں اور چھ سے آٹھ پیالی ابلتے ہوئے پانی میں ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں، ابال آنے پر اوپر آنے والا جھاگ نکال لیں، پھر آنچ ہلکی کر کے دو موٹی کٹی ہوئی پیاز ڈالیں اور صاف ستھرے ململ کے کپڑے میں سونف اور ثابت دھنیے کی پوٹلی بنا کر ڈال دیں ہلکی آنچ پر چار سے چھ گھنٹے یا رات بھر پکا لیں۔ پین میں تیل ڈال کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں اور ثابت گرم مصالا ڈال کر کڑکڑا لیں۔ پھر اس میں بقیہ پیاز کو باریک کاٹ کر سنہرا فرائی کر لیں۔ ادرک لہسن، نمک، لال مرچ، ہلدی، دھنیا، زیرہ اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر بھونیں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں پائے اور دہی ڈال کر مزید چند منٹ بھونیں۔ پائے کی یخنی چھان کر ڈالیں اور ہلکی آنچ پر دس سے پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

ہنٹر بیف

اجزا:

بیف	: ڈیڑھ کلو
لونگیں	: ایک چائے کا چمچہ
لیموں (رس نکال لیں)	: چار عدد
قلمی شورہ	: دو کھانے کے چمچے
ثابت سیاہ مرچ	: تین چائے کے چمچے
دارچینی	: چار اسٹکس
سفید زیرہ (کٹا ہوا)	: ایک کھانے کا چمچہ
نمک	: حسب ذائقہ
دیسی گڑ	: تین کھانے کے چمچے

ترکیب: بیف کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں۔ دارچینی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، سفید زیرہ، نمک، قلمی شورہ اور دیسی گڑ ملا کر مصالحے کو اچھی طرح پیس لیں۔ لیموں کا رس اور پسا ہوا مصالا گوشت پر لگا کر چوبیس گھنٹے کے لیے میرینیٹ کردیں۔ پھر اس میں چار کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں ایسے کہ گوشت گل جائے اور پانی بھی خشک ہوجائے۔ ٹھنڈا کرکے سلائس کاٹیں اور ہلکا سا فرائی کرکے ڈبل روٹی اور کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

سندھی بریانی

اجزا:

باسمتی چاول	: ایک کلو
ٹماٹر چوپ کرلیں	: آدھا کلو
دہی	: ایک پاؤ
زرد رنگ	: آدھا چائے کا چمچہ
تیل	: ڈیڑھ کپ
دھنیا پاؤڈر	: دو کھانے کے چمچے
آلو بخارے	: سو گرام (دھو کر بھگو لیں)
ہری مرچیں	: آٹھ عدد
تیز پات	: دو عدد
لونگ	: چار عدد
چھوٹی الائچی	: چھ عدد
زیرہ	: ڈیڑھ چائے کا چمچہ
بکرے یا گائے کا گوشت	: ایک کلو
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	: چار عدد
نمک	: حسب ذائقہ
دودھ	: ڈیڑھ کپ
سرخ مرچ پاؤڈر	: ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پیسٹ	: دو کھانے کے چمچے
پودینہ	: ایک گٹھی
لیموں (قتلے کاٹ لیں)	: چار عدد
دارچینی	: دو ٹکڑے
بڑی الائچی	: چار عدد
ثابت سیاہ مرچیں	: دس عدد
آلو	: آدھا کلو

ترکیب: پتیلی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر سنہری ہونے تک تلیں اس کے بعد آدھی پیاز نکال کر الگ رکھ لیں اور پتیلی میں گوشت، دہی، سرخ مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ادرک، لہسن پیسٹ، گرم مصالا پاؤڈر اور نمک ڈال کر گوشت گلنے تک ڈھکن ڈھاک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ گوشت آدھا گل جائے تو اس میں ٹماٹر، آلو، ہری مرچیں اور آلو بخارے ڈال کر تیل الگ ہونے تک بھون لیں۔ ایک پتیلی میں نمک ملے پانی میں چاول، تیز پات، دارچینی، لونگ، بڑی الائچی، چھوٹی الائچی، ثابت سیاہ مرچیں، زیرہ اور تھوڑے پودینے کے پتے ڈال کر ایک کنی رہنے تک ابال لیں اس کے بعد چھان کر چاول الگ کرلیں۔ ایک دوسرے بڑے پتیلے میں پہلے ابلے ہوئے چاولوں کو تہہ لگا کر اس پر تیار کیا ہوا گوشت کا سالن ڈال کر باقی بچے ہوئے چاولوں کی تہہ لگادیں۔ آخر میں دودھ میں زرد رنگ گھول کر ڈالیں۔ پودینہ، لیموں کے قتلے اور تلی ہوئی پیاز ڈال کر دم پہ لگادیں۔ مزے دار سندھی بریانی تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال کر سلاد اور رائتہ کے ساتھ سرو کریں۔ ☆☆

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

شہلا مشائق

سنگھار

نئے میک اپ ٹرینڈز کی بات کی جائے تو حال ہی میں جس ٹرینڈ نے حسن و انداز کی دنیا کو متاثر کیا وہ گلیٹر میک اپ ٹرینڈ ہے۔ آنکھوں کو گلیٹر سے سجانا سب سے آسان اور مقبول ترین ٹرینڈ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گلیٹر آئی شیڈو نے دیکھتے ہی دیکھتے مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ اسے نہ صرف فیشن کی دنیا میں پر مقبولیت حاصل ہے بلکہ یہ مشہور شخصیات کے ساتھ ساتھ عام خواتین کی پسند بھی بن چکا ہے۔ اس ٹرینڈ کی جھلک آپ نے بھی سوشل میڈیا پر ضرور ملاحظہ کی ہوگی جو قدرے سبک انداز سے لے کر خوب گہرے آئی میک اپ تک دکھائی دیتا ہے، تاہم یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گلیٹر میک اپ ہر ایک کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ گلیٹر آئی شیڈو لگانے کے لیے خاص مہارت درکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے اسے خوب صورتی اور نفاست سے اپلائی نہ کیا جائے تو اس سے آپ کا حسن ماند پڑ سکتا ہے۔

آپ کے لیے چند آسان لیکن موثر تجاویز پیش کی جارہی ہیں جن کی مدد سے آپ گلیٹر آئی شیڈو کو بہ خوبی اپلائی کرسکتی ہیں۔

آپ ایک گلیٹر آئی شیڈو پیلٹ خرید لائیں اور آنکھ کے اندرونی گوشے پر سلور گلیٹر آئی شیڈو جب کہ پپوٹے کے درمیان گولڈن شمر اور پلکوں کے اوپر گلیٹری آئی لائنر لگالیں۔ لیجیے آپ کا گلیٹر آئی میک اپ مکمل ہے۔ یہ تو ایک سادہ ترین طریقہ تھا تاہم اس نئے گلیٹر ٹرینڈ کو اپنانے کے ضمن میں مفصل تجاویز درج ذیل ہیں۔

انتخاب: اچھا گلیٹر میک اپ کرنا ذرا مشکل کام ہے، اس لیے بہتر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں کسی ایک فیچر تک محدود رہا جائے۔ یعنی یا تو آنکھوں کا میک اپ گلیٹری کریں یا ہونٹوں کا۔ کیونکہ زیادہ گلیٹر استعمال کرنے سے ایسا محسوس ہوگا کہ آپ کسی فینسی ڈریس شو میں شرکت کے لیے تیار ہوئی ہیں۔ اس لیے جب آنکھوں کو گلیٹر سے جگمگانے کا ارادہ ہو تو ہونٹوں کو گلیٹر سے دور رکھیں۔

استعمال میں توازن: اگر آپ چاہتی ہیں کہ آنکھوں کے ساتھ ساتھ اپنے ہونٹوں کا میک اپ بھی گلیٹری کریں تو اس معاملے میں آپ کے لیے یہ تجویز ہے کہ گلیٹر کے استعمال میں توازن کا خیال رکھیں۔ لہٰذا آنکھوں اور ہونٹوں میں سے کسی ایک کا میک اپ قدرے ڈارک اور نمایاں رکھیں جب کہ دوسرے حصے کا میک اپ ہلکا کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہائی لائٹر کے استعمال میں بھی احتیاط برتیں اور کم سے کم ہائی لائٹر لگائیں۔

نیوٹرل شیڈز: اگر آپ کا شمار کم سے کم میک اپ استعمال کرنے والی خواتین میں ہوتا ہے لیکن جدید ٹرینڈ کی پیروی کرتے ہوئے گلیٹر استعمال کرنا چاہتی ہیں تو آپ کے لیے مشورہ ہے کہ اپنے لیے نیوٹرل کلر پیلٹ کا انتخاب کریں۔ نیوٹرل شمری ٹونز منتخب کرکے آپ بڑی سہولت کے ساتھ اس لاجواب ٹرینڈ کو اپنا سکتی ہیں۔ آئی میک اپ کرتے ہوئے پہلے گلیٹری شیڈز جیسے کہ وہائٹ، بیج، کاپر یا براؤن شیڈ کا ٹچ دیں۔ اب آپ کسی بھی تقریب کا رخ کرسکتی ہیں۔

سب سے پہلے گلیٹر آئی شیڈو: جیسا کہ آپ جانتی ہیں گلیٹر لگانے میں غلطی ہوجائے تو یہ ایک مسئلہ بن

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے صاف کرنا مزید مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی قسم کی مشکل سے محفوظ رہنے اور اپنا وقت بچانے کے لیے سب سے پہلے گلیٹر آئی شیڈو اپلائی کریں۔ اس طرح کسی غلطی کی صورت میں آپ کو میک اپ بیس صاف کرنے اور دوبارہ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر آئی شیڈو لگانے کے دوران اس کے کچھ ذرات چہرے پر گر جائیں تو انہیں اسکاچ ٹیپ کی مدد سے صاف کرلیں۔

آئی شیڈو کیسے لگائیں؟: گلیٹر لڑکیوں کا پسندیدہ ترین ٹرینڈ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیگز سے لے کر شوز اور ڈریسز تک اپنی ہر چیز میں گلیٹر کی چمک دیکھنا چاہتی ہیں۔ سو آپ بھی گلیٹر کی جگمگاہٹ کو اپنی زندگی مین شامل کریں اور آئی شیڈو درج ذیل انداز میں اپنائیں۔

گولڈن گلیٹر: آنکھ کے پورے پپوٹے پر گولڈن گلیٹر آئی شیڈو لگانا ایک ایسا خوب صورت انداز ہے جسے دن سے لے کر رات تک کے میک اپ کے لیے اپنایا جاسکتا ہے۔ اس انداز کو مکمل کرنے کے لیے اس کے ہمراہ بلیک آئی لائنر، ہلکا سا کاجل اور بہت سا مسکارا بھی اپلائی کریں۔

گلوسی اینڈ گلیٹری: اگر آپ اپنے گلیٹری آئی شیڈو کو مزید نمایاں کرنے کی خواہش مند ہیں تو اس کے لیے کچھ ترکیبیں استعمال کرنی ہوں گی۔ آئی میک اپ میں مزید کشش لانے کے لیے پپوٹوں کے اوپری حصے پر آئی گلوس لگائیں اور پھر اس کے نیچے پلکوں کے ساتھ ساتھ مہارت سے نیوڈ گلیٹر اپلائی کریں۔ اس کے ہمراہ اپنا میک اپ بیس قدرے ہلکا اور فریش رکھیں تاکہ آپ کا چہرہ شاداب دکھائی دے۔ آخر میں ہونٹوں پر لپ اسٹک کے بجائے لپ بام لگائیں۔

گلیٹر اسموکی آئی: اگر آپ میک اپ کے ضمن میں تجربات کی شوقین ہیں تو پھر گلیٹر اسموکی آئی یقیناً آپ ہی کا انداز ہے۔ یہ انداز روایتی اسموکی آئی کے برخلاف ہے۔ لہٰذا منفرد دکھائی دیتا ہے۔ اس کے لیے اپنی پسند کا گلیٹر آئی شیڈو منتخب کریں تاہم بہتر یہی ہوگا کہ اس لک کو اپنانے کے لیے بلیک اور گولڈ کا انتخاب کیا جائے۔

چمکدار رنگ: کیٹ آئی آئی لائنر کا ایک کلاسک اسٹائل مانا جاتا ہے۔ خواتین یہ اسٹائل انفرادیت پیدا کرنے کے لیے اپناتی ہیں۔ اگر آپ اسے مزید منفرد بنانا چاہتی ہیں تو اس میں ایک اسپارک اور چمک شامل کرلیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے پسندیدہ گلیٹر آئی شیڈو کو ایک گیلے آئی لائنر برش پر لگائیں اور پپوٹوں کے اوپر اپلائی کرلیں۔ پھر اسے کیٹ آئی اسٹائل میں آنکھوں کے بیرونی کناروں تک کھینچ لیں۔

ایک اور انداز: اگر کیٹ آئی اسٹائل آپ کو پرانا محسوس ہو اور آپ کوئی اور انوکھا اسٹائل اپنانا چاہیں تو پلکوں کی نچلی لائن کے ساتھ گلیٹر لگائیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے میٹ بلیک آئی لائنر پلکوں کے اوپر لگائیں اور اس کی لائن قدرے آگے تک کھینچ لیں۔ اس کے بعد گلیٹر آئی شیڈو کا ایک اسٹروک نچلی پلکوں تلے لگا لیں۔ اس کے ہمراہ باقی میک اپ ہلکا رکھیں تاکہ آپ کی آنکھیں توجہ کا مرکز رہیں۔

میک اپ کیسے صاف کریں؟ جگمگاتے آئی میک اپ کو استعمال کرنا تو آپ نے سیکھ لیا لیکن اسے صاف کرنے کا طریقہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ گلیٹر کو اتارنا ذرا مشکل کام ہے۔ اسے اتارنے میں دیر کی جائے تو یہ سختی کے ساتھ جلد اور پلکوں پر چپک جاتا ہے۔ اس لیے گھر آتے ہی ایک کاٹن پیڈ، آئی میک اپ ریموور میں بھگوئیں اور اسے دو ایک منٹ کے لیے آنکھوں کے اوپر رکھیں۔ پھر نرمی سے رگڑ کر صاف کرلیں۔ ضرورت ہو تو اس عمل کو دہرالیں۔ اس کے بعد گلیٹر کے بچے کھچے ذرات صاف کرنے کے لیے کوئی اچھا کلینزر استعمال کریں۔

.....☆.....